مقالاتِ سیرت

عالمی رابطۂ ادبِ اسلامی "شاخ گجرات" کے زیرِ اہتمام جامعہ علوم القرآن
جمبوسر میں منعقد ہونے والے آل گجرات مسابقۂ مقالاتِ سیرت کا حسین گلدستہ

باہتمام: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
بانی و رئیس: جامعہ علوم القرآن جمبوسر - صدر: رابطۂ ادبِ اسلامی "شاخ گجرات"

ناشر: علامہ محمد بن طاہر پٹنی اکیڈمی
جامعہ علوم القرآن جمبوسر، بھروچ، گجرات

مقالاتِ سیرت

فہرست مقالاتِ سیرت

پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحیم

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہو　　　　میری انتھائے نگارش یہی ہے

زیرِ نظر کتاب ''مقالات سیرت'' طلبۂ جامعات گجرات کی قلمی کاوشوں کا وہ حسین گلدستہ ہے؛ جوانہوں نے دربارِ نبوی میں پیش کرنے کے لئے تیار کیا تھا، طلبۂ کرام کے قلم میں حرکت اور ان کے جذبات؛ ساز و آواز بن کر تب سامنے آئے جب عالمی رابطۂ ادب اسلامی ''شاخ گجرات'' نے ''آل گجرات مسابقۂ مقالات سیرت'' کا اعلان دے کر سردارِ انبیاء ﷺ کی شان میں عقیدت و محبت کے اظہار کی دعوت پیش کی، پیش خدمت ہے دعوت نامہ کا مضمون...

بعدہ: عالمی رابطۂ ادب اسلامی، شاخ گجرات نے طلبۂ کرام میں تحریر کا ذوق پیدا کرنے، نیز نبوی زندگی سے وابستگی بڑھانے کے لئے سیرت مبارکہ کے موضوع پر طلبۂ مدارسِ گجرات کے درمیان مقالات سیرت کے مسابقہ کا پرگرام بنایا ہے، رابطہ یہ مسابقہ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ کے پہلے عشرہ میں منعقد کرنا چاہتا ہے، تا کہ ہم طلبۂ کرام کی تعطیلاتِ سنویہ و عیدالاضحیٰ کو صحیح رخ دے کر ان سے جامع کام کرانے میں کامیاب ہو سکیں، امید ہے آپ ادارہ کے ماہر اساتذۂ کرام کی رہبری میں طلبۂ عزیز سے ذیل میں مذکور تفصیل و شرائط کے مطابق مقالات کی تیاری میں تعاون فرمائیں گے، ان شاء اللہ آپ کی توجہ رابطہ، ادارہ اور طلبہ سبھی کے لئے نیک نامی اور سرخ روئی کی ضامن

ہوگی، رابطہ مسابقہ کے آخری اجلاس میں ہر فرع میں اول، دوم، سوم نمبر پر کامیاب ہونے والے مقالہ نگاروں کی مختلف انعامات اور طمغوں سے عزت افزائی کریگا۔

- **فرع اول : برائے طلبۂ درجہ عربی پنجم (۵) :عہد جاہلیت، تابعثت نبوی ﷺ**
- **فرع دوم: برائے طلبۂ درجہ عربی ششم (٦):آپ ﷺ کی مکّی زندگی، از بعثت تا ہجرت**
- **فرع سوم : برائے طلبۂ درجہ عربی ہفتم (۷) :آپ ﷺ کی مدنی زندگی، از ہجرت تا وفات**

ملاحظات

(۱) پہلا مسابقہ ارباب مدارس ازخود اپنے ادارے میں عیدالاضحیٰ سے پہلے منعقد کریں اور تینوں فرع میں اول نمبر پر کامیاب ہونے والے طلبۂ کرام کو جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں منعقد ہونے والے آخری مسابقہ میں شامل فرمائیں، مسابقہ نہ کرنے کی صورت میں ادارہ اپنے طور سے بہتر طلبہ کو منتخب کر کے ہر فرع کے لئے ایک ایک طالب علم کو روانہ کرے۔

(۲) مقالہ زیادہ سے زیادہ دس منٹ اور کم سے کم آٹھ منٹ میں پیش ہو جائے اس طرح مرتب فرمائیں۔

(۳) ضروری حوالہ کے علاوہ کسی بھی کتاب کی طول طویل عبارتیں نقل کرنے کے بجائے حاصل مطالعہ کو اپنے الفاظ وتعبیرات میں پیش کرنے کی کوشش کریں۔

(۴) اساتذۂ کرام، طلبۂ عزیز کو سیرت کے عنوان پر لکھی گئیں بہتر کتابوں کا حوالہ دے کر طریقۂ استفادہ سمجھا دیں، اور مواعظ کی کتابوں سے استفادہ سے پرہیز کی

تلقین کریں، کیوں کہ واعظ عوام کی سطح سے کلام کرتا ہے اور تحریر کا انداز تقریر سے یقیناً جداگانہ ہے۔

(۵) مقالہ عربی، اردو ہر دو زبان میں لکھا جا سکتا ہے، نمبرات میں ہر دو لغت کا ادب بھی ملحوظ ہوگا۔

(۶) مقالات میں ماقبل نبوت، مکّی زندگی و مدنی زندگی کے احاطے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے مقالہ اسطرح مرتب کریں کہ وہ اس دور کا آئینہ ہو جس میں قاری یا سامع کو اس دور کی چلتی پھرتی تصویر نظر آئے۔

(۷) سیرت کے حوالے سے ایک اہم مضمون فقہ السیرۃ کا ہے، طلبۂ عزیز کو اس کی طرف توجہ دلا کر مقالے میں وقائعِ سیرت کے دروس وعبر سامنے لانے کی طرف دھیان دلائیں۔ بطور نمونہ فقہ السیرۃ کی مختصر کتب کا حوالہ دے کر نظر سے گزارنے کی تاکید فرمائیں۔

(۸) حکم بیرون گجرات کے بھی ہونگے اس لئے بالخصوص اردو میں مقالہ لکھے جانے کی صورت میں کلمات کے صحیح تلفظ کا اہتمام کروایا جائے، غیر معروف اردو کے الفاظ کی لغت سے اصلاح کروا کر اپنے یہاں ضروری اعراب بھی لگا لیں تو مضائقہ نہیں۔

(۹) مسابقہ میں شرکت کی اطلاع فوری طور پر اور شریک ہونے والے طلبہ کے ناموں کی اطلاع ذیقعدہ کے عشرۂ اخیرہ میں دے دیں تاکہ نظام میں سہولت رہے،

(۱۰) مقالہ کمپوٹر پر ٹائپ کروا کر یا خوش خط صفحہ کے ایک جانب حاشیہ چھوڑ کر تیار کریں اور جامعہ جمبوسر پہونچتے ہی دفتر استقبالیہ میں جمع فرمادیں۔

(۱۱)اگر کمپوٹر پر لکھوایا گیا ہوتو اس کی سی دی بھی ضرور لیتے آئیں تاکہ کتابی شکل میں شائع کرنے کی صورت میں وہ کام آجائے اور جلد منظر عام پر آنے میں معین ثابت ہو، ان شاء اللہ مقالہ نگار، نگران استاذہ اور ادارے کے نام کے ساتھ شائع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

امید ہے کہ گجرات کے طلبۂ عزیز میں تحریر کا ذوق پیدا کرنے کی رابطۂ ادب اسلامی، گجرات شاخ کی اس مہم کو آپ مکمل تعاون پیش فرما کر طلبۂ عزیز کے ایمانی اور دینی جذبات کی تسکین اور ذات نبوی سے قلبی اور روحانی ربط و تعلق کی تقویت کا سامان بہم پہونچائیگے۔

الحمد للہ رابطۂ ادب اسلامی شاخ گجرات کی دعوت پر شمع نبوت کے پروانے گجرات بھر سے پروانہ وار پہنچے اور فرع اول میں سولہ فرع ثانی میں اٹھارہ اور فرع ثالث میں سولہ مقالات پیش ہوئے، جامعہ علوم القرآن میں مکمل دو روز سیرت نبویہ کی پر انوار مجالس کا سلسلہ جاری رہا جس میں حبیب کبریا کے حضور نذرانۂ عقیدت اور خراج محبت پیش کیا جاتا رہا، اکابر علماء کرام اور جامعات گجرات کے نمائندوں نے اپنے اپنے تاثرات میں جامعہ علوم القرآن کے اس مبارک اقدام کو مفید اور وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے طلبۂ کرام کی قلمی تربیت کے لئے دیگر ایسے ہی مضامین مسابقے کروانے اور اپنے اپنے اداروں میں ''بزم کتابت'' کے ذریعہ طالبان علوم نبوت کو میڈیا کے اس دور میں قلمی دعوت و جہاد کے لئے تیار کرنے کی اہم ضرورت کی جانب متوجہ کیا۔

رابطۂ ادب اسلامی شاخ گجرات نے حسب وعدہ طلبۂ کرام کے مقالات کو کتابی شکل دے کر افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا ہے، طویل مقالات کو حسب اعلان مختصر

اور مفید بنا کر پیش کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سیرت کے پیغام کو عام کر کے مسلمانوں کو سیرت وسنت کے اتباع کی توفیق ارزانی فرمائے نیز بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیرت طیبہ سے رہبری پا کر منزل مقصود تک پہنچائے، و ما ذلك على الله بعزيز ۔

ہو لاکھوں سلام اس آقا پر، دل لاکھوں جس نے جوڑ دئے
دنیا کو دیا پیغام سکوں، طوفانوں کے رخ موڑ دئے
اس محسن عالم ﷺ نے آکر کیا کیا نہ دیا انسانوں کو؟
دستور دیا، منشور دیا، کئی راہیں دیں کئی موڑ دئے

حضرت مولانا مفتی ''احمد دیولوی'' دامت برکاتہم
صدر: عالمی رابطۂ ادب اسلامی ''شاخ گجرات''
جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ، گجرات۔

مقالات فرع اول

”مدنی دور“

مقالہ نگار :شاہدایم،پی
متعلم: دارالعلوم، تاراپور

مقالہ نمبر : ۱

فرع اول میں پہلا انعام یافتہ مقالہ

حضرات اساتذۂ کرام، علماء اسلام، اور باغ نبوت کے معطر پھولو! یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ تاریخ کے تحقیقی ہاتھوں نے ان گنت دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی ،علمی اور مختلف صلاحیتوں کے مالک نامور شخصیات کے نام پیش کر کے خراج عقیدت حاصل کئے ہیں، جو آئے مگر آ کے چلے گئے، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا، جو طلوع ہو کر کبھی غروب نہیں ہوا، وہی جو" لقد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" کا مصداق بنا، وہی جو نبوت کا بدر کامل بن کر مکہ کی سنگلاخ وادی کے افق رسالت پر طلوع ہوا اور اپنی ضیا پاش کرنوں سے جزیرۃ العرب کے ہر کچے پکے تنگ و تاریک محلات میں ضو بھر دی، جس نے قبول کیا چمک اٹھا، اور جس نے انکار کیا اسے بھلا دیا گیا، لیہلك مَنْ هَلَكَ عَنْ بينةوَيَحْىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَة۔

ہجرت گاہ رسول میں اسلام کا داخلا: بقول امام زہری متوفی ۱۲۴ھ حضور پور نور ﷺ بعثت کے پورے تیرہ برس مکہ مکرمہ میں رہے، تین برس تک مخفی تبلیغ کرنے کے بعد علانیہ تبلیغ شروع، کی آدم زادگاہوں مثلا عکاظ، مجنتہ، ذوالمجاز کے کونے کونے کی خاک چھان ڈالی اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فرض ادا فرتے، بالخصوص موسم حج میں باہر سے آنے والوں میں جا کر اللہ کا تعارف کراتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے، جن قبائل میں جا کر آپ ﷺ نے اعلان حق کیا ان کی تعداد قید تحریر سے باہر ہے، چند نام

درج ذیل ہے، بنوعامر، محارب بن جعفہ، فزارہ، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنوالنضیر، کندہ، حلب، حارث وغیرہ

مگر ان میں سے ہر ایک نے صداقت اسلام و رسالت سے منہ موڑ لیا، البتہ یثرب کے چند خوش نصیب جن کے کانوں نے طلعت نبوت کی صدائے حق کو سن رکھا تھا، اولا چھ یا آٹھ، ثانیاً مزید پانچ اشخاص کے ساتھ کل بارہ آدمی قبول اسلام سے مشرف ہونے اور ان کے ساتھ واپسی پر حضور نے مصعب بن عمیر اور عمرو بن ام مکتوم کو معلم قرآن بنا کر بھیج دیا، جن کی محنت سے مدینہ کی اکثریت دولت اسلام سے مالا مال ہوگئی اور عقبۂ ثانیہ میں بہتر، اشخاص نے حفاظت اسلام و پیغمبر اسلام کی قسمیں کھائیں، اور نبیٔ رحمت کی آمد کے مشتاق بن بیٹھے، مدینہ میں آپ کی عدم موجودگی کی بے قراری ہر صبح نو بڑھتی ہی گئی، ادھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی، اور صحابہؓ کی ایک بھاری تعداد مدینہ منتقل ہوگئی۔

سفر ہجرت پر رسول اکرم ﷺ: اہل یثرب کے اسلام کی طرف راغب ہونے اور مسلمانوں کے مدینہ پناہ گزیں ہونے سے مشرکوں میں کھلبلی مچ گئی، تمام رؤساء قریش جمع ہوئے، دارالندوہ میں یہ قرارداد منظور ہیں کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک نوجوان لیا جائے اور سب مل کر بیک ضرب محمد رسول اللہ ﷺ کا خاتمہ کردیں، بواسطہ جبرئیلؑ اس کی تفصیل کی اطلاع آپ کو ہوگئی اور آپ ﷺ کو بھی ہجرت کی اجازت من جانب اللہ مل گئی۔ آپ عین دوپہر کے وقت صدیق اکبرؓ کے گھر پہنچ کر واقعہ کی تفصیل بتلا کر گھر لوٹ آئے، اور بروز پیر بعمر ۵۳ ترپن سال، ماہ ربیع الاول کی ابتدا یا صفر کے اخیر میں یار غار ثانی اثنین کو شامل سفر کیا، اور حضرت علیؓ کو چند ہدایات دے کر کفار کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے غار ثور میں تین دن تک روپوش رہے، آپ ﷺ کے ساتھ

جو تسخیری قوت تھی مکے میں ظاہر ہوئی، وہ ہی غار ثور میں بھی ظاہر ہوئی اور واقعۂ ہجرت میں جا بجا ظاہر ہوئی، (اصح السیر ص ٦٠)

غار ثور سے مدینہ تک: یہ یادگار سہ روزہ قیام ''لا تحزن إنّ الله معنا'' کی حسین تصویروں کے ساتھ مکمل ہوا اور اس دوران عامر بن فہیرہ خبر رسانی کے ساتھ غذائی قوت فراہمی کا کام کرتے رہے، نبیٔ اکرم ﷺ، صدیق اکبرؓ اور ابن فہیرہ پر مشتمل یہ قافلہ عبداللہ بن اریقط اللیثی کی رہبری میں جو راستہ کے ہر پیچ وخم سے خوب واقف تھا، ہر تعاقب اعداء سے بچ کر؛ ام معبد کے مسکن سے گزرتے ہوئے؛ قبا میں بنی عمرو بن عوف میں کلثوم بن الہدم کے مکان میں جا مقیم ہوا، آپ ﷺ چودہ رات قبا میں ٹھہر کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی، جو دنیا میں نبوت و بعثت کے بعد اول مسجد ہے، تقوی اس کی بنیاد ہے اور قرآن میں اس کی تعریف ہے، قبا سے جمعہ کے روز روانہ ہوئے اور بنی سالم کی مسجد میں پہلا جمعہ آپ ﷺ نے ادا فرمایا، جس میں سو اہل مدنہ شریک تھے،،

(اصح السیر ص ٩٤)

اسی روز آپ ﷺ روانہ ہوئے اور ابو ایوب انصاریؓ کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، جبکہ ماموز من اللہ قصوی اونٹ آگے چلنے سے رک گیا تھا،

مدینہ میں پہلا کام، مرکز اسلامی کا قیام: نزول مدینہ کے بعد مسجد و مدرسہ (صفہ) کے تاسیسی پروگرام کو منصۂ شہود پر لایا گیا، اس طرح عبادت گاہ کے ساتھ تعلیم گاہ کی بنیاد پڑی، جس میں بے شمار مصالح دینیہ و دنیویہ کا راز پوشیدہ تھا اور اب بھی ہے،

(مستفاد من النبی الخاتم)

جس کا لب لباب وطنیت کے صنم اکبر کو توڑنا تھا اور کعبۃ اللہ کے بعد ایک دوسرے مرکز اسلامی کا قیام مقصور تھا، جہاں سے دنیا کو ترانۂ وحدت سنا کر ایک علم

اسلام کے نیچے جمع کیا جا سکے، اور ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب کی تعلیم دی جا سکے،

مواخات کا عالمی ریکارڈ: وطنیت کے بت کو گرانے کے بعد پیغمبر انقلاب نے قومیت اور نسلیت کے دیوتا کو انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارگی و مواخات کا عدیم المثال رشتہ قائم کر کے ڈھا دیا، مواخات کا ایسا دائمی، عالمی ریکارڈ قائم ہوا کہ دنیا اس کا ثانی پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔

نسبیت اور قومیت اور وطبیت کے زہر ہلاہل سے شفا پا کر اور خود ساختہ مخلوقات کی بندش سے آزاد ہو کر باشندگانِ مدینہ نے اپنے کھوئے ہوئے رب قیوم کو پالیا، رسول ﷺ کو اپنا دینی و دنیوی قائد تسلیم کرتے ہوئے ہر حکم خداوندی اور فرمان شاہی کی تابعداری واطاعت شعاری کو منظور کر لیا (م مستفاد از البنی الخاتم: ص ۱۴۲)

تبلیغ عام کا آغاز اور شعائر اللہ کا نفاذ: اس تشکیل حکومت اور تنظیم مدینہ کا اعلان عجیب وغریب ندائی طریقہ سے ہوا، جس کے سامنے مشرق ومغرب نے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے، حضرت بلالؓ، ابن مکتوم اور ابو محذورہ جس کے سرخیل تھے، اسی ۲ھ میں تحویل قبلہ، اہم ارکان، اور دیگر مہتم بالشان احکام کا نزول ہوا، جن کی بجا آوری ہی تخلیق انسانی اور ابعاث مخلوق نورانی کی عین حکمت ہے، وما خلقت الجن و الإنس الا لیعبدون، الآیہ (مستفاد مختلف کتب حدیث و تاریخ)

مقاتلہ کی عام اجازت: جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے آپ ﷺ کو جہاد بالقرآن واللسان کا حکم تھا، کفار کی ایذارسانی اور شرارتوں پر صبر کی چھری چلانے کا حکم تھا، تا کہ حجت اللہ قائم ہو جائے، صحابہؓ اپنا کل اثاثہ مکے میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے، اور اسلام کا ساتھ دیا، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا عرب اور تمام یہود اس مٹھی بھر

جماعت کو اپنے مظالم کی چکی میں پیس ڈالنا چاہتے تھے، ایسی بے بسی کی حالت میں آپ ﷺ کو قتال کا حکم ہوا، "قاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلو نکم، اذن للذین یقاتلو ن بأنهم ظلموا و ان الله علی نصرهم لقدیر"

آپ ﷺ کا قتال دفاعی تھا: ان آیات بینات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ابتدائی آیات میں مدافعت بالسیف کا حکم تھا، اس کے بعد جب حق واضح ہو گیا اور باطل ظاہر ہو گیا تو بموجب "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" تمام کافروں سے مقابلہ اور بنیت اعلاء کلمۂ حق جبراً ترک کفر کرانا مامور بہ ہوا،

امام تیمیہؒ سمیت کئی محدثین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے اقدامات سواء بدر و خیبر کے سب دفاعی تھے (نصر الباری، اصح السیر)

تعداد غزوات وسرایا: ہجرت کے بعد اکثر زمانہ آپ ﷺ نے مغازی وسرایا کی تہذیب و ترتیب میں صرف فرمایا اس واسطے یہ سیرت نبوی ﷺ کا اہمیت کا حامل حصہ ہے، اور تمام کے وجوہ واسباب اور نتائج، کتب سیر و تواریخ میں مکمل و مفصل محفوظ ہیں، حذف و اختصار، اجمال و تفصیل کی آمیزش کے ساتھ ان کے متعلقات ذکر کئے جاتے ہیں۔

یہ امر واقعی ہے کہ جہاد ہجرت کے بعد فرض ہوا، اس لئے عزوات وسرایا کی ابتدا ہجرت کے بعد ہوئی، اور دس برس میں علی اختلاف الأقوال ستائیس یا انتیس یا پچیس یا کم و بیش غزوات میں حضور ﷺ شریک ہوئے، جن میں سے سات غزوات میں قتال کی نوبت آئی، حاشیہ بخاری، دوم ص : ۵۶۳ پر محشی لکھتے ہیں، وقع المقاتلة فی سبع منها مع الکفار بدر و احد و احزاب و بنی قریظه و بنی المصطلق و خیبر و فتح مکه و صفین و طائف، سرایا آپ ﷺ نے ۶۰ کے قریب بھیجے،

قرآن میں غزوات کا بیان: قرآن مجید میں چند غزوات کا تذکرہ مجملاً یا مفصلاً ملتا ہے، چنانچہ سورۂ انفال میں بدر کا حال ہے اور آل عمران میں احد کا ذکر ہے، احزاب میں خندق، قریظہ، اور خیبر کا بیان ہے، سورۂ حشر میں بنی النضیر ، سورۂ فتح میں حدیبیہ کا خیبر کا، سورۂ توبہ میں حنین اور تبوک کا، اور سورۂ فتح ونصر میں فتح مکہ کا تذکرہ ہے،۔

(مستفاد از معارف القرآن واصح السیر)

عہد بنوت کے مقتولین کی تعداد: اقوام وملل دنیا کے جنگی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ دس سال کی لمبی اور دراز مدت میں طرفین کے جتنے آدمی کام آئے، ان کی تعداد کروڑ، لاکھ، بلکہ دو ہزار ہی نہیں کل لے دے کر سب کی کل تعداد اٹھارہ سو ہے،

اور تریسٹھ سال کی پوری تاریخ میں صرف ابی ابن خلف کے حلق میں آپ ﷺ نے نیزہ انّی اس وقت چبھائی جب وہ آنحضرت کے لئے جنگ احد میں آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا، آپ ﷺ نے مکہ معظّمہ میں اس سے وعدہ کیا تھا، اس کا ایفاء بھی مقصود تھا،

اسلام میں پہلی جنگ: غزوۂ بدر کو اس عتبار سے بڑی فوقیت حاصل ہے کہ ستر رؤساء قریش مارے گئے، اور ستر قیدی بنائے گئے، اس عظیم الشان فتح کے بعد اسلام کی حالت میں بڑا تغیر واقع ہوا، بروز جمعہ ۲ھ رمضان کی سترہ تاریخ کو بدر کی لڑائی ہوئی، معاندین اسلام کی تعداد لگ بھگ ہزار تھی، تین سو سے کچھ زائد شیدائیان اسلام شریک ہوئے، جن میں چھیاسی مہاجرین اور باقی انصار تھے، ۲۲؍ جانثاروں کو شہادت کا مقام ملا، جن میں ۱۴مہاجرین شامل تھے۔

واقعہ ٔ احد : بدر میں بڑے بڑے اشراف قریش قتل ہوئے، انتقامی حوصلہ کے ساتھ ابوسفیان کے جھنڈے تلے تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مشرکین مکہ دامن احد

میں جمع ہو گئے، آپ ﷺ نے سات سو صحابہؓ کو لے کر خروج فرمایا، اس جنگ میں معمولی چوک کی وجہ سے مسلمانوں کو بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑا، ستر اصحاب رسول ﷺ نے شہادت کا جام نوش فرمایا، آپ ﷺ زخمی ہوئے، حضرت حمزہ کا قتل ہوا، اور سید الشہداء قرار پائے، صادقین اور منافقین کا امتیاز ہوا، یہ غزوہ، بروز سنیچر ۱۵، شوال ۳ھ میں پیش آیا۔

حدیبیہ اور فتح مکہ: گو کہ بدر و احد اور صلح حدیبیہ کے درمیان کئی غزوات واقع ہوئے، جس کے تعلق سے بے شمار اجزاء، جو بہت ضروری اار ناگزیر حد تک قابل ذکر تھے، مگر طوالت کے خوف سے حدیبیہ اور فتح مکہ کا ضروری حصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ کم و بیش چودہ سو صحابہؓ کی معیت میں بغرض عمرہ ذوالحلیفہ پہونچے، اس جگہ ہدی کی اشعار و تقلید دی، لیکن کفار کی طرف سے آپ ﷺ کا راستہ روکا گیا، جس کے نتیجہ میں بیعۃ الرضوان اور واقعۂ صلح پیش آیا، آپا نے بظاہر دب کر صلح کی، مگر قرآن نے اس کو کھلی کامیابی قرار دیتے ہوئے کفار کی شکستگی کا اعلان فرمایا، اب صلح کے بعد اسلام کو پھیلانے کے لئے خاصہ وقت ہاتھ آیا، اور وہ قبائل جو قریب سے اسلام کو پرکھنا چاہتے تھے، انہیں بھی یہ زریں موقع دستیاب ہوا، یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا۔

(بخاری ص ۵۹۹)

چنانچہ اس قرارداد کو منظور کرنے کے بعد آئندہ سال ۷ھ آپ ﷺ نے خیبر کو فتح کرلیا، اور ساتھ ہی ملوک و امراء کے نام دعوتی خطوط جاری فرمائے،

ملوک و امراء کے نام خطوط: چنانچہ ۷ھ میں اطراف و اکناف کے ملوک و سلاطین کی طرف ایک ہی دن چھ قاصدوں کو روانہ فرمایا، جن کی ایک ایک سطر سے باطل طاقتوں کی دیوار آہنی کی نبدش کھلتی دکھائی دیتی تھی، اور اسلامی فوجوں کے گھوڑوں

کے ٹاپوں سے قیصر وکسری کی سرزمین گردو غبار بن کر فضا میں بکھرتی نظر آتی تھی، بالآخر جو ہونا طے تھا، وہی ہوا، ۸ھ کے اس عہد میں نسل انسانی داخل ہوگئی، جس میں ہر بعید قریب، ہر دور نزدیک، اندھیرا، روشنی، خوف زدہ، نڈر، بے سہارا، مددگار وغم گسار بلکہ ہر بے روح جاندار ہو گیا، ایک دنیا بلکہ اگر کہو تو کہہ سکتے ہو کہ ایک بستی ہوگئی، وہ جن کو ہوتا تھا نمک پہ کافور کا دھوکا، ہوگئے دنیا کو اکسیر بنانے والے۔

الغرض وہ جزیرۃ العرب جس کے چپے چپے میں یہودیت، عسائیت، مجوسیت اور وثنیت اپنے ان تمام مفاسد وفتنہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھے، جن کے دھونے اور جن کے پاک کرنے کے لئے، سید ابرار ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا، پس آپ ﷺ نے سب کو پاک وصاف کیا، جس میں جو کمی تھی، سب کو پورا کیا اور قیامت تک کے لئے پورا کیا

"أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيْنًا"۔

کے بموجب شعبہائے زندگی کے ہر سنگ گرد آلود کو تراش کر چمکدار وآئینہ دار کر چھوڑا

فتح مکہ کے بعد عالم دنیا پر اسلام کا گہرا اثر: فتح مکہ ہوتا ہے، خدائی زمین کا مرکز معبودان باطلہ کی نجاست سے پاک ہوتا ہے، قتل وخون، فتنہ وفساد کا متلاطم سمندر سرد ہو چکا ہے، ملک عرب امن وامان، راحت وآسائش کی چھاؤں کے نیچے زندگی کی قیمت حاصل کرنے لگا، مخلوقات کی غلامی کی رسیوں کی جکڑون سے ان کو حقیقی آزادی ملی، انسانیت اپنے فطری مقام سے ہٹ کر موچ کھائی ہوئی ہڈی کے مانند بے چین تھی، بے کل تھی، پھر اس کو اپنا اصلی مقام نصیب ہوا، بالآخر دنیا نے "یدخلون فی دین الله افواجا کا" دلکش منظر دیکھ لیا،

وراثت نبوی: ظاہری طور پر جو املاک آپ کی تھیں، جیسے بنو نضیر کی زمین، فدک

کی زمین، اور خیبر کی کچھ زمین وہ ساری امت پر صدقہ ہوگئیں، جو مکانات ازواج مطہرات کے قبضہ میں تھے وہ ان کی ملکیت میں دور نبوت سے تھے، اس لئے ان پر ازواج مطہرات کا مالکانہ قبضہ رہا۔

لیکن آپ ﷺ پوری امت مسلمہ کے لئے جو حقیقی وراثت چھوڑی ہے، وہ ہے علم، صحابہؓ اور ازواج مطہرات بحیثیت امہات المؤمنین، جن کی برکت سے امت کے لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی ہوئی، طبقۂ رجال سے وابستہ تمام امور دینیہ و دنیویہ میں صحابہؓ مرجع خلائق ثابت ہوئے تو وہیں طبقۂ نساء میں ازواج مطہرات مرجع خلائق بنیں، اور بالخصوص نسوانی مسائل کی گھتیوں کو سلجھانے میں اپنی فہم و فراست، اور علمی ذہانت و ذکاوت کا بھرپور استعمال کیا، اس تناظر میں حضرت عائشہؓ کی ذات کو والی قدرتی کمالات و منزہ صفات کے باعث تمام ازواج مطہرات میں فوقیت حاصل ہے، جو مختلف طبائع، مختلف مذاہب اور دیانات کی سن رسیدہ، فہمیدہ و سنجیدہ خواتین تھیں، آپ ﷺ کا ان سے شادیاں کرنے میں جو راز سربستہ تھا، ان کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ نوازیوں سے وہ پوشیدہ راز اپنے اور غیر سب ہی کے سامنے ظاہر ہوا۔

امام زہریؒ نے آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے کی ترتیب سے ازواج مطہرات کے نام شمار کرائیں ہیں۔ خدیجہؓ، سودہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، ام حبیبہؓ، زینبؓ بنت جحش، زینبؓ بنت خزیمہ، میمونہؓ، جویریہؓ، صفیہؓ،

آپ کی اولاد میں چار لڑکیاں اور تین لڑکے جو سارے کے سارے اول بیوی حضرت خدیجہؓ سے ہوئے، بجز حضرت ابراہیمؑ کے وہ ماریہ قبطیہ سے متولد ہوئے، جن میں حضرت فاطمہؓ سے آپ ﷺ کو بہت پیار تھا، اور اس چہیتی بیٹی سے آپ ﷺ کی نسل کو فروغ ملا، خدا رحمت کند برایں پاک طینت را۔

مقالہ نگار: اقبال بشیر کاوی
مقالہ نمبر : ۲
متعلم: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی
فرع اول میں دوسرا انعام یافتہ مقالہ

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم ،امابعد

محترم صدر اجلاس، معزز اساتذۂ کرام ومہمانان عظام!

جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں اس قدر حامی و مددگار پیدا ہو گئے ہیں، اور وہاں ان کا کوئی زور نہیں چل سکتا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ ہجرت سے بہت خطرہ اور خوف محسوس کیا اور انہوں نے سوچا کہ اگر آپ ﷺ تشریف لے گئے تو پھر آپ ﷺ پر کوئی بس نہ چل سکے گا یہ سوچ کر وہ سب لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے اور اس مسئلہ پر غور وخوص کیا، آخر میں متفقہ طور پر یہ بات طے پائی کہ ہر قبیلے سے ایک باہمت اور عالی نسب جوان کا انتخاب کیا جائے اور وہ سب مل کر یک بارگی رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوں اس طرح یہ خون سارے قبائل میں تقسیم ہو جائے گا اور کسی ایک پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی اور بنی عبد مناف ساری قوم سے جنگ کا خطرہ مول نہ لیں گے، اس کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور اجتماعی جرم کا یہ منصوبہ طے ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو سازش سے آگاہ کر دیا آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ چادر اوڑھ کر ان کے بستر پر سو جائے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کو گزند ہرگز نہ پہونچے گا۔

ادھر یہ پوری ٹولی آپ ﷺ کے دروازہ پر تیار کھڑی تھی اور حملہ کے لئے پوری

طرح کمر بستہ تھی، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور تھوڑی سی مٹی اپنے ہاتھ میں لے لی اسی وقت اللہ تعالی نے ان کی بصارت سلب کر لی، آپ ﷺ یہ مٹی ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۂ یٰسں کی آیات تلاوت کرتے ہوئے صاف ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا، رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کا حکم دیا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ رفاقت وصحبت کا طلب گار ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تم ہی رفیق ہوں گے، حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر خوشی سے رو پڑے، اور اس کے بعد انہوں نے دو سواریاں پیش کی اور عبداللہ بن اریقط کی رہبری میں سفر کا آغاز ہوا اور غار ثور میں جا کر پناہ لی۔

رسول اللہ ﷺ کی اس ہجرت سے سب سے پہلی بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ دعوت اور عقیدہ کے خاطر ہر عزیز ومحبوب اور ہر مانوس ومرغوب شئے اور ہر اس چیز کو جس سے محبت کرنے جس کو ترجیح دینے اور جن سے بہر صورت وابستہ رہنے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیم میں داخل ہے بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے لیکن اول الذکر دونوں چیزوں میں سے کسی چیز کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔

ادھر مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب شروع کیا یہ انسانیت کے طول وطویل سفر کا سب سے نازک اور فیصلہ کن لمحہ تھا، کفار غار کے کنارہ تک پہونچ گئے لیکن خدا کی قدرت سے وہ دھوکہ کھا گئے اور حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکے، اُدھر غلام اور ابو بکرؓ کے صاحبزادہ کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ مکہ والوں کی خبر گیری رکھے اور اس کی اطلاع حضور ﷺ کو پہونچائے، پھر تین رات اور دو دن غار میں گذرے پھر اونٹوں وغیرہ سامان سفر مکہ سے منگوا کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، درمیان میں ٹیلے پہاڑوں کی اُوٹ سے گزرتے ہوئے خوف وغم کے عالم میں راستہ طے کرتے ہیں کہ ایک دشمن سراقہ

تعاقب میں ان کے پاس پہنچ جاتا ہے بالآخر حضور ﷺ کے معجزہ سے اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جاتا ہے اور وہ معافی مانگ کر واپس چلا جاتا ہے، اس وقت حضور ﷺ نے ایک پیشن گوئی فرمائی کہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھ میں دیکھتا ہوں۔

آپ ﷺ کے اس چھوٹے سے قافلہ کا گذر امِّ معبد کے گھرانہ سے ہوتا ہے وہاں آپ ﷺ بکری کے تھنوں پر ہاتھ رکھتے ہیں بکری کے تھن دودھ سے بھر جاتے ہیں ایک اور معجزہ اور برکت کا ظہور ہوتا ہے کہ وہ گھرانہ مسلمان ہو جاتا ہے، پھر آپ ﷺ آگے کا سفر طے کرتے ہوئے قبا پہونچتے ہیں۔

اُدھر مدینہ میں انصار کو یہ اطلاع ہوگئی کہ رسول اللہ مکّہ سے روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد شہر کے آخری کنارہ پر پہونچ جاتے اور رسول ﷺ کا انتظار شروع کر دیتے، دھوپ اور تپش بہت تیز اور قابل برداشت نہ ہو جاتی وہاں تک انتظار کرتے پھر گھروں کی طرف چلے جاتے۔ رسول ﷺ جس وقت مدینہ تشریف لائے دوپہر کے وقت لوگ انتظار کر کے واپس جا چکے تھے پھر ایک یہودی نے دور سے دیکھا اس نے زور سے آواز لگائی اور مسلمانوں کو حضور ﷺ کے آنے کی اطلاع دی سب لوگ یہ سنتے ہی نکل پڑے اور دیکھا کے حضور ﷺ ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ تقریباً پانچ سو انصاریوں نے اس مبارک قافلہ کا استقبال کیا آخر میں ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور ﷺ تشریف لے چلیں آپ ہر طرح مامون و محفوظ ہیں، ادھر پورا مدینہ آپ ﷺ کے استقبال اور خوش آمدید کے لئے نکل کھڑا ہوا، لوگ راستوں، گزرگاہوں، مکانوں کی چھتوں اور دروازوں پر جمع ہو گئے۔

لڑکے، نوکر، خدمت گار، ہر طرف ایک ہی آواز تھی جاء رسول اللہ ﷺ، جاء محمد ﷺ اللہ اکبر محمد تشریف لے آئے۔

براء بن عازب کا بیان ہے جو اس وقت کم سن تھے کہ میں نے اس سے پہلے مدینہ کوکسی چیز سے اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا رسول ﷺ کی آمد سے، انصار کی بچّیاں بڑے سرور و مستی میں یہ اشعار پڑھتی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیّات الوداع ۔ وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایّھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع ۔ جئت شرفت المدینة مرحبا یا خیر داع

ادھر جب مدینہ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور قریش سے مسلمانوں کی ترقی اور وسعت دیکھی نہ گئی تو انھوں نے مدینہ کے مسلمانوں کی مخالفت اور چھیڑ چھاڑ شروع کر دی، اولاً قتال کی اجازت دی، فرض قرار نہیں دیا گیا، ہجرت کے دوسرے سال رمضان ہی میں بدر کی وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جنگ ہوئی جس میں امت اسلامیہ کی تقدیر اور دعوت حق کے مستقبل کا فیصلہ ہوا، جس پر پوری انسانیت کی قسمت کا انحصار تھا۔

کل غزوات ۲۳ اور سرایا ۴۳ ہیں غزوات وسرایا کی یہ مقدار مؤرخین ومحدثین کی اصطلاح کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزیک معمولی سے دستہ کو بھی سریہ گردانہ گیا ایک دو آدمی کسی مجرم کی گرفتاری کیلئے گئے تو اس کو بھی سریہ سے تعبیر کر دیا۔

اسلامی جہاد اس وقت بھی تہذیب کے مدعی یورپین اقوام کی عالم سوز جنگ نہ تھی جس میں محض اپنی ہوس رانی کے لئے بلا امتیاز مرد وعورت اور مجرم وغیر مجرم شہر کے شہر انتہائی بے رحمی کے ساتھ تباہ وبرباد کر دیئے جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہیکہ عین میدان جہاد میں بھی میدان کا رزار گرم ہونے کے وقت بھی اسلام نے اپنے مقابل جماعت میں سے صرف انہی لوگوں کے قتل کی اجازت دی ہے جو اسلام کے مٹانے کے منصوبے گھانٹھتے اور برسر جنگ آتے ہیں، الغرض مدافعانہ جار

جانا جہاد کا مقصد صرف دین کا تحفّظ اور تبلیغ اسلام کے راستہ میں جو رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں ان کا اٹھانا تھا اور اس میں بھی بہت کم تعداد میں لڑائی کی نوبت آئی، اتنے سارے غزوات میں شہید ہونے والوں کی تعداد بہت کم اور عالمی جنگ جو یوروپین اقوام نے لڑی اس میں شہر کے شہر ہلاک کر دئے گئے۔

۱ھ۔ مدینہ منوّرہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر، اذان کی ابتداء، قتال کی مشروعیت حضرت عائشہؓ سے نکاح ورخصتی۔ ۲ھ۔ غزوۂ بدر، تحویلِ قبلہ، رمضان کا روزہ، صدقہ فطر، زکوۃ کی فرضیت، نمازِ عید کی مشروعیت۔ ۳ھ۔ غزوۂ احد، شراب کی حرمت۔ ۴ھ۔ حضرت امام حسینؓ کی ولادت، حضرت ام سلمہؓ کا ازواج مطہرات میں داخل ہونا، اسی سال ذوالقعدہ میں رسول ﷺ نے ایک یہودی اور ایک یہودن کے سنگسار کرنے کا فیصلہ سنایا اور دونوں کو رجم کیا گیا۔ ۵ھ۔ حج کی فرضیّت، واقعۂ اِفک، غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ بنی المصطلق، غزوۂ خندق، غزوۂ بنوقریظہ۔ ۶ھ۔ غزوۂ حدیبیہ، بیعت رضوان، صلح حدیبیہ، سلاطینِ دنیا کے نام دعوتی خطوط، والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت، خشک سالی آپ ﷺ کی دعا سے مسلسل بارش کا ہونا۔ ۷ھ۔ غزوۂ خیبر، حضرت صفیہؓ سے نکاح، متعہ کا حرام ہونا۔ ۸ھ۔ فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوۂ طائف، ۹ھ۔ غزوہ تبوک، اسلام کا پہلا حج، حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں وفود کی آمد کی ابتدا۔ ۱۰ھ۔ حجۃ الوداع، وفود کی کثرت اور لوگوں کا اسلام میں جھنڈ در جھنڈ داخل ہونا جبرئیل کا آنا اور ایمان واسلام وغیرہ کے بارے میں سوال کرنا۔ ۱۱ھ آپ ﷺ کی وفات کا سال، اوائل ربیع الاوّل میں

آپ ﷺ نے پوری زندگی دنیا کو اپنی سیرت سے یہ سبق دیا کہ اسلام میں خدا پرستی کے سوا دوسری پرستش کی گنجائش نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے کو بار بار خدا کا بندہ

کہتے تھے تا کہ جاں نثار امّتی جوشِ عقیدت میں آپ ﷺ کو خدا کا شریک اور اوتار نہ سمجھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ بھی قبرستان بقیع میں مردوں کے لئے دعاءِ خیر فرمانے کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دن حسب معمول بقیع تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس ہوئے تو طبیعت بھاری بھاری سی تھی، چند دن کے بعد بخار میں اس قدر شدت ہوگئی کہ ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک سے جو رمال باندھا گیا تھا میں اس سے چھوتا تو میرا ہاتھ گرمی کی شدت کی تاب نہ لاسکتا تھا، حکم الٰہی کے سامنے ہر کوئی مجبور ہے، نبی اور پیغمبر بھی مشیتِ الٰہی کے آگے دم نہیں مار سکتے بلکہ وہ تو عوام سے بہت زیادہ خدا کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں، جس ذات اقدس کی دعا نے بیماروں کو شفا بخشی تھی آج وہ خود بیمار تھی مگر علالت کے زمانہ میں گیارہ دن تک امامت حضور ﷺ ہی فرماتے رہے، ایک دن عشاء کے وقت نماز پڑھانے کے لئے وضو فرمایا اور مسجد میں تشریف لے جانے لگے تو غش آ گیا، تین بار یہی صورت پیش آئی آخر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔

صحابہ کرامؓ سے ضبط نہ ہوسکا، آنکھوں سے آنسوں گرنے لگے اور بعض تو آواز کے ساتھ رونے لگے حضور ﷺ نے رونے کی آواز سنی تو مسجد میں تشریف لے گئے۔

سخاوت کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دست عطا پر ناز تھا اِدھر مال آیا اور اُدھر فقرا اور حاجتمندوں میں تقسیم فرما دیا، ایسے سخی داتا کے یہاں اللہ کے نام کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی کی آخری رات ہے مگر رسول اللہ ﷺ کے گھر میں چراغ جلانے لئے تیل تک نہ تھا، بیماری کے گھر میں اندھیری رات اور بھی شاق گزرتی ہے، حضرت عائشہؓ نے ایک ہمسایہ عورت سے تیل ادھار مانگ کر چراغ جلایا صبح کا وقت تھا جھٹپٹا سا

اندھیرااوراجالا ملاجلا تھا،صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے،حضور ﷺ نے حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو صحابہؓ کو نماز میں مصروف پا کر لب ہائے مبارک متبسم ہو گئے یہ رحمۃ للعالمین ﷺ کا اس دنیائے ناپائدار میں آخری تبسم تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی مسکراہٹ کو صحابہؓ نے ادب کے ساتھ سلام کیا اور دبی زبان سے درود بھیجا،مرض کی شدت بہت زیادہ تھی حضور ﷺ پیالہ میں بار بار ہاتھ ڈال کر پانی کو چہرۂ انور پر ملتے تھے،حضرت سیدہ فاطمہؓ سے مقدس اور شفیق باپ کی یہ بے چینی دیکھی نہ گئی بے اختیار رو پڑی حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سیدہؓ کے آنسوں کو صاف کیا ان کے بیٹے حضرت حسینؓ کو بلایا ان سے نانا جان کی بے چینی دیکھی نہ گئی حضور ﷺ نے ان کو چوما اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی پھر حضرت علیؓ کو بلایا اور حضرت علیؓ آئے پریشان افسردہ وغم ناک ،حضور ﷺ پر نقاہت طاری تھی سر مبارک کو حضرت علیؓ نے گود میں لیا حضرت علیؓ کو وصیت فرمائی حضرت علیؓ حجرۂ نبوی سے باہر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے سر اقدس کو اپنے زانوں پر رکھ دیا اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ مسواک لئے ہوئے آئے مسواک نرم اور تازہ تھی آپ ﷺ نے اس حالت میں مسواک فرمائی،

اس کے بعد آخری الفاظ'' اللھم الرقیق الاعلی“ کہہ کر جان، جان آفریں کے سپرد کر دی چاشت کا وقت ،دوشنبہ کا دن، ہجرت نبوی کا گیارواں سال، تریسٹھ سال کی عمر، بس پھر کوئی آواز نہ آئی ،ازواج مطہراتؓ اہل بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے کسی صحابیؓ کا تو یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے جیسے ان کے بدن میں روح ہی نہیں شدت غم نے نامی جسم کو تھوڑی دیر کے لیئے بت کی طرح جامد بنا دیا،حضرت فاطمہؓ کا نازک اور مغموم دل شعر کی زبان میں چیخ اٹھا'' صبّت علّی مصائب لو انّھا صبّت علی الایّام صرن لیالیا“

مجھ پر ایسی مصیبت گری کہ اگر وہ دن پر پڑتی تو رات بن جاتا، عجیب سراسیمگی کا عالم تھا کسی نے خوب کہا ہے

مدینہ کے درو دیوار پر حسرت برستی تھی ۔ ادھر یاد نبی سے مضطرب مکہ کی بستی تھی

پریشان پھر رہے تھے لوگ دلوں پر چوٹ کاری تھی ۔ گھروں میں شور تھا ہر سمت آہ وگریہ زاری تھی

تیریسٹھ سال دنیا میں شعاع دین پھیلا کر ۔ خدا کا لاڈلا اپنے خدا سے مل گیا جا کر

حضرت عمرؓ پر عجب جذب کی کیفیت طاری ہوگئی، ننگی تلوار ہاتھ میں لیکر بولے کہ کسی کی زبان سے اگر یہ نکلا کہ محمد ﷺ وفات پا گئے تو کہنے والے کا سر اڑا دونگا، کسی نے خوب کہا۔

رسول اللہ ﷺ جب پھیلا چکے اسلام دنیا میں ۔ ہر ایک جانب چمک اٹھا خدا کا نام دنیا میں

تو پھر اللہ نے اپنے نبی کو یاد فرمایا ۔ پیام وصل دے کر آپؐ کا دل شاد فرمایا

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مقالہ نگار : حفیظ الرحمٰن کاوی
متعلم: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

مقالہ نمبر : ۳
فرع اول میں تیسرا انعام یافتہ مقالہ

عرب کا چاند جب مکہ کے دھندلکے سے نکل کر مدینہ کے روشن افق پر پہونچا تو اسلام نے اس حرکت کو ہجرت کے نام سے موسوم کیا اور عمر فاروقؓ نے وہیں سے سن ہجری کا آغاز کر کے اس عظیم واقعہ کو رہتی دنیا تک نوک زبان پر جاری فرما دیا، یہی نہیں، متاع اصلی دین پر سب کچھ قربان کر دینے والی اسی سنت نے اسلام کی گاڑی کو جس کی راہ میں مکہ کے سخت جان پتھر حائل تھے، پاش پاش کر کے منزل کی طرف اتنی تیزی سے رواں دواں کر دیا کہ اس نے بشمول مکہ، پوری متمدن دنیا کی مسافت دس سال کے قلیل عرصہ میں طے کر لی اور عالم کے ایوانوں میں اس کا آواز بلند ہونے لگا۔

اللہ کی معیّت، تقوی کا توشہ اور یقین کی سواری پر سوار نبی ﷺ اور صدیقؓ کا عظیم کارواں جب مدینہ پہونچا، تو مدنی آقا ﷺ نے استقبالیہ قافلے کے سامنے پہلے ہی خطاب میں "اُعْبُدُوا الرَّحْمٰن وأَطْعِمُوا الطَّعَام وَأَفْشُوا السَّلَام تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَام" کی ہدایت فرما کر اپنے مشن کے خدوخال واضح فرما دیے، کہ عبادت، اطاعت، خدمت، احترام انسانیت، امن و سلامتی اور آخرت کی سعادت میرے دین کے اجزاء ترکیبی ہونگے اور انہیں سے اس کے متبعین پہچانے جائینگے۔

شوق دید ولقاء حبیب کی تکمیل اور جمال نبوی سے قلب ونظر کی تسکین کے بعد، ستاروں کے جھرمٹ میں چاند اگلی منزل کی جانب بڑھا اور متقین کی بستی قُبا کو مسجد تقوی کا تحفہ دے کر اسلامی شعار سے آراستہ کیا، تاہم بدر کامل کی آخری منزل وہ تھی جہاں معصوم چہروں کا ہجوم طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا کا پر کیف ترانہ ہونٹوں پر سجائے ماہ ہدایت کی پرانوار آمد پر، جشن آمد رسول ﷺ منانے کی پر جوش تیاری میں مصروف تھا اور جہاں عاشقان زار اصحاب کرامؓ اپنے گھڑوں ہی کے نہیں، دل کے دروازے وا کیئے، محبوب کل جہاں کو اپنا مہمان بنانے، دیدۂ ودل فرش راہ کیئے ہوئے تھے، مگر ابوایوبؓ قسمت کے دھنی ثابت ہوئے، اونٹنی کو اللہ کا حکم ہوا اور نبی کا ننھال میں یا خود اپنے مکان میں جس کو تبّع بادشاہ نے سالہا سال پہلے نبی آخرالزماںؑ کے لئے ان کے دارالہجرت میں بڑی عقیدت سے تعمیر کروایا تھا، قیام کا فیصلہ ہوا، قیام گاہ کی تعیین ہوتے ہی عاشقوں اور خادموں کے بیچ مخدوم ومعشوق بن کر مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے بجائے، نبی ﷺ نے کارہائے نبوت کی ادائیگی پر مکمل توجہ مبذول فرمائی اور دو یتیموں سے قیمۃً زمین لے کر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں از خود پتھر ڈھو کر مسجد اور تعمیر مسجد کے عمل کو ثریا کی سی رفعت عطا کی، مسجد کی تکمیل کے بعد مسجد سے متصل حجرات کی تعمیر فرما کر تجرّد ورہبانیت کے خاتمے اور گھر اور مسجد کے دائمی ربط کو واضح فرمایا۔

الغرض مرکز اسلام میں مرکزی امور کی تکمیل کے بعد میر عرب ﷺ نے تمدنی انتظام اور ریاستی استحکام کو پہلا مطمح نظر بنایا، جو مدنی زندگی کے چار اہم ادوار میں کا پہلا دور بھی سمجھا گیا، جس کی ابتداء مواخاۃ سے فرما کر ایک طرف مہاجرین کے دکھوں کا مداوی اور انصار کے جذبۂ نصرت کی تکمیل فرمائی تو دوسری طرف اتحاد واتفاق کی

اہمیت کواجاگر کرکے بھائی چارے کے قیام کوصاحب دعوت امت کاوظیفۂ اصلی قراردیا، پھر مدینہ کے پر پیچ ونفاق آلود ماحول پر قابو پانے کے لئے ۴۸ دفعات پر مشتمل جامع دستورتحریرفرمایاجو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہوااوردنیا کا پہلا دستوراورآپؐ کے مؤیّدمن اللہ ہونے کی علامت قرار پایا،اسی پہلے دورمیں معلم اول ﷺ نے مسجد سے متصل ۸۰تا۴۰۰ طلبہ پرمشتمل صفّہ نامی اقامتی جامعہ قائم فرماکروحی کے پہلے بول پر باقاعدہ عمل جاری کیا اوراُمیّ امّت کولسان وقلم کے زیور سے آراستہ کرنے کانظم فرمایا بلکہ جہالت کو جانی دشمن سے بڑادشمن گردانتے ہوئے، جانی دشمنوں کی رہائی تعلیم کے بدلے ہونے لگی، اس طرح امن وامان اورسکون تمام کے ساتھ پہلادورختم ہوا،جس میں نبی ﷺ نے نبوی فراست سے یثرب کی ایسی کایاپلٹی کہ خود یثرب نے بصدعزوناز اپنی جبین نیاز پراپنانام مدینۃ النبی کندہ کروالیا، یہی نہیں اس نے اپنی کایاپلٹنے والے عظیم محسن کوہمیشہ کے لئے اپنی ہی آغوش میں رکھنے کافیصلہ کیا۔

اہل مکہ جن کی نیند دین محمد ﷺ کے مدینے میں قرار پکڑنے سے سال بھر سے حرام تھی ،حواس باختہ اٹھے اورکبروغرور کے نشے پرسوارآناًفاناًمدینہ پر چڑھ آئے اوریہیں سے چاروناچارشروع ہوامدنی زندگی کادوسرادور، جسے تاریخ میں سیاسی انتظام اورعسکری کاروائی کادورکہاگیا،گرچہ بعض نادانوں نے اسے جنگ وجدل اورقتل وقتال کادوربھی گردانا،رسول ﷺ جوجان کے پیاسوں سے جان بچاکرساڑھے چارسوکیلومٹرکی دوری پرآباد ہوئے تھے،دفاعی پوزیشن میں آگئے اورشروع کی تین بیرونی جنگوں یعنی بدر،اُحداورخندق میں رسولﷺ نے "أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا" پرعمل کرتے ہوئے ظالموں سے اپنے آپ کوبچانے کے خاطردفاعی یاجوابی جنگ لڑی،

جسے بجائے لڑائی کے بچاؤ سے تعبیر کرنا ہی زیادہ صحیح تعبیر اور انصاف کا تقاضہ ہے، قوم یہود جو پاس وفا اور ایفائے عہد کو حرف غلط کی طرح اپنی لغت سے مٹا چکی تھی، بقائے باہم کے اصول پر مبنی میثاق کا پاس ولحاظ کب تک رکھتی ؟ قسمت آزمائی پر اتر آئی، اور جب شرارتوں کی خوگر قوم نے مدینہ کو شرارت کی تجربہ گاہ بنا کر مخالفت کے جملہ ریکارڈ توڑ دئے تو یکے بعد دیگرے تین داخلی گرفتوں کے ذریعہ، تینوں قبیلے کیفر کردار کو پہونچے اور اکیلے نہیں ڈوبے، اہل خیبر کو بھی لے ڈوبے۔

سن ہجری ٦ تک کے جملہ وقائع میں مسلمانوں نے اپنا ہاتھ اونچا ثابت کرنے کے باوجود اپنی امن خو وصلح جو فطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے، حدیبیہ میں ڈبنے کی تاریخ قائم کردی، یہی نہیں جس پیارے لفظ کو مٹانے پر خود اپنوں میں سوالیہ نشان قائم ہوسکتا تھا، آپ ﷺ نے ازخود معاہدے سے مٹا کر صلح پسندی کی اعلیٰ ترین نظیر پیش فرمائی، اور فتح مکہ تو دنیا کی وہ واحد فتح ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے عالم کی تاریخ عاجز ہے اور رہیگی، اہانت کی جگہ عزت کا اعلان اور مستحق موت کو حیات کا تحفہ، جنگ برائے امن کے اصول پر کاربند، نبی ﷺ ہی کا عمل ہوسکتا ہے، ملحمۃ کو مرحمۃ سے بدلنا، جرم کے خوگر کو لاتثریب کا مژدہ سنانا، مفتاح مبارک کو خالدۃً تالدۃً کی سند کے ساتھ مالک اصلی کو لوٹانا اور جن کے قتل کے پروانے جاری کئے جاچکے تھے، ان میں سے بھی بہتوں کو رداء رحمت میں ڈھانپ لینا ملوک کی نہیں! انبیاء کی سنت ہے، رہ گیا واقعۂ موتہ تو وہ سفیر رسول ﷺ کے قتل کی پاداش تھا، تو حنین وطائف ہوازن وثقیف کی ناکام مخالفت کا انجام بد تھا، اور تبوک کی آخری طویل وسخت مہم تو کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے ارادے سے لاکھوں کا لشکر تیار کرنے والے رومیوں کے بد ارادوں

پر بندش کی کاروائی تھی،اور مابقیہ واقعات تو جنگیں نہیں،مختلف اغراض پر وابستہ مسلح اسفار تھے،گر چہ کہیں کہیں جھڑپ کی نوبت بھی آ گئی۔

اس تفصیل کے بعد ہمارادعوی ہیکہ نبی ﷺ کی جنگیں ،جنگیں نہیں ، تأدیبی کاروائیاں تھیں، جو کبھی کبھی مشفق مسئول بھی ماتحتوں کے سدھار کے لئے ناگزیر سمجھتا ہے،اگر یہ بات اتنی آسانی سے حلق سے نیچے نہیں اترتی،تو آیئے اعدادوشمار کی عدالت سے اس کا فیصلہ کروالیں،دنیا آج تک جن واقعات کا پروپیگندہ کرتے نہیں تھکتی،ان ۲۸ غزوات اور ۶۰ سریات میں فریقین کے مقتولین کی تعداد ۱۰۱۸ سے بڑھ نہ سکی،جبکہ صرف پہلی عالمی جنگ نے ۶۴ لاکھ انسانوں کا خون پیا اور دوسری کی پیاس پانچ چھ کروڑ بے گناہوں کا لہو چوسے بغیر نہیں بجھی،کلیسا کے مذہبی جنون کی آگ کو ٹھنڈی ہونے کے لئے بھی ایک کروڑ بیس لاکھ جانوں کی ضرورت پڑی،اور پھر طرفہ تماشہ یہ کہ وہ سارا کا سارا خون رائیگاں گیا،کیونکہ ان لڑائیوں کے بعد انسانی خون کی ارزانی اس کے آخری نقطہ تک پہنچ گئی،جبکہ مقدم الذکر واقعات کی اقل قلیل مقدار نے حیرۃ یا قادسیہ سے چلنے والی اکیلی عورت کو پر خطر گذرگاہ سے جان مال اورآبرو کی حفاظت کے ساتھ مطاف کعبہ تک پہنچادیا،پھر فریقین کو چھوڑ کر فقط حزب موافق کے نقصان کا جائزہ لیا جائے تو آپ کو تعجب ہوگا کہ کل ۲۷۹ جانیں یعنی ماہانہ ایک جان کی شہادت کے بدلے یومیہ ۲۷۴ مربع میل کے حساب سے دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کے رحمت بھرے سایے میں آکر چین کی بنسری بجانے لگا۔

نبوی زندگی کا تیسرادور بین الاقوامی تعلقات اوردعوتی سرگرمیوں کا دور ہے،

موقع شناشی دور بینی اور مصالح وحکم کے ہزار ہا ابواب وا کرنے والی صلح حدیبیہ کے بعد عالمگیر نبی ﷺ کے سفراء قیصر، کسریٰ، مقوقس، نجاشی جیسے سینکڑوں سلاطین اور قبائل کے وڈیروں کے پاس نامہائے مبارک لے کر پہنچے اوران کے ایوانوں اور جرگوں میں اسلام کی صداقت وحقانیت کے پھریرے لہرا کر، قبول کرنے کی صورت میں بشارت اور عدم قبول کی شکل میں اذاهلك كسرى فلا كسرى بعده ‘ ....والی خطرے کی گھنٹی بجا آئے، قبائل عرب جوقریش کو اپنا مقتدیٰ وپیشوا مانتے تھے مکہ کی فتح اور قریش کے اسلام لانے کے بعد اسلام کی جھولی میں کشاں کشاں آنے لگے، گویا کوئی موتیوں کی لڑی تھی جوٹوٹ گئی اور سارے دانے اسلام کی آغوش میں آ گئے، عـالِمُ الغَيبِ والشهادة کے قول وَرَأَيتَ النَّاسَ يَدخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ اَفوَاجًا کی تصدیق اس طرح ہوئی کہ پروانا ہائے شمع نبوت کی تعداد حدیبیہ میں فقط چودہ سو تھی، جوفتح مکہ میں بڑھ کر دس ہزار ہوگئی اور حجۃ الوداع میں تو ماہ نبوت کے ہالے میں ایک لاکھ بیس ہزار نجومہائے ہدایت جگمگا رہے تھے۔

مدنی زندگی کا چوتھا اور آخری دور شریعت الٰہیہ کی تکمیل اور نفاذ کا دور تھا، اس دور میں اجراء شریعت کی ہر ہر کوشش اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی، آیات احکام پر امتثال کی ایسی عجیب وغریب شکلیں سامنے آئیں جس پر دنیا آج تک محو حیرت ہے، نبی ﷺ کی طرح نائبین نبی ﷺ نے بھی اصلاح وارشاد کے کام کو حرز جان بنایا، اور جس جماعت کے ایک فرد کو عالم کی ہدایت کے لئے کافی سمجھا گیا تھا، اس جماعت کے ایک دو نہیں لاکھوں افراد، ’’أصحابی کالنّجوم ‘‘ کا تمغا، خیر امت کا خطاب اور ﴿رضی الله عنهم﴾ کی سند لے کر تیار ہو گئے اور خود نبی ﷺ کو جب ان پر اعتماد ہو گیا تو حبیب

کومحبوب نے ﴿إذاجاء نصرالله﴾ کےذریعہ وصال کااشارہ دیااورجواباحبیب نے بھی ’’اللّٰھم الرَفِیق الأعلی ‘‘ کہہ کرلقاءمولیٰ کودارِدنیاپرترجیح دی اورانصار سے کئے، ساتھ جینے اورساتھ مرنے کے وعدے کو وفا کرتے ہوئے، پیکرصدق ووفا،عفیفۂ کائنات، بنت صدیق،حرم رسولؑ کی حمیراء،ماں عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں آرام فرماہوئے۔

نبی ﷺ کےاخلاق حسنہ جن کی ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کہ کرخودخدا گواہی دے، کی کامل ترجمانی کون کرسکتاہے؟ سچ ہے آپ ﷺ کے جملہ شعبہائے زندگی میں برتے ہوئے اخلاق کی بلندی اتنی زیادہ ہیکہ کبھی کبھی ،شعراءوادباء کی قوت متخیلہ کی پرواز بھی وہاں تک نہ ہوسکی جہاں نبی ﷺ اپنے جسم وعمل سے پہونچ گئے ، اگرتاریخ کی مستند شہادات اورمتواتر روایات نہ ہوتی تو شایدلوگ ان واقعات کےوقوع ہی کاانکارکردیتے۔

آپ ﷺ نے دنیاکوتوحید کاپاکیزہ عقیدہ دیا،بٹی ہوئی انسانیت کواخوت کے دھاگے میں پرویا،بچھڑے ہوئے طبقات کوانسانی احترام عطاکیا،رحمت خداوندی سے مایوسی کی فضادورکرکےتوبہ کی راہ سے گنہگاروں کوبھی رب کریم سے قریب کردیا،نیت کی بنیادپردین ودنیاکارشتہ استوارکیا،اورمنزل سے بےخبرمسافرکومنزل مقصودتک پہونچادیا،جس کےنتیجہ میں دنیاکی رت بدل گئی،انسانیت کامزاج درست ہوا،خداطلبی کاذوق پیداہوا،عشق الٰہی کاشعلہ بھڑکا،اورجگہ جگہ بڑی تعدادمیں ایسےخدامست، عالی ہمت، عارف کامل، داعئ حق ، خادم خلق،انسان دوست، ایثارپیشہ لوگ نظرآنے لگے جن پرفرشتے بھی رشک کریں،جنہوں نے علوم کے دریابہائے،محبت کی جوت

جگائی، جہالت سے نفرت پیدا کی، حقیقی مساوات کا سبق پڑھایا، کمزورں کو گلے لگایا، اور جنہوں نے ذوق عبادت، قوت دعا، زہد وفقر، جذبۂ خدمت، احتساب نفس، دوست پروری، دشمن نوازی، ہمدردی اور مکارم اخلاق کے ایسے نمونے پیش کیۓ جن پر دنیا آج بھی اپنا سر دھنتی ہے اور جس کے چشمۂ حیوان سے آج بھی آب حیات لیتی ہے اور اس وقت تک لیتی رہیگی جب تک اس کی نبض میں دھڑکن اور خون میں حرارت موجود ہے، کیونکہ یہ متاع گرانمایا ہمیشہ ایک ہی در سے دنیا میں تقسیم ہوتی رہی ہے جس در کو در نبوت کہا جاتا ہے۔

وصال کی خبر سن کر صدیق اکبرؓ تشریف لائے، حق محبت ادا کیا، عمرؓ کو جو آپے سے باہر تھے سنبھالا، سقیفۂ بنوساعدہ کی صورتحال پر قابو پایا، امت کے اتحاد کا عملا مظاہرہ کرنے کے لئے تدفین سے پہلے خلافت کی بیعت لی، اپنی خلافت وہدایت میں نبی ﷺ کی الوداعی خدمات ادا کر کے نبی ﷺ کے انتخاب کی صحت کا ثبوت پیش کیا، یہی نہیں نبی ﷺ کی خواہش کی تکمیل میں جیش اسامہؓ کی روانگی کا جرأتمندانہ فیصلہ کیا، مرتدین سے دو دو ہاتھ کیۓ، جھوٹے نبیوں کا قلع قمع کیا، اور مانعین زکوۃ کو ''أَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَاحَیٌّ '' کا تاریخی جملہ کہہ کر دین میں رخنہ ڈالنے والے ہر دشمن اسلام کو للکارا، اور اسلام کی گاڑی کو خلافت علی منہاج النبوت پر دوبارہ اسی رفتار کے ساتھ گامزن کر دیا۔

ہو لاکھوں سلام اس آقا پر، دل لاکھوں جس نے جوڑ دیۓ　　دنیا کو دیا پیغامِ سکوں، طوفانوں کے رخ موڑ دیۓ

اس محسن عالم ﷺ نے آ کر کیا کیا نہ دیا انسانوں کو؟　　دستور دیا، منشور دیا، کئی راہیں دیں کئی موڑ دیۓ

مقالہ نگار: محسن پوناوی
مقالہ نمبر : ۴
متعلم : جامعہ قاسمیہ، کھروڈ
فرع اول میں تیسرا انعام یافتہ مقالہ

ألحمد للّٰه ربّ العٰلمين، والصّلوة والسّلام على خاتم النبيين والمرسلين وعلى اٰله وأصحابه وأتباعه أجمعين : أما بعد

نبی کریم ﷺ کی مدنی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،

(۱) دورِاول : اسلامی معاشرہ کا قیام، اندرونی وبیرونی اسلام دشمن طاقتوں اورفتنوں پرقابو پانا، یہ دور مقصودِ مذکور میں مسلمانوں کی کامیابی کے ساتھ صلحِ حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ پرختم ہوجاتا ہے۔

(۲) دورِثانی : اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ صلح، عرب وعجم میں دعوتِ حق کا پہونچانا اوراسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا قلع قمع کرنا یہ دور فتحِ مکہ رمضان ۸ھ پرمنتہی ہوتا ہے۔

(۳) دورِثالث : یہ اسلام کے عروج اور پھلنے پھولنے کا دور ہے جس میں ''يدخلون في دين اللّٰه أفواجا'' کا وعدہ ظہور پذیر ہوا، یہ دور نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الاول ۱۱ھ تک محیط ہے۔ (الرحيق المختوم ۲۳۷)

صحابۂ کرامؓ ہجرت کرکے مدینہ پہنچ چکے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اجازتِ الٰہی کا انتظار تھا، بالآخر جبریلؑ نے آکر اجازتِ ہجرت کا حکم سنایا تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابو

بکر صدیقؓ کوساتھ لیکر کافروں کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ (ابنِ سعد ج ا ص ۲۹۳، ابن ہشام ص ۳۴۰)

(ف) اسی وجہ سے جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ جب مسلمان اقلّیت میں ہوں اوران کے پاس سامانِ حفاظت نہ ہواورانہیں اپنے قتل کا خوف ہوتو مناسب ہے کہ حفاظتِ نفس کی مصلحت کومقدم کریں اگر چہ اس میں بھی مقصودِ بعید مصلحتِ دین ہی ہے۔ (فقہ السیر ة: ص ۷۰)

دعوت حق کا اجالا آہستہ آہستہ بڑھتا جارہا تھا، دین حق کی کچھ کرنیں اصحابِ بیعتِ عقبہٗ اولی وثانیہ کے ذریعہ مدینہ تک بھی پہنچ چکی تھیں، انہی چند کرنوں نے اہل مدینہ کومست و بےخود بنادیا تھا، اوراس روشن وتاباں آفتابِ نبوت کودیکھنے کے لئے ان کا دل بے چین تھا اور مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے نکلنے کی خبر بھی آچکی تھی، اس خبر کوسن کر اہل مدینہ کا اشتیاق، اضطراب کی حد کو پہونچ گیا تھا، زیارت کی بے چینیاں انتہا کو پہنچ گئیں تھیں، روزانہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار رہنے لگا تھا، یکا یک ایک یہودی نے قلعہ پر سے دیکھا اورمژدہ سنایا کہ ''اے اہل یثرب! لوتمہارا انتظار ختم ہوا، اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے ہیں'' اس کا سننا تھا کہ سب کے دلوں میں خوشیوں کی لہریں دوڑ گئیں اورسارا شہر تکبیر کے غلغلے سے گونج اٹھا۔

دوشنبہ آٹھ ربیع الاول ۱۴ ؁ نبوی کورسول اللہ ﷺ قبا میں وارد ہوئے (رحمۃ للعالمین ج ۱۔ص ۹۱، سیرۃ النبی: ج ۱۔ص ۱۷۳) رسول اللہ ﷺ نے قبا میں کل چار دن (دوشنبہ، منگل، بدھ، جمعرات) یادس دن سے زیادہ قیام فرمایا اس لئے کہ ابن قیم کی صراحت کے مطابق قبا میں آپ ﷺ کی تشریف آوری دوشنبہ کو ہوئی تھی اور جمعہ کو آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ (زادالمعاد: ج ۲، ص ۵۴، ۵۵ سیرت ابن

ہشام: ج/۱،ص/۴۹۴) اسی قیام کے دوران آپ ﷺ نے قبا میں مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اسمیں نماز بھی ادا کی یہ آپ ﷺ کو نبوت ملنے کے بعد پہلی مسجد ہے، حق تعالی کا اس مسجد کے بارے میں ارشاد ہے ''لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى'' یعنی یہ ایسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا رخ کیا، بنوسالم بن عوف کی آبادی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آ گیا، آپ ﷺ نے بطن وادی میں وہاں جمعہ پڑھا جہاں اب مسجد ہے، جمعہ میں کل ایک سو آدمی تھے۔

(صحیح بخاری: ج/۱،ص۵۵۵، زادالمعاد: ج/۲،ص/۵۵)

جمعہ کی نماز ادا فرمانے کے بعد آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے اور بس اسی دن سے اس شہر کا نام یثرب کی بجائے مدینۃ الرسول ﷺ پڑ گیا، انصار کی بچیوں کے غول گھوم رہے تھے اور ان کی زبان پر یہ نغمہ جاری تھا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالامرِ الْمُطَاعِ

ترجمہ: ہم پر مدینہ کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا، جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے ہم پر شکر واجب ہے، اے ہم میں بھیجے گئے نبی آپ واجب الاطاعت دین لیکر آئے ہیں (رحمۃ العالمین ج؛۱ ،ص۱۰۶، سیرت سید البشر ص۷۷)

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کو تین قسم کی جماعتوں سے سامنا تھا۔ (۱) آپ ﷺ کے جانثار اور متبعین صحابۂ کرامؓ کی جماعت، ان جانثار صحابہؓ میں دو قسم کے لوگ تھے، مہاجرین صحابہؓ: جب یہ مکہ میں تھے ان کے ہاتھ میں کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا اور ان

کے پاس اسباب ہی نہ تھے، جن کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ قائم ہو سکے اور مدینہ میں بھی بے سروسامانی کے حالات میں آئے تھے، انصار صحابہؓ: مہاجرین کے برخلاف مدینہ میں انصار کو اپنے اختیارات خود حاصل تھے، اب موقع تھا کہ اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے لیکن پریشانی یہ تھی کہ انصار کے دو گروہ؛ اوس وخزرج میں پشتہا پشت سے لڑائی چلی آرہی تھی اور مہاجرین کے آجانے کے بعد تنگیٔ معاش کا مسئلہ بھی درپیش تھا(۲) وہاں کے مشرکین، ان میں بھی دو گروہ تھے۔ وہ مشرکین جن کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی عداوت نہ تھی یہ تھوڑے ہی دنوں بعد مسلمان ہو گئے ۔ وہ مشرکین جن کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے ان میں سرِ فہرست ''عبداللہ بن ابی بن سلول'' تھا، وجہ یہ تھی کہ جنگِ بُعاث کے بعد اس کے بادشاہت کے خواب کے تاروپود مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ہی کی وجہ سے بکھر گئے تھے، یہ مشرکین کا طبقہ مسلسل مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مشغول تھا(۳) وہ یہودی جو رومی ظلم و جبر سے بھاگ کر مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے، بظاہر ان میں عربیت کا رنگ آ گیا تھا لیکن ان کی قومی عصبیت اور اپنی برتری کا خیال جو ان کی طبیعت ثانیہ ہے اب بھی ان میں باقی تھا، مدینہ کی تجارتی منڈیاں انہیں کے ہاتھ میں تھیں، مدینہ میں ان کے تین مشہور قبیلے تھے(۱) بنو قینقاع: یہ خزرج کے حلیف تھے (۲) بنو نضیر (۳) بنو قریظہ: یہ دونوں قبیلے اوس کے حلیف تھے اور دونوں کی آبادی مدینہ کے اطراف میں تھی، یہ تو مدینہ کے اندرونی حالات تھے اور مدینہ سے باہر قریش جنہوں نے مکّہ میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے

میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر جانے کے باوجود بھی انہوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا بلکہ مسلسل مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے سازشوں میں مشغول رہے۔ (الرحیق المختوم: ص/۲۴۰)

رسول اللہ ﷺ نے بحکم الٰہی آپ کی اونٹنی کے بنونجّار میں بیٹھ جانے کے بعد حضرتِ ابوایّوب انصاریؓ کے یہاں قیام فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے جس بات کی طرف توجہ فرمائی وہ مسجد کی تعمیر ہے اور مسجد کیلئے وہی جگہ منتخب کی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی، اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے، آپ ﷺ نے ان سے یہ زمین قیمۃً خریدی اور بنفسِ نفیس مسجد کی تعمیر میں شرکت فرمائی اور مسجد کے بازو میں چند مکانات بھی تعمیر کئے جو آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے تھے، ان حجروں کے مکمل ہو جانے کے بعد آپ ﷺ ان حجروں میں منتقل ہو گئے۔

(تفصیل صحیح بخاری: ج/۱ ص/۱۷، ۵۵۵، نبیِ رحمت: ص/۲۶۴)

اوائل ہجرت ہی میں اذان کی ابتدا ہوئی یہ ایک لاہوتی نغمہ تھا جو حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ وغیرہ کو خواب میں سنایا گیا تھا۔ (تفصیل ترمذی: ج/۱ص/۴۸)

رسول اللہ ﷺ نے جب اذان کے لاہوتی نغمہ کے ذریعہ لوگوں کو محبت ومودت کے مرکز مسجد میں جمع فرما دیا تو اس کے بعد اس محبت ومودت کی جڑ کو مضبوط کرنے کیلئے مہاجرین وانصار میں مواخات قائم فرمائی؛ جس کی بنیاد آپس میں ایثار اور غم خواری پر تھی، اس مواخات کی حکمتِ نبوی نے مہاجرین وانصار کے رنگ ونسل اور وطن کے امتیازات کو ختم کر دیا، جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے قیام کی بنیاد مستحکم ہو گئی، پھر

اس مواخات نے انصار پر وہ اثر ڈالا کہ وہ اپنا مال تقسیم کرانے اور مہاجرین کی لئے اپنی بیویوں تک کو طلاق دینے تیار ہو گئے (تفصیل صحیح بخاری: ج ۱/ص ۵۶۱) مزید براں رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ارشادات کے ذریعہ مسلمانوں کے اخلاقیات کو بلند کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے کبھی ارشاد فرمایا کہ ’’کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں‘‘، کبھی فرمایا ’’تم سلام کرو چاہے شناسا ہو یا غیر شناسا‘‘ اور کبھی فرمایا ’’سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہے کہ اگر اس کی آنکھ کو تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے‘‘، ان ساری محنتوں کے نتیجہ میں بالآخر آپ ﷺ مدینہ میں ایک اسلامی اور خوش گوار معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

(احادیث بخاری ومشکوٰۃ)

رسول اللہ ﷺ کی رحمۃ للعٰلمینی کا تقاضا یہ تھا کہ ساری انسانیت آپ کی برکتوں اور سعادتوں سے بہرآور ہو، اس بات کے پیش نظر نیز مدینہ اور اس کے گردو پیش ایک وفاقی وحدت قائم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا جس میں انہیں مذہبی آزادی دیکر مسلمانوں کے خلاف کوئی بھی قدم نہ اٹھانے کا عہد لیا گیا تھا، دوسری طرف مشرکینِ مکہ نے مہاجرین کو کہلا بھیجا کہ ’’تم مغرور نہ ہونا کہ تم مکہ سے بچ کر نکل گئے ہم یثرب میں پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر دیتے ہیں‘‘ (رحمۃ للعالمین: ج ۱/ص ۱۰۲،)

(ف) رسول اللہ ﷺ نے یہود کے ساتھ معاہدہ فرمایا اس لیے کہ ملکی وحکومتی سیاست کے بغیر اسلامی مملکت کا قیام بظاہر ممکن نہ تھا اور اس وقت حکمِ الٰہی یہی تھا اس سے ان لوگوں کا منہ بند ہو جاتا ہے جو اس بات کے مدعی ہیں کہ اسلام ایک دینِ محض ہے اسے حکومت وسیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ (ایضاً ص: ۱۵۲)

بالآخران پرخطر حالات کی وجہ سے جو مسلمانوں کے لئے چیلنج بنے ہوئے تھے اور مستقبل میں قریش کے برے ارادے ظاہر ہو رہے تھے، حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ''اُذِنَ لِلَّذِینَ یُقَاتَلُونَ بِاَنَّھُم ظُلِمُوا'' کے ذریعہ ابتداءً جنگ کی اجازت مرحمت فرمادی اور کچھ ہی دنوں بعد ''وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ'' کے ذریعہ جنگ کو فرض قرار دے دیا اور ساتھ ہی جنگ کے احکام سکھاتے ہوئے فرمایا ''حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْھُم فَشُدُّوا الوَثَاق '' جب تم انہیں اچھی طرح کچل دو تو انہیں مضبوط باندھ دو، اس قسم کے احکام میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ عنقریب جنگ ہونے والی ہے جس میں مسلمانوں کو فتح یابی نصیب ہوگی۔ پھر انہی دنوں ماہِ شعبان ۲ھ میں تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا، اس حکم میں اشارہ تھا کہ اب ایک نیا دور شروع ہونے جارہا ہے، جو اس قبلہ پر مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے ختم نہ ہوگا کیونکہ یہ عجیب بات ہوگی کہ جس مذہب کو قیامت تک چلنا ہو اس کا قبلہ دشمنوں کے ہاتھ میں رہے، اچانک رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ قریش کا ایک قافلہ شام سے مکہ لوٹ رہا ہے جس کے ساتھ اہل مکہ کی بڑی دولت ہے چنانچہ آپ ﷺ نے غلبہ اور غنیمت کے ارادہ سے تین سو تیرہ افراد کے ساتھ کوچ فرمایا، لڑائی کا ارادہ نہ تھا اس لئے بے سروسامانی کی حالت تھی، ادھر اہل مکہ کو خبر ہوتے ہی ان کی ایک ہزار کی جمعیت مسلمانوں سے جنگ کے لئے نکل پڑی، نتیجۃً بنصرت الٰہی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

(تفصیل صحیح بخاری: ج ۲، ص ۵۸۳، الروض الانف: ج ۳ ص ۲۹)

(ف) بدر کی طرف مسلمانوں کے کوچ کا مقصود صرف غلبہ وغنیمت تھا لیکن حق تعالیٰ نے ان کی کافروں سے مڈبھیڑ کرادی جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ جہاد کا اصل مقصود جو مسلمانوں کے سامنے رہنا چاہئے وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے نہ کہ غنیمت۔

(ایضاً: ص ۱۵۹)

ادھر مدینہ میں بنو قینقاع نے عہد شکنی شروع کی اور ان کے بازار میں جانے والے مسلمانوں کو ستانے لگے، ابن ہشام کے بقول انہوں نے ایک مسلمان عورت کے چہرے کو بے پردہ کر دیا، بالآخر مسلمانوں نے ان پر چڑھائی کر کے انہیں جلا وطن کر دیا، دوسری طرف ماقبل کے واقعات کی وجہ سے اہل مکہ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑا لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی، ادھر مسلمانوں کا لشکر صرف ایک ہزار کا تھا، اس جنگ میں ابتداءً تو مسلمانوں کو فتح ہوئی لیکن اخیر میں چند صحابہ کرامؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا، اسی میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوئے۔

باوجودیکہ اس جنگ میں مسلمانوں کو اہل مکہ کے مقابلہ میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مشرکوں کو فتح ہوئی اس کی چند وجوہات ہیں (۱) مکی لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قابض نہیں ہو سکا (۲) مسلمانوں نے جنگ سے فرار اختیار نہیں کیا تھا (۳) کفار نے جنگ کے بعد میدانِ جنگ میں تین دن قیام نہیں فرمایا جو فاتحین کا دستور تھا (۴) کفار کو کوئی مال غنیمت حاصل نہیں ہوا (۵) کفار نے مسلمانوں سے پہلے ہی میدان جنگ خالی کر دیا تھا، ادھر مدینہ میں بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی کوشش کی لیکن من جانب اللہ آپ ﷺ کو ان کی سازش کا علم ہو گیا اور آپ ﷺ نے انہیں جلاوطن کر دیا وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

(غزوۂ احد کی تفصیلات ابن ہشام: ص/۵۲۱، عیون الاثر ج:۲ص/۵، ابن سعد: ج/۱ص/۳۵۶)

ماہِ شوال ۵ھ میں یہودیوں نے اپنی مکاری سے سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر دیا، تقریبا دس ہزار کا لشکر مدینہ پر چڑھ آیا لیکن حق تعالی کی نصرت سے

مشرکین میں پھوٹ پڑ گئی اور تیز وتند طوفان نے ان کے سارے معاملہ کو تتر بتر کر دیا اور انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی، احزاب سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائیگا‘‘ اور چونکہ اس نازک موقع پر معاہدہ کے خلاف بنوقریظہ نے مشرکین کا ساتھ دیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے تین ہزار کے لشکر کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا، انہوں نے ہتھیار ڈال دئے اور انہی کے طے کردہ حَکَم یعنی حضرت سعد ابن معاذؓ کے فیصلہ سے ان کے تمام مردان جنگی کو قتل کر دیا گیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو مصطلق دوسرے عرب قبائل کو لیکر مسلمانوں سے جنگ کی نیت سے نکلے ہیں اس پر آپ ﷺ نے ان کی طرف کوچ فرمایا حق تعالیٰ نے بنو مصطلق کو شکست دی اور اسی غزوہ میں واقعۂ افک پیش آیا جس نے اپنوں اور غیروں کو واضح کر دیا۔

(زاد المعاد: ج ۲/ص ۱۴۸/، اصح السیر :ص ۱۳۰، سبل الھدی والرشاد: ج ۴/ص ۳۴۴)

﴿ف﴾ غزوۂ بنوقینقاع کا سبب ایک مسلمان عورت کے چہرے کو بے پردہ کرنا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہِ مرأۃ بھی حجاب میں داخل ہے اور یہی بات اس پرفتن زمانہ کے مناسب بھی ہے۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے نقصان کا سبب چند صحابہؓ کی حکمِ رسول ﷺ کے باب میں اجتہادی غلطی تھی اس سے معلوم ہوا کہ آج ہر شعبہ میں ہماری ناکامی کی اصل وجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا تابع نہ ہونا ہے، بنونضیر پر غلبہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے باغات کو جلانے کا حکم دیا تھا، کچھ درختوں کے جل جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان باغات کو چھوڑ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ دشمنوں کے درختوں کے باب میں حکم شرعی امیر و حاکم کے حوالے ہے۔ غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے بھی ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے نیز خندق کھودنے میں خود آپ ﷺ بھی بنفسِ نفیس شریک ہوئے اس سے ہمیں بے مثال مساوات اور عدالت کا درس ملتا ہے اور غزوۂ قریظہ سے معلوم ہوا کہ جو عہد کو توڑ دے اس سے قتال جائز ہے نیز تحکیم کے جواز کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(ایضاً ص:۱٦۸، ص/۱۹۲، ص/۲۱۸، ص/۲۳۵)

ماہِ ذی القعدہ ٦ھ کا زمانہ تھا کہ آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سمیت عمرہ ادا کیا، چنانچہ آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہم رکاب عمرہ کے ارادہ سے نکلے، لیکن کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کا راستہ روک دیا اور صلح حدیبیہ پیش آئی، اس صلح کی وجہ سے مسلمانوں کو کچھ سکون ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ دین کی طرف توجہ فرمائی اور بادشاہانِ عجم کے نام خطوط روانہ فرمائے (نبیٔ رحمت: ص/۳۷۹) اب ماہ محرم ۷ھ کا زمانہ تھا کہ غزوۂ خیبر پیش آیا، چنانچہ نبی ﷺ نے دشمنوں کی بالکلیہ بیخ کنی کے لئے چودہ سو افراد کے ساتھ خیبر کی طرف کوچ فرمایا، بالآخر حضرت علیؓ کے ہاتھوں حق تعالی نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی اور مصالحت ہوگئی، اس کے بعد اسی سال ماہِ ذی قعدہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ شرطِ صلح کے مطابق عمرۂ قضا ادا فرمایا۔

(زادالمعاد ج:۲/، ص/۱٦۸، ابن سعد: ج/۱، ص/۳۹۹، عیون الاثر: ج/۲، ص/۱٦۰)

(ف) رسول اللہ ﷺ نے بادشاہانِ عجم تک دعوتِ دین پہنچانے کیلئے خطوط روانہ فرمائے نیز اس کے لئے مہر بنوائی اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اشاعتِ دین کے لئے شرعی حدود میں رہ کر اسباب و وسائلِ ضروریہ کو اختیار کرنا چاہئے، نیز صلح حدیبیہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں اور اعداء اسلام کے درمیان مدتِ معلومہ تک صلح کرنا جائز

ہے۔غزوۂ خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے باغات پھلوں کی نصف نصف کی شرط کے ساتھ اہل خیبر ہی کے حوالے کر دئے اس سے مساقاۃ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(ایضاً ص:۱۵۹، ۲۴۱ رص:۲۴۷)

ماہِ جمادی الاولی ۸؁ھ میں قیصرِ روم کے ساتھ معرکۂ موتہ پیش آیا، وجہ یہ تھی کہ اس کے گورنر نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو شہید کر دیا تھا، نتیجۃً رومیوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا اور مسلمانوں کا لشکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی حکمت عملی کی وجہ سے بعافیت نکل آیا، اس طرف مکہ میں صلح حدیبیہ کے خلاف قریش کے حلیف بنوبکر نے جب رسول خدا ﷺ کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کیا تو قریش نے بنوبکر کا ساتھ دیا جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے دس رمضان ۸؁ھ کو دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ کا رُخ فرمایا اور آپ ﷺ فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے وہاں انیس روز قیام فرمایا اور نقوشِ اسلام کی تجدید فرمائی۔(بخاری ج ۲ ص ۶۱۲، ابن ہشام ص ۷۱۹)

(ف) رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ پر بغیر اطلاع کے چڑھائی کی اس سے معلوم ہوا کہ حاکم مسلمین کیلئے یہ جائز ہے کہ دشمنوں پر اچانک حملہ کر دے جبکہ انہوں نے خیانت کی ہو اور عہد کو پسِ پشت ڈال دیا ہو۔ (ایضاً ص ۲۷۰)

فتح مکہ کے بعد سارے قبائل سپر ڈال چکے تھے لیکن ہوازن اور بنوثقیف بضد تھے، یہ دونوں قبیلے مالک بن عوف کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف نکل پڑے، ادھر ۶ رشوال ۸؁ھ کو رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا، ابتداءً تو اچانک ہونے والے حملہ کی وجہ سے اسلامی لشکر بکھر گیا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بے مثال بہادری کی بدولت اخیر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، غزوۂ حنین میں

شکست کھا کر اہل ہوازن اور بنو ثقیف طائف میں آ کر قلعہ بند ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے تقسیمِ غنیمت سے فارغ ہو کر طائف کا رخ فرمایا اور چالیس دن کے محاصرہ کے بعد آپ ﷺ لوٹ آئے، کچھ ہی دنوں بعد ہوازن کا وفد آ کر مسلمان ہو گیا۔

(زادالمعاد۔ ج ۲، ص ۱۲۶، بخاری۔ ج ۲، ص ۶۱۹)

اب مشرکین کی طرف سے اطمینان ہو چکا تھا لیکن دوسری طرف رومیوں کی طاقت مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے حالات کی نزاکت کی وجہ سے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا اور بڑی دقتوں کے بعد تبوک پہنچے، حاکمِ ایلۃ اور حاکمِ دُومۃ الجَندل سے مصالحت ہوئی اور اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس ہوا۔ (بخاری: ج ۲، زادالمعاد: ج ۳، ص ۱۵) فتحِ مکہ نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں ۹ھ اور ۱۰ھ میں مدینہ آنے والے وفود کا تانتا بندھا رہا اور لوگ اللہ کے دن میں فوج در فوج داخل ہو رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر لشکر اگر دس ہزار تھا تو ایک ہی سال کے عرصہ میں تبوک کے موقعہ پر تیس ہزار تھا اور حجۃ الوداع میں تو ایک لاکھ سے زیادہ لوگ شریک تھے۔

(زادالمعاد ج ۳ ص ۶۷، ابن ہشام ص ۸۱۵، اصح السیر ص ۲۷۷)

(ف) جب اہلِ ہوازن کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کافر یا کتابی کے اسلام کی امید ہو یا تعلیمِ دین مقصود ہو تو اسے مسجد میں ٹھہرانا جائز ہے۔ (ایضاً ص ۲۹۳)

۹ھ کا زمانہ تھا حج کی فرضیت نازل ہو چکی تھی، چنانچہ مناسکِ حج قائم کرنے کی غرض سے آپ ﷺ نے حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کو امیر الحج بنا کر لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ (زادالمعاد: ج ۳، ص ۶۷)

اب رسول اللہ ﷺ کا مشن پورا ہو چکا تھا ،اب صحابہ کرامؓ سے امانت دین کی ادائیگی پر شہادت لینی باقی تھی ، چنانچہ مشیتِ الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے اپنے حج کے ارادہ کا اعلان فرمادیا،ایک لاکھ سے زائدلوگ آپ کے ساتھ تھے،آپ ﷺ کے پوچھنے پرتمام لوگوں نے امانتِ دین کی ادائیگی پر شہادت دی اورآپ ﷺ نے اس شہادت پراللہ کوگواہ بنایا،اسی زمانہ میں اکمال دین کی آیت نازل ہوچکی تھی جس نے آپ کی حیات طیبہ کے آخری باب کی طرف اشارہ کردیا تھا جس کا آغاز ۲۹ ؍صفر ۱۱ھ سے ہوا،جنۃ البقیع سے ایک جنازہ سے واپسی پرآپ کودردِ سرشروع ہوا جوتیز بخار کی شکل میں تبدیل ہوگیااوراسی مرض میں آپ ﷺ نے وصال فرمایا،آخری جملہ جو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا وہ ’’اللّٰھم بالرفیق الاعلی ‘‘تھایعنی اے اللہ مجھے رفیقِ اعلی میں پہنچادےاوراسی کے ساتھ آپ ﷺ کی روح پروازکرگئی۔(انا للہ و انا الیہ راجعون)۔ (بخاری ج۲ص۶۳۸)

مقالہ نگار: مبارک اسلامپوری مقالہ نمبر : ۵
متعلم : دارالعلوم سعادت دارین، سٹپون

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ،اما بعد :

سفینۂ اسلام کے ناخداؤ! شمعِ رسالت کے پروانو! کاشانۂ نبوت کے پرستارو! افقِ فضل وکمال کے درخشندہ ستارو!

ہم رابطۂ ادب اسلامی کی گجرات شاخ کے قابل قدر وعالی ہمت ذمہ داران کے تہہ دل سے شاکر وممنون ہیں ،جن کی یادفرمائی وہمت افزائی کی بدولت آج اس بزم سدابہار میں سیدالاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی مدنی زندگی پر، مجھ بے مایہ کواپنامقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔(جزاهم الله خیراً فانه کفی بنا ابتهاجاً و فخراً)

حضرات! گہوارۂ امن وامان سرزمین مکہ جب اپنی تمام تر وسعتِ دامنی کے باوجود حق وصداقت کے علم برداروں پر تنگ ہوگئی ،اور دشمنانِ اسلام ظلم وستم کی ساری حدوں کو پار کر گئے ،تو رب کریم نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت اہل اسلام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا، صحابۂ کرامؓ ایک ایک کرکے مدینہ منورہ کا رخت سفر باندھنے لگے ،نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا تو اکثر صحابہؓ یثرب پہنچ چکے تھے،مگر آقائے نامدار ﷺ اپنے لئے ابھی تک پیام ہجرت کے منتظر تھے،اور بأ مید ہجرت ابوبکرصدیقؓ کوبھی اپنی رفاقت کے لئے روک رکھا تھا،اُدھر کفار ومشرکین اس سازش میں جٹے ہیں،

کہ کسی طرح آپ ﷺ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، مشوروں پر مشورے ہو رہے ہیں ''ویمکرون ویمکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین'' (الانفال:۳۰) ایسے میں ہجرت کا حکم آیا اور آپ ﷺ راتوں رات بعافیت تمام طے شدہ نظام کے مطابق گھر سے نکل گئے، غیبی تائید نے ایسا ساتھ دیا کہ دشمن کے محاصرہ کا کوئی اثر نہ پڑا، صبح کو پتہ چلا تو کفار انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے، تعاقب کی کوشش کی، ہر طرف آدمی دوڑائے، راستہ روکنے کی ہزاروں کوششیں کر ڈالیں، پکڑ کر لانے والوں کے لئے انعام میں سو اونٹ دینے کا اعلان کیا گیا، اور ہر جتن کئے مگر سب لاحاصل، آپ ﷺ گھر سے نکل کر ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور پہنچے، وہاں تین روز روپوش رہ کر، چوتھے دن عبداللہ بن اریقط ''جو خرّیت اور ساحلی وصحرائی غیر معروف راستوں کا حددرجہ ماہر تھا'' کی رہبری میں سفر ہجرت کا آغاز فرمایا، اطلاع پاتے ہی انعام کی لالچ میں سراقہ بن مالک بن جُعْشُم نے آپ کے تعاقب میں اپنا گھوڑا دوڑایا، اور قریب پہنچ گیا، نصرت خداوندی نے آقا ﷺ کی دستگیری فرمائی، اور اس کا گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا، اس نے ہوش کے ناخن لئے، اور اِدھر آنے والوں کو واپس لے جانے کا عہد کر کے اپنے لئے امن نامہ لکھوا کر واپس ہو گیا، دورانِ سفر کئی طرح کے معجزات ظاہر ہوئے، ابوبکرؓ رفیقِ سفر تھے جو اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے اس اطراف میں خاصے معروف تھے، حق رفاقت ادا کرتے ہوئے آپ ﷺ کو اس شان سے لے کر چلے کہ خود اونٹنی پر آگے سوار ہوئے، اور آقا ﷺ کو ردیف بنایا، آپ ﷺ اتنے معروف نہ تھے، راستے میں کوئی شناسا صدیق اکبرؓ سے پوچھتا، ''من ھذا الرّجل''؟ تو جواب دیتے ''رجل یھدینی السبیل'' کہ یہ ہمیں راستہ بتاتے ہیں، مخاطب رہبر طریق سمجھ کر گذر جاتا، حالانکہ آپ دین کا راستہ مراد لیتے، کئی شبانہ روز جانفشانی کے بعد آپ ﷺ قبا پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے مکان میں فروکش

ہوئے، ہجرت کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی، مشتاقانِ زیارت جوکئی روز سے دیدۂ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھے، آپ ﷺ کی آمد کی خبر سن کر ہتھیار سے لیس ہوکر دوڑ پڑے اور سب نے نعرۂ تکبیر کی پرجوش صداؤں کے ساتھ آپ ﷺ کا شاہانہ استقبال کیا، قیام قبا کے دوران آپ ﷺ نے رب کائنات کی بندگی اور نماز کے لئے ایک مسجد بنائی جو کلام الٰہی کی شہادت کے مطابق "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی "کی مصداق قرار پائی۔

جب مدینہ کے درودیوار جگمگا اٹھے

چودہ یا چوبیس یوم قبا میں گذار کر جمعہ کی صبح محبوب دو جہاں ﷺ نے مدینہ کا رخ کیا، ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کے ردیف ہوئے بنوسالم بن عوف میں پہنچ کر نماز جمعہ ادا کی، نماز جمعہ سے فراغت کے بعد آپ ﷺ جمعہ کی صبح طَیبہ کی مقدس سرزمین میں قدم رنجہ ہوئے، آپ ﷺ کی آمد سے وہاں کے بام ودر جگمگا اٹھے، مدینہ کی قسمت پر چار چاند لگ گئے، اب تک ایسا مقدس وتابناک دن کسی شہر کے مقدر میں نہ آیا نہ آئیگا، ہر طرف خوشی ومسرت کا سما تھا، گلی کوچے صدائے تقدیس وتحمید سے گونج رہے تھے، چھوٹے چھوٹے نابلد بچے خوشی کے مارے سڑکوں پر اچھل کود کر رہے تھے، اور یوں گویا تھے جاء رسول الله! جاء رسول الله! بنونجار کی بچّیاں فرحت وسرور میں یوں نغمہ کُناں تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُعَلَیْنَامِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ ۔ وَجَبَ الشُّکْرُعَلَیْنَامَادَعَا لِلّٰہِ دَاعِ

اَیُّھَاالْمَبْعُوْثُ فِیْنَاجِئْتَ بِالامرِالْمُطَاعِ ۔ نَحْنُ جَوَارٍمِنْ بَنِی النَّجَّارِیَاحَبَّذَامُحَمَّدٌمِّنْ جَارٖ

ہر شخص کی دلی خواہش تھی کہ محبوب دو جہاں ﷺ ہمارے مہمان بنیں، مگر اونٹنی مامور تھی، حکم الٰہی کے مطابق یہ شرفِ ضیافت ابوایوب انصاریؓ کے حصہ میں آیا، آپ

ﷺ کی تشریف آوری سے مدینہ مرکز اسلام بن گیا، وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد بنانے کی فکر فرمائی، زمین خرید کر کام شروع کر دیا گیا، تعمیر مسجد میں بذات خود شریک ہوئے، آپ ﷺ نے اپنی پیغمبرانہ فراست وبصیرت سے اس مسجد میں ایسا تعلیمی، تربیتی، اصلاحی، سماجی، سیاسی، عسکری، ہمہ جہتی آفاقی نظام قائم فرمایا کہ اسلام مسلسل ترقی کرتا چلا گیا، جس سے دشمن کے سارے عزائم خاک میں مل گئے، اور اس بصیرت افروز و عاقبت اندیشانہ قیادت پر آج تک دنیا حیرت کناں ہے، اس طرز عمل نے مسلمانوں کو سبق دیا کہ تم جہاں بھی جاؤ سب سے پہلے مسجد کی فکر کرو، مسجد ہے تو دین سالم رہے گا ورنہ گارنٹی نہیں۔

مدینہ منورہ پہنچنے پر سب سے پہلے مکہ مکرمہ سے گھر بار تیاگ کر آنے والے پاکباز مہاجرین کی باز آبادکاری کا معاملہ پیش آیا تو اپنے اولین خطاب "یـا أَیُّهَـا النَّـاسُ أَفْشُـوا السَّـلامَ، وَاَطْـعِـمُـوا الـطَّـعَـامَ، وَصِلُوا الْاَرْحَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ، تَـدْخُـلُـوا الْـجَـنَّـةَ بِسَـلامٍ" (ترمذی:۲/۲۷، رقم: ۲۶۰۳، ترغیب:۳/۲۸۵، مشکوۃ :۲/۴۲۲) کے ذریعہ صحابۂ کرامؓ کے مابین مواخاۃ کا ایسا مستحکم اور بے مثال رشتہ قائم فرمایا کہ انصارِ مدینہ نے گھر بار، زمین وجائداد ہر چیز میں مہاجرین کو آدھے کا مالک قرار دے دیا، حتی کہ مرنے کے بعد اپنی متروکہ جائداد کا بھی انہیں وارث وحقدار گردانا تا آنکہ غزوۂ بدر کے موقع پر آیت کریمہ "وَاُولُـوا الْاَرْحَـامِ بَـعْـضُـهُـمْ اَوْلٰـی بِبَـعْـضٍ" (الاحزاب:٦) نازل ہوئی، اس بھائی چارگی کی وجہ سے انصار نے مہاجر بھائیوں کے سامنے اعزاز واکرام، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی، ہمدردی وغمخواری اور مکارمِ اخلاق کا وہ نمونہ پیش کیا کہ آج تک اقوام وملل کی تاریخ ایسا نظام کہیں نہ دیکھ سکی اور نہ آئندہ اس کی امید کی جا سکتی ہے، مہاجرینؓ بھی انصارِ مدینہؓ کی کرم گستری کے اتنے قدردان تھے کہ ضرورت سے زیادہ ایک رتی لینا بھی گوارا نہ کرتے، بس اتنا ہی

فائدہ اٹھاتے جس سے ان کی معیشت بقدر ضرورت بحال ہوجاتی، آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک ایسا جدید اسلامی معاشرتی نظام ترتیب دیا کہ دیرینہ عداوت ونفرت کا بت پارہ پارہ ہوگیا، اوراوس وخزرج جو مدتوں سے برسرِ پیکار رہے باہم شیر وشکر ہوکر ایک جھنڈے تلے جمع ہوگئے،''فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا'' (آل عمران:۱۰۳) آقا ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارگی کی طرح ہی اپنے تمام متبعین کے درمیان ایک پندرہ نکاتی معاہدہ بھی کرایا جس کے ذریعہ دور جاہلیت کی ساری چپقلش، جنگ وجدال اور قبائلی کشمکش کی بینا ڈھادی، جس نے مکی ومدنی اصحابؓ اوران کے تابع وشریک کار ہوکر زندگی گزارنے والے مسلمانوں کے دلوں میں الفت ومحبت کی وہ قندیلیں روشن کیں کہ تمام جاہلی رسم ورواج یکسر کافور ہوگئے، اوائلِ ہجرت میں اذان کی مشروعیت ہوئی، جس سے ہر طرف توحید کے زمزمے گونجے، زکوۃ وصدقات کا نظام قائم ہوا جس کی بدولت مسلمانوں کی ٹوٹی ہوئی معیشت بحال ہوئی، مدینہ اورقرب وجوار میں آباد یہودیوں کوبھی عہد وپیمان کے ذریعہ امن وتعاون اورخارجی حملے کی صورت میں دفاعی جنگ میں شریک ہونے کا پابند بنایا، اطراف مدینہ دور دراز بسنے والے مشرکین کوبھی اِسی طرح یکے بعد دیگرے معاہدوں کے ذریعہ تعاون ودفاع کا پابند کیا، ریاست کے تمام باشندوں کوایک امت قرار دے کر جان ومال کی حفاظت کا یقین دلایا، حقوق اوردائرۂ کار مقرر کئے، اورسب پرواضح کردیا کہ اب اس اسلامی ریاست کے سربراہِ اعلیٰ محمد عربی ﷺ ہیں اورحکومتی تمام اختیارات مسلمانوں کے پاس ہوں گے، آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ اسلامی دستور کے مطابق سب کے حقوق کی رعایت اورجان ومال اورعزت وآبرو کی حفاظت کی جائیگی، مگر ہر قسم کی سربراہی اور بالا دستی صرف اورصرف مسلمانوں کو حاصل ہوگی۔

معاشرے پر مکارمِ اخلاق کا اثر

اسی کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ صحابۂ کرامؓ کی تعلیم وتربیت، تزکیۂ نفس اور انہیں مکارم اخلاق سے آراستہ کرنے کی فکر میں رہتے، باہمی محبت و بھائی چارگی، مجد وشرف اور اطاعت وعبادت کے آداب سکھاتے، کیونکہ ان محاسن وآداب کو اپنائے بغیر کسی نئے صالح اور مستحکم معاشرے کی تشکیل بڑی دشوار رہے ہے، قرآن وحدیث کی اخلاقی ہدایات کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے، جس کی فہرست خاصی طویل ہے، اور ان کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔

خارجی احوال، اندیشے، امکانات اور تدارک

جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کو ایک مضبوط اسلامی ریاست قرار دے کر داخلی خطرات پر بند لگا چکے، ہر طرح کے اندیشے اور امکانات کا جائزہ لیکر تدارک کی شکلیں مرتب کر چکے تو اب خارجی حالات کی طرف متوجہ ہوئے، مکی زندگی میں کفار مکہ نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابۂ کرامؓ پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے، غیظ وغضب کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، سزاؤں کے نت نئے طریقے آزمائے، اور کسی طرح یہ لُٹا پِٹا کارواں جب ہجرت کر کے مدینہ کی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ گیا، تو مشرکین کے غیظ وغضب کی بھٹی تیز سے تیز تر ہوگئی، اور جیسا کہ ہجرت کی بھنک پا کر مشرکینِ مکہ اوس وخزرج کے سربراہوں کو دھمکی دے چکے تھے، اہل مدینہ کے گھروں میں گھس کر اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے تھے، ایسے میں آپ کو حق تو یہ تھا کہ بلا تاخیر ان دشمنانِ اسلام کو گھروں سے کھدیڑ دیں، ان کے اموال ضبط کرلیں، ایک ایک کو تہہ تیغ کر کے ان کی ستم رانیوں کا مزہ چکھائیں، مگر نہیں صرف اتنا کرنے کا ارادہ فرمایا: کہ کفارِ مکہ کے تجارتی قافلوں کو پکڑ کر مکہ والوں کو مدینہ کی معاشی

ناکہ بندی کا جواب دیں، اوران کا مال بے کس مسلمانوں کے معاشی استحکام میں صرف کر دیں، قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ روکنے کے ارادے سے نکلے اور اتفاقاً بدر کا فیصلہ کن معرکہ پیش آ گیا، جن میں پچیس صنادید قریش سمیت دشمن کے ستر سپاہی مارے گئے، اور اتنے ہی بہادر نوجوان اور جیالے قید کئے گئے، پھر تو مسلمانوں کے حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ ہر سال کوئی نہ کوئی معرکہ سر کرتے، یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ بھی فتح کرلیا، جس کی بدولت لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا عرب اسلام کے زیر نگیں ہوگیا، اس قوت وسطوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، آپ ﷺ نے شاہان عجم کو دعوتی خطوط روانہ کئے، بڑی بڑی طاغوتی قوّتوں کو للکارا، ہر چہار جانب سے تعلیم دین کی خاطر مدینہ میں وفود کی آمد شروع ہوگئی، ۱۰ھ میں فریضۂ حج ادا فرمایا، اسی دوران ''اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ '' (المائدہ:۳) کا مژدہ ملا، تکمیل دین کے بعد آپ ﷺ کا کام پورا ہوگیا، تو پیام اجل نے آ کر دستک دی، آپ ﷺ نے ''اللّٰھم بالرّفیق االاعلیٰ'' کی دعا کے ساتھ لبیک کہا، اور ۱۳؍دن کی بیماری کے بعد اپنی ضیا پاش کرنوں سے پورے عالم کو منور کرنے والا آفتابِ ہدایت بالآخر افق مدینہ پر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

وصلی اللّٰہ علی النبی الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

مقالہ نگار :محمد الیاس مانگرالی مقالہ نمبر: ۶
متعلم :جامعہ کاشف العلوم، سیڈ وکر

ایک مسلمان اور مؤمن کے لئے اپنے آپ کو پہچاننا ضروری نہیں جتنا کہ محمد الرسول اللہ ﷺ کا پہچاننا ضروری ہے، اگر وجودِ پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی مؤمن کا وجود ایمان باقی نہیں رہ سکتا، نیز نبی کریم ﷺ کی مدنی زندگی کے مختصر حالات ہجرت کے بعد رسول اللہ نے مدینہ میں ۱ھ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں نزول فرمایا تھا، نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کروائی اور آپ ﷺ نے اپنی ازواج محترمہ کے چند مکانات بھی تعمیر کرائے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات بھی کرائی۔

سرایہ وغزوات کے مختصر احوال: ۱ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کو اس سریہ کا امیر بنایا اور تیس مہاجرین کو لے کر روانہ فرمایا، جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا جنگ نہ ہونے دی۔

غزوۂ بدر: ۲ھ میں پیش آیا، قریش کا قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو نبی ﷺ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لئے چلا آرہا ہے اس کے لئے نکل بڑو، ہوسکتا ہے اللہ تعالی اسے بطور غنیمت تمہارے حوالے کر دے، جب نبی ﷺ بدر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان تو اپنے قافلۂ تجارت کو لے کر نکل گیا ہے اور قریش کا بڑا لشکر اسی میدان کے دوسرے

کنارے پر پڑا ہے، اور قافلہ کے نکل جانے کے بعد بھی ابوجہل نے لوگوں کو یہی مشورہ دیا کہ جنگ کو ملتوی نہ کیا جائے ، اس وقت جب دونوں لشکر ملے تو دیکھا گیا کہ بہت سے اپنے ہی لختِ جگر تلوار کی زد میں ہے، آں حضرت ﷺ نے بحکم خداوندی مٹھی بھر کنکریاں دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی ، اس غزوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور باقی کے پاؤں اکھڑ گئے، بھاگنا شروع کیا، مسلمانوں نے تعاقب کیا، اس میں بعض کو قتل اور بعض کو قید کرلیا، حضور غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ کو دفن کر کے ہاتھ جھاڑ رہے تھے ، اس سال اسلام کی زندگی میں ایک عظیم الشان تغیر ہوا۔

غزوۂ احد ۳ھ: بدر کے شکست خوردہ مشرکین نے سال بھر کے بعد جب کچھ ہوش سنبھالا تو حرارت انتقام بھڑکنے لگی اور اس مرتبہ نہایت اہتمام سے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور اس غرض کے لئے تین ہزار جوانوں کا لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھا، آپ ﷺ صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد ایک ہزار صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے باہر تشریف لائے ؛ لیکن تین سو منافقین نے آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا، اب مسلمانوں کا لشکر صرف سات سو رہ گیا، الغرض مقابلہ پر پہنچ کے نبی ﷺ نے صف آرائی فرمائی اور لڑائی شروع ہوئی اور دیر تک گھمسان کی لڑائی کے بعد دو فوجیں ہٹیں تو مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا، قریش بدحواس ہو کر منتشر ہو گئے، مسلمانوں کی بہت بڑی غلطی کی وجہ سے لڑائی کا پانسا پلٹ گیا ، اسی غزوہ میں حضور ﷺ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے ، اسی غزوہ میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا گیا، اسی غزوہ میں کفار کے صرف بائیس یا تیئیس آدمی مارے گئے اور مسلمانوں میں سے ستر آدمی شہید ہوئے۔ ۴ھ میں سریہ منذر پیش آیا، آپ ﷺ نے ستر صحابہؓ کا دستہ اہل نجد کی طرف

تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، وہاں پہنچے تو عامر، رعل، ذکوان ان کے مقابلے کے لئے کھڑے ہوگئے، بالآخر جنگ ہوئی اور اتفاقا سب کے سب صحابہؓ شہید ہوگئے، آپ ﷺ کو اس سے رنج پہنچا۔

۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا، کفارِ قریش نے اپنی پوری پوری قوتیں جمع کر کے یکبارگی مدینہ پر حملہ کی تیاری کی، دس ہزار کا لشکر مسلمانوں کو مٹانے کے لئے مدینہ کی طرف بڑھا، نبی کریم ﷺ کو جب معلوم ہوا تو صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے راستوں میں خندق کھودی جائے، خندق سے جب فارغ ہوئے تو ادھر کفار کا لشکر آ پہنچا اور مدینہ کا محاصرہ کرلیا، تقریبا پندرہ روز تک مسلمان مدینہ میں محصور رہے، ادھر محاصرین جب خندق عبور نہ کر سکے تو وہیں سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے، اسی دوران نبی ﷺ کی چار نمازیں قضا ہوئی، ۶ھ شروع ذی القعدہ میں نبی ﷺ نے مکہ معظّمہ کا ارادہ کیا، عمرہ کا احرام باندھا، صحابہؓ کی بھی ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ ہوئی، جب آپ ﷺ حدیبیہ پہنچے، تو آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا تاکہ قریش کو مطلع کردیں، حضرت عثمانؓ مکہ پہنچے تو کفار نے ان کو روک لیا، ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو کفار نے قتل کردیا لیکن یہ خبر غلط تھی بلکہ قریش نے سہیل بن عمرو کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے بھیجا اور دس سال کے لئے باہمی صلح ہوگئی، درحقیقت یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ تھی، ۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا، آں حضرت ﷺ چار سو پیادے اور دو سو سواروں کے ساتھ ان پر جہاد کے لئے تشریف لے گئے، قتل وقتال کے بعد اللہ تعالی نے مسلمانوں کو فتح دی اور یہود فدک کی طرف ایک رسالہ بھیجا، انہوں نے صلح کرلی۔ ۷ھ میں فتح مکہ پیش آیا، نبی اکرم ﷺ دس ہزار صحابہؓ

کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے مکہ مکرمہ پہنچ کر سب سے پہلے کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہوئے تو سب منتظر تھے کہ آج قریش کے حق میں آپ ﷺ کا کیا حکم صادر ہوتا ہے؟ لیکن قریش کو خطاب کر کے فرمایا ''تم ہر طرح سے آزاد و مامون ہو'' فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو اپنے ساز و سامان پر ناز تھا اللہ کو صحابہؓ کی یہ ادا پسند نہیں آئی اور اللہ تعالیٰ نے اولاً ہزیمت کا مزہ چھکایا لیکن فتح مسلمانوں کو ہی ہوئی، اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے صرف چار آدمی اور کفار کے ستر سے زیادہ آدمی مارے گئے، اس کے بعد حضور ﷺ طائف کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں بنی ثقیف و ہوازن کا مرکز تھا، تقریباً اٹھارہ روز تک اس کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ ہوا

۹ھ غزوۂ تبوک پیش آیا، ایک ایسی طاقت کا رخ مدینہ کی طرف ہو چکا تھا جو مسلانوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی یہ طاقت رومیوں کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی جہاد کی تیاری شروع کی، رسول اللہ ﷺ تیس ہزار صحابہؓ کی جمعیت کو لے کر تبوک کی طرف تشریف لے گئے، جب تبوک پہنچے تو اس جگہ کوئی نہیں تھا، الغرض آپ ﷺ پندرہ بیس روز تک تقریباً وہیں مقیم رہے لیکن کوئی مقابلہ کرنے نہیں آیا تو واپسی کا ارادہ فرمایا، یہ آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا، ۱۰ھ بروز دوشنبہ حضور ﷺ حج کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، صحابہؓ کی بھی عظیم الشان جمعیت ساتھ ہوئی جس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد منقول ہے۔

ذوالحلیفہ میں احرام باندھا، ۴ ذی الحجہ کو بروز شنبہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور حسب قواعد شرعیہ حج فرمایا، نویں تاریخ کو عرفات تشریف لے جا کر آپ ﷺ نے ایک مفصل اور بلیغ خطبہ دیا جو نصائح و حِکم سے بھرا ہوا، خدا کے آخری رسول ﷺ کا آخری

پیام تھا، حج سے فارغ ہوکر آنحضرت ﷺ دس روز مکہ مکرمہ میں مقیم رہ کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے، ۱۱ھ مکہ سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک سریۂ جہاد روم کے لئے تیار فرمایا، اس سریہ کے امیر حضرت اسامہؓ مقرر ہوئے اور یہ آخری لشکر تھا جس کی روانگی کا حضور ﷺ نے خود انتظام فرمایا تھا، یہ ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ حضور ﷺ کو بخار ہوگیا، آپ ﷺ نزع کے عالم میں تھے، اس وقت آپ ﷺ نے نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی حضرت عائشہؓ نے کان لگایا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے ''اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، مجھے رفیق اعلی میں پہنچا دے، آخری فقرہ تین بار دہرایا اور آپ ﷺ رفیق اعلی سے جا ملے۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا، اس وقت نبی ﷺ کی عمر تریسٹھ سال چار دن ہوچکی تھی۔

الرحیق المختوم، سیرت خاتم الانبیاء، سیرۃ المصطفے

مقالہ :محمد سرفراز اَرریا　　　　مقالہ نمبر: ۷
متعلم :مدنی دارالتربیت، کرمالی

حضور ﷺ کی بعثت سے قبل عرب شراب اور جوئے کے رسیا تھے، قافلے کو لوٹنا، بے گناہوں کو تہ تیغ کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر تیزی سے گامزن تھی، امانت و دیانت اور صلاح و تقوی کا جنازہ نکل چکا تھا، شرافت و عزت کی کلیاں مرجھا چکی تھیں، عورت کی ان کے یہاں کوئی عزت باقی نہ تھی، لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، انسان اپنے خالق و مالک کو بھول چکا تھا، جزیرۃ العرب کی تاریخ کا تاریک دور تھا، یہ صورت حال اللہ رب العزت کے اس ارشاد کی ہو بہو تصویر تھی کہ

”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِی النَّاسِ، لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِی عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“

ایسے پر فتن اور پر آشوب دور میں حضور ﷺ کو منصب نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے، کبھی خفیہ تبلیغ اسلام کا حکم ہوتا ہے اور کبھی ”وأنذر عشيرتك الأقربين“ کا پیغام ملتا ہے، حضور ﷺ کھلم کھلا تبلیغ کا اعلان کرتے ہیں تو لوگ ان کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ کو اور آپ کی سرگردگی میں ایمان لانے والوں کو سخت سے سخت ایذائے پہنچائی گئی، کسی کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھا جاتا ہے، تو کسی کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے، کسی کو آگ پر لٹا کر تڑپایا جاتا ہے، مگر جب مکہ کے حدود میں اس کام کے لئے حالات سازگار نہ رہے تو آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ملا اور مکہ سے منتقل ہو جانے کا پیغام آیا۔

چنانچہ یہ جائے ہجرت مدینہ منورہ کی صورت میں حاصل ہوگئی، جہاں عمل کو مضبوط اور وسیع الاطراف کرنے کا موقع ملا، مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری تک وہاں کی آبادی کی بڑی تعداد آپ ﷺ کی ماننے والی بن چکی تھی، اور وہاں کے باشندوں کی طرف سے وعدہ بھی ہو چکا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے، اور آپ کی رہنمائی میں اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنائیں گے، اس طرح آپ ﷺ کی دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا، جس کا شرف یثرب نامی شہر کو ملا، اس لفظ میں ایک مذموم پہلو تھا، آپ ﷺ نے اس لفظ کے بجائے دوسرے الفاظ سے اس کی تعبیر پسند فرمائی، اور اس وقت سے وہ طیبہ، طابہ اور آپ ﷺ کی نسبت سے مدینۃ النبی کے نام سے موسوم ہونے لگا، جہاں کے لوگوں نے اس پیش کش پر لبیک کہا اور اس کی نصرت کے لئے جان و دل سے تیار ہو گئے، اور اس طرح یثرب کا شہر ''المدینۃ المنورۃ'' (یعنی وہ شہر جو نور سے منور ہوا) بن گیا، اور اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کا مستقر اور مقام بن گیا، جس میں آپ کو مضبوط حمایتیوں کے درمیان رہتے ہوئے اسلام کی دعوت پھیلانے کا موقع ملا، اور دعوت اسلام کا یہ مرحلہ حضور ﷺ کو نبوت ملنے اور اس کے تحت دعوت حق دینے میں سخت سے سخت دشواریوں اور زحمتوں میں بارہ سال کی مدت گزارنے کے بعد شروع ہوا۔

اس مستقر کے ذریعہ آپ ﷺ کو اور آپ کے رفقاء کرام کو دعوت حق کے آغاز والے مقام شہر مکہ کے افراد کی دشمنی اور ایذا رسانی سے بچاؤ کا موقع بھی ملا، اور مسلمانوں کو یہاں برادرانہ تعاون کا ماحول بھی حاصل ہو جانے سے دین حق کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری کی انجام دہی کا زیادہ منظّم اور زیادہ توجہ سے انجام دینے کا بھرپور موقع ملا، البتہ اس مرحلہ میں انفرادی دشمن اور ایذا رسانی کی جگہ پر اجتماعی دشمن سے سابقہ ہوا۔

مدینہ منورہ کا یہ شہر انصار کے مسلمان ہونے اور آپ ﷺ کی یہاں آمد سے قبل دوسرے عرب قبائل کی طرح آپس میں احساس عزت کی بناء پر خانہ جنگی سے گزر رہا تھا، اور یہاں کے علاقائی اور مقامی حالات اپنی مخصوص پیچیدگیاں بھی رکھتے تھے، یہاں عرب کے دو قبیلے اوس وخزرج تھے جو اصلا ایک ایک ہی نسل سے تھے، آپس میں قبائلی عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، اس کے پڑوس میں یہود بھی تھے جو عرب نہ ہونے کی وجہ سے باہری سمجھے جاتے تھے، ان کی آبادی بھی کم تھی، بنونضیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ کے نام سے مشہور تھے، یہ مدینہ کے متمول لوگ تھے؛ عموماً زمیندار بن گئے تھے، یہ عربوں کو اپنے باغات اور کھیتوں میں نوکری پر رکھتے تھے، اور غریبوں کو سودی قرضے دیتے تھے، اور ان کی آپس کی لڑائی میں ایک فریق کو دوسرے فریق کے مقابلہ میں تقویت پہونچاتے تھے، اس سے عرب قبائل کے آپسی ٹکڑاؤ میں شدت اور بڑھ جاتی تھی۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سپرد خامہ کرتے ہیں: ''وہاں کی زندگی پیچیدگی میں مکہ سے بڑھی ہوئی تھی، اس طرح رسول اللہ ﷺ کو پیش آنے والے مسائل مختلف نوعیت کے تھے، وہاں کئی مذاہب اور معاشرے وثقافتیں تھیں جن پر قابو پانے اور مدنہ کو ایک عقیدہ اور ایک دین کے رنگ میں رنگنے کا کام مؤید من اللہ رسول ہی کرسکتا تھا، جسے اللہ نے حکمت اور بصیرت اور قوت فیصلہ اور انسانیت کے شیرازے کو جمع کرنے اور متحارب قوموں اور نظریوں کو ہدایت اور تعمیر انسانیت کے کام میں ایک دوسرے کا مددگار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا، اور جسے ایک دلکش شخصیت عطا کی تھی، اللہ رب العزت سے اپنے کلام میں اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے: کہ

''هُوَ الَّذِیَ أَیَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِینَ وَأَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا

فِیُ الْأَرُضِ جَمِیُعاً مَّا أَلَّفُتَ بَیُنَ قُلُوبِهِمُ وَلَکِنَّ اللّهَ أَلَّفَ بَیُنَهُمُ، إِنَّهُ عَزِیُزٌ حَکِیُم" (سورۃ الانفال:۶۲،۶۳)(نبیٔ رحمت جدید ایڈیشن:۲۵۶،۲۵۷)

عالمی مواخات: اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماع اور میل محبت کے ایک مرکز کو وجود بخشا، اسی طرح آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کا ایک نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا، جسے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے، ابن قیم سپرد قرطاس کرتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ بن مالک کے مکان مین مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا، کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار، پھر یہ ایسے بھائی بنے جو خون کے رشتے سے بڑھ کر ہوئے، ہر ایک نے اپنے بھائی کو اپنے گھر یا زمین میں جگہ دی، اپنے مال و دولت میں سے حصہ دیا، اپنے کھیت بانٹ دیئے، اپنے کاروبار میں شریک کیا. جامع السیرۃ

اس بھائی چارہ کا مقصد جیسا کہ محمد غزالی قلم بند کرتے ہیں یہ تھا کہ: جاہلی عصبیتیں تحلیل ہو جائیں، حمیت و غیرت جو کچھ ہو، وہ اسلام کے لئے ہو، نسل و رنگ و وطن کے امتیازات مٹ جائیں، بلندی و پستی کا معیار انسانیت و تقوی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بھائی چارہ کو محض کھوکھلے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا تھا؛ بلکہ اسے ایک بافذ العمل عہد و پیمان قرار دیا تھا جو خون اور مال سے مربوط تھا، یہ خالی خولی سلامی اور مبارک باد نہ تھی کہ زبان ہر روانی کے ساتھ جاری رہے مگر نتیجہ کچھ نہ ہو؛ بلکہ اس بھائی چارے کے ساتھ ایثار و غمگساری اور موانست کے جذبات بھی محفوظ تھے اور اسی لئے اس نے اس نئے معاشرے کو بڑے نادر اور تابناک کارناموں سے پر کر دیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''یہ مواخات اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی و عالمی اخوت کی اساس، ایک صاحب دعوت امت کے قیام کا مقدمہ تھی، جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لئے برپا ہو رہی تھی، اور جو صحیح و صاف عقائد اور دنیا کو بدبختی اور بدنظمی سے نجات دینے والے نیک مقصد اور ایمان و معنوی اخوت و متحدہ سرگرمی کے لئے قائم ہو رہی تھی، اس طرح مہاجرین و انصار کے درمیان محدود اخوت دنیائے انسانیت کی نئی نسل کا پیش خیمہ ثابت ہوئی،

(نبی رحمت :٢٦٦)

چنانچہ اسلام کے اس شہر میں ان کو اور اسلام کی ہر بات قبول کر کے ان کو بھائی بھائی بننے کی تلقین کی گئی اور قبائلی عصبیت چھوڑ کر انسانی ہمدردی اور انصاف کی تلقین کی گئی ان میں باوجود قبائلی عصبیت کے اخوت پیدا ہوئی اور انہوں نے آپس میں ہی نہیں بلکہ مکہ کے لوگوں کو بھی اپنا بھائی بنا لیا، آپ کے وہاں تشریف لانے سے محبت اور بھائی چارگی، ہمدردی، وغمخواری کی شاندار فضاء قائم ہوگی۔

یہود سے معاہدہ: نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے، سیاست اور نظام کی وحدت کے ذریعہ ایک نئے اسلامی معاشرے کی بنیادیں استوار کرلیں، تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کی جانب توجہ مبذول فرمائی، آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ور ہو، اور اس کے ساتھ ہی مدینہ اور اس کے گرد و پیش کا علاقہ ایک مرفاقی وحدت میں منظّم ہو جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے رواداری اور کشادہ دلی کے ایسے قواعد مرتب فرمائے جن کا تعصب اور غلو پسندی سے بھری ہوئی دنیا میں کوئی تصور ہی نہ تھا، (الرحیق المختوم:٢٩٨)

مدینے کے سب سے قریبی پڑوسی یہود تھے، یہ لوگ اگرچہ درپردہ مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے لیکن انہوں نے اب تک کوئی محاذ آرائی اور جھگڑے کا اظہار نہیں کیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جس میں انہیں دین و مذہب اور جان و مال کی کھلی آزادی دی گئی تھی، اس معاہدے کے اہم دفعات پیش خدمت ہے، (۱) دیت وقصاص کا پرانا قانون بحال رہے گا، (۲) ہم سب مل کر مدینہ کی حفاظت کریں گے، (۳) کوئی آدمی قریش کے کسی آدمی کو پناہ نہ دے گا، نہ ہی اس کے مال واسباب کی حفاظت کرے گا، (۴) جنگ کے مصارف سب مل کر ادا کریں گے، (۵) سب اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے، (۶) اگر کسی بات میں اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ خود حضور اکرم ﷺ کریں گے، (۷) اس معاہدہ کے تمام شرکاء ایک دوسرے کے خیر خواہ اور مخالف کے مقابلہ میں متحد رہیں گے (۸) مسلمان اپنے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے، اور یہود اپنے اخراجات کے (۹) بنوعوف کے یہود و مسلمان کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے، اور بنوعوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

فتح مکہ: جب دین حق اور مسلمان کا تربیتی نظام اچھی طرح مستحکم ہو گیا اور مسلمانوں کی مسلسل ایذا رسانی کا جام لبریز ہو گیا، تو مشیئت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ اب اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اور مسلمان فاتح مکہ بن کر داخل ہوں، کعبہ کو بتوں کی آلائش جھوٹ اور فحش کلامی سے پاک وصاف کریں، مکہ کو اس کی پرانی حیثیت اور مرتبہ پر واپس لائیں، بیت اللہ کو پوری انسانیت کے لئے سرچشمۂ ہدایت و برکت بنائیں، اور اس کے فیضان رحمت کو پوری دنیا کے لئے عام کریں،

حدیبیہ میں جو صلح نامہ لکھا گیا تھا مسلمان اس پر پوری پابندی کے ساتھ عامل تھے

کہ ۸ ھ بروز چہار شنبہ عصر کے بعد دس ہزار صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے، مکہ معظّمہ پہنچ کر آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو لشکر کا ایک حصہ دے کر روانہ کیا کہ عوالی کی جانب سے داخل ہوں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تم سے مقابلہ نہ کرے تم بھی اس سے قتال نہ کرنا، اب سرور عالم ﷺ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں، اس شہر مکہ میں جس کے باشندوں نے پورے آپس اکیس سال تک سرور عالم اور مسلمانوں کو ایذائیں دیں، ان کو ملک و وطن سے نکالا، ان کی جائدادوں پر قبضہ کیا، پھر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی، اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی کوشش کرتے رہے، کوئی دنیا کا بادشاہ یا سپہ سالار ہوتا تو ننگی تلوار کے ساتھ اکڑتا ہوا داخل ہوتا، آنکھیں غصے سے سرخ ہوتی، اپنے جاں نثاروں کو قتل عام کا حکم دے دنیا اور تمام فوجی بپھرے ہوئے شیروں کی طرح اپنے شکار اور عمر بھر کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین مکہ خون سے لالہ زار بن جاتی، خواتین کی عزتیں خاک میں مل جاتیں، بچے بلبلاتے اور قیامت کا کہرام مچا ہوتا۔

مگر یہ خدا کے پیغمبر ﷺ کی سواری ہے، اس شان سے مکہ مین داخل ہوتے ہیں کہ سر مبارک عبدیت و تواضع کے غلبہ سے بالکل جھک گیا تھا،

شان رحمت: سرور دو عالم، رحمۃ للعالمین ﷺ تھے، آج دریائے رحمت جوش میں تھا، چنانچہ جب جوش اور اسلامی غیرت کے تحت انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ نے فرمایا ''الیوم یوم الملحمۃ، الیوم تستحل الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا'' حضرت ﷺ نے فوراً فرمایا ''الیوم یوم المرحمۃ، الیوم یعز اللہ قریشا و تعظم اللہ الکعبۃ''

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی پرچم ان سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس بن سعد کے حوالے کیا۔

معافی کی صدائے عام: رسول اللہ ﷺ نے معافی اور امن وحفاظت کا دائرہ اس روز وسیع فرمایا دیا کہ اہل مکہ میں سے صرف وہی شخص ہلاک ہوگا جو خود معافی اور سلامتی کا خواہش مند نہ ہو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ مامون ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے وہ محفوظ ہے اور جو مسجد حرام میں ہوگا، اس کو امن ہے۔ ۲ رمضان یوم جمعہ کو نبی کریم ﷺ نے طواف کیا، کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب آپ ﷺ کسی بت کے پاس سے گزرتے تھے، اور کمان سے اشارہ فرماتے وہ بت منہ کے بل گر پڑتا، آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی "جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا"۔ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو اس غزوہ میں بھی فتح عطا کی اور مسلمانوں کو اس غزوہ میں بہت مال غنیمت ملا۔

غزوۂ تبوک: ۹ھ میں پیش آیا، سخت گرمی کے موسم میں جب کھجور پک چکے ہوتے تھے، اور سایہ خوش گوار معلوم ہونے لگا تھا؛ چوں کہ بے آب وگیاہ میدانوں کو عبور کرنا اور سخت دشمن کا مقابلہ درپیش تھا، اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی آگاہ فرمایا اور عام چندے کا حکم دیا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ لاکر رکھ دیا اور حضرت عمرؓ نے آدھا ساز وسامان لاکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عثمان غنیؓ نو سو اونٹ ایک سو گھوڑے جو ساز وسامان سے لدے ہوئے اور ایک ہزار دینار لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے چالیس ہزار درہم حاضر خدمت کئے۔

جمعرات کے روز ماہ رجب میں تین ہزار صحابہؓ کی جمعیت لے کر حضور ﷺ تبوک کی طرف تشریف لے چلے، جب اس مقام پر پہونچے تو اس جگہ کوئی نہ تھا ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا۔

حضرت خالدؓ کو اکیدر نصرانی کی طرف بھیجا اور پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ تم رات کے وقت اس سے ملوگے، وہ شکار کر رہا ہوگا، حضرت خالدؓ پہونچے تو ٹھیک ہی واقعہ پیش آیا اور اس کو گرفتار کر لائے،

الغرض آپ پندرہ بیس روز تقریبا وہیں مقیم رہے، لیکن کوئی مقابلہ نہ ہوا، آپ ﷺ نے واپسی کا ارادہ فرمایا اور مدینہ شریف لے آئے اور یہ آں حضرت ﷺ کا آخری غزورہ تھا،

واپسی میں آپ ﷺ نے اس جگہ کو آگ لگانے کا حکم فرمایا جو منافقین نے مسلمانوں کے خلاف مشورہ کرنے کے لئے مسجد کے نام سے بنائی تھی۔

وفود کی آمد: صلح حدبیہ کے بعد راستے مامون ہوئے تو اشاعت اسلام ایک حد تک وسیع پیمانے پر ہوسکی اور اسی صلح کا نام آسمانی دفتر میں فتح رکھا گیا تھا، لیکن پھر بھی کچھ لوگ قریش کے دباؤ کی وجہ سے اسلام میں داخل نہ ہوسکے تھے، فتح مکہ نے اس قصہ کو بھی طے کر دیا اور اب قرآن عظیم نے تمام عرب میں گھر گھر پہونچ کر اپنے اعجاز و تصرف سے سب کے قلوب پر سکہ بٹھا دیا، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہی لوگ جو اسلام اور مسلمانوں اور کی صورت نہ دیکھنا چاہتے تھے، آج جوق در جوق دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے حضور ﷺ کی خدمت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور یہ وفود اکثر ۹ھ میں حاضر خدمت ہوئے، وفد بنوثقیف، وفد بنی فزارہ، وفد بنی تمیم، وفد سعد بن بکر، وفد کندہ، وفد بنی ابوقیس، وفد بن حلیفہ، وفد بنی قحطان، وفد نجران اور وفد بنی الحارث وغیرہ حاضر خدمت ہوئے اور مشرف بالسلام ہوئے، اپنے اپنے علاقوں اور مرکزوں میں نئی روح سے سرشار ہو کر ایمان کا بیانشر، دعوت اسلام کا نیا جذبہ، شرک و بت پرستی اور ان کے نشانات و علامات اور جاہلیت اور اس کے اثرات سے شدید نفرت لے کر واپس ہوئے۔

واقعات متفرقہ :اس ۹ ھ میں غزوۂ تبوک کے بعد ذی قعدہ میں آں حضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ معظّمہ روانہ فرمایا، اسی سال آپ ﷺ نے مختلف مبلغوں کو قرب وجوار شہروں اور دیہاتوں میں دعوت وتبلیغ کے لئے روانہ فرمایا، حضرت علیؓ کو یمن کی طرف روانہ کیا، حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کو روانہ فرمایا۔

حجۃ الوداع : پچیس ذی قعدہ بروز دوشنبہ حضور اکرم ﷺ حج کے ارادے سے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے، صحابہؓ کی ایک جمعیت ساتھ تھی، جس کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زائد تھی، مدینہ منورہ سے چھ میل پر بمقام ذوالحلیفہ میں احرام باندھا۔ چار ذی قعدہ بروز دوشنبہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اور حج بیت اللہ ادا فرمایا۔

خطبۂ عرفہ: نویں تاریخ کو عرفہ میں ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا، جو نصائح وحکم سے پر تھا۔

خدا کے آخری رسول کا آخری پیغام تھا، جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

اے لوگو! میرا کلام سنو تاکہ میں تمہارے لئے تمام ضروری امور کو بیان کردوں، نہ معلوم کہ آئندہ سال آپ سے مل سکوں یا نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ مسلمانوں کی جان ومال وآبرو تم پر قیامت تک اس طرح حرام ہیں جیسے کہ اس دن (عرفہ) اور اس مہینہ (ذوالحجۃ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ اس کو ادا کردے اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! تمہاری عورتوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں اور ان پر تمہارے حقوق ہیں۔ اے لوگو! مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں، میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، اس لئے کہ میں نے تمہارے لئے خدا کی کتاب چھوڑی ہے، اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ

ہوگے۔ پھر فرمایا: کہ اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہیں اور تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت نہیں ہوسکتی یادرکھو! کہ میں تبلیغ کر چکا اور اللہ تو گواہ ہے کہ میں تبلیغ کر چکا۔ اور سب سے اخیر میں فرمایا: الافیبلیغ الشاھدُ الغائب فإنّہٗ رُبّ مبلغٍ أوعی من سامع (یعنی جو حاضر ہیں وہ غیر حاضروں کو پہنچادیں، کیوں کہ بہت سے غیر حاضر سننے والوں سے زیادہ خوش بخت ہوتے ہیں۔

سریۂ اسامہ ۱۱ھ: حج الوداع سے واپس کے بعد ۲۶ صفر المظفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ آنحضرت ﷺ نے ایک سریہ جہاد روم کے لئے روانہ فرمایا، جس میں اکابر صحابہؓ جیسے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عبیدہ بن الجراح بھی شامل تھے؛ اس سریہ کے امیر حضرت اسامہ بن زید مقرر ہوئے اور یہ آخری لشکر تھا کہ جس کی روانگی کا حضور اکرم ﷺ نے خود انتظام فرمایا تھا، یہ لشکر ابھی روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو بخار شروع ہوا اور یہ لشکر ٹھہرا رہا، پھر جب ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے لشکر کو روانہ فرمایا۔

مرض الوفات: ۲۸/صفر ۱۱ھ چہارشنبہ کی رات میں بقیع تشریف لے جا کر اہل قبور کے لے دعائے مغفرت کی وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور بخار ہو گیا اور یہ بخار تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی میں وفات ہوئی۔

آخرالانبیاء کا آخری خطبہ: اس مرض کے درمیان ایک روز جب کہ افاقہ ہوا تو مسجد تشریف لائے اور ایک عظیم الشان خطبہ دیا: اے لوگوں ! مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈر رہے ہو، کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی ہمیشہ رہا ہے؟ جو میں رہتا۔ ہاں میں اپنے پروردگار سے ملنے والا ہوں اور تم مجھ سے ملنے والے ہو، ہاں تمہارے

ملنے کی جگہ حوض کوثر ہے۔ پس جو شخص یہ پسند کرے کہ بروز قیامت اس حوض سے سیراب ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو لایعنی اور بے ضرورت باتوں سے روکے۔ میں تمھیں مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، اور مہاجرین کو باہمی حسن سلوک واتحاد کی وصیت کرتا ہوں۔اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو ان کے حکام اور بادشاہ ان کے ساتھ انصاف کرتے ہیں، اور وہ جب اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ ان کے ساتھ بے رحمی کرتے ہیں، اس کے پانچ یوم بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور منگل کو نماز جنازہ ادا کی گئی ور پھر اسی حجرۂ عائشہ میں دفن کر دیا گیا جہاوصال ہوا تھا۔

مقالہ نگار: رضوان صادق کھولوڑی
متعلم: جامعہ حقانیہ، کٹھور
مقالہ نمبر: ۸

ألحمدلاهله والصلوة علی اهلها، أمابعد!

صدرِ محترم، اساتذۂ کرام، مہمانانِ عظام اور گلشن علمی کے نو دمیدہ غنچو!

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک جتنے نبی آئے وہ سب ایک زمانہ، ایک دور اور ایک علاقہ کے لئے آئے۔ البتہ نبوت کے اس ربّانی تسلسل میں اگر کوئی نبی اپنے زمانہ سے قیامت کے قائم ہونے تک اور دنیا کے ہر گوشے اور ہر خطے کے لئے آیا ہو اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کا مستحکم نظم کیا گیا ہو تو وہ وہی ہے جسے لوگ محمد کہتے ہیں۔ ''درود ہوں ان پر، سلام ہوں ان پر''۔

یہ ایک ایسی شخصیت ہے جس پر مسلسل پندرھویں صدی تک لکھا گیا اور بولا گیا، جس کی ولادت سے وفات تک کا ہر واقعہ تاریخ کی امانت بن گیا، جس کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو کسی آنکھ سے پوشیدہ یا صیغۂ راز میں ہو۔ بلکہ عبادت جان کر تکمیلِ ایمان، وفاداری، اور جاں نثاری کی آرزو کے ساتھ جس کو پیار کیا گیا ہو ایسی شخصیت کی مدنی زندگی کا احاطہ ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ ''سفینہ چاہئے بحر بیکراں کیے لئے''۔ لیکن پھر بھی ہجرت سے وفات تک کی ایک جھلک دکھلانے کی کوشش کی ہے۔ ''ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے''۔

نبی ﷺ کی ہجرت: نبوت کے تیرھویں سال میں آنحضرت ﷺ نے وحیِ الٰہی کے مطابق مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ سرزمین مدینہ اسلام کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ تمام لوگوں کے دل و نگاہ آپ کے لئے چشم براہ بلکہ فرشِ راہ ہیں۔ ایک ایک قبیلہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتا ہے اور پورے خلوص اور سادگی کے ساتھ رکاب تھام کر عرض کرتا ہے حضور ﷺ! آپ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائیں، سب کچھ آپ ﷺ پر نثار ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں یہ اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے اس کو راستہ دیدو، پھر وہ اس جگہ ٹھہرتی ہے جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے اور مشیت الٰہی کے تحت یہ شرف ابوایوب انصاریؓ کی قسمت میں لکھا جاتا ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اپنے محبوب مہمان کو بصد احترام گھر لاتے ہیں۔ اس عزت پر ابوایوب انصاریؓ کی مسرت کو پڑھا جا سکتا ہے جو تقدیر نے ان کے دروازہ تک پہنچا دی تھی اور دیکھا جا سکتا ہے کہ کس مسرت اور گرم جوشی کے ساتھ آپ ﷺ کی ضیافت کر رہے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک انسان سے کسی انسان کی محبت و وفاداری کا یہ منظر آسمان نے نہیں دیکھا ہوگا۔

مہاجرین اور انصار میں بھائی چارگی

آپ ﷺ نے لوگوں کو اخوت، بھائی چارگی اور غم گساری کی تعلیم دی، جس کی وجہ سے دوست اور دشمن شیر وشکر ہو گئے برسوں کی دشمنیاں لمحوں میں ختم ہوگئیں، صدیوں کی عداوت پل بھر میں صداقت میں تبدیل ہوگئی۔ آپ ﷺ ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب قریشِ مکہ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو انصار مدینہ نے جو مواخات کا حق ادا کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنی مشکل ہی نہیں عنقاء ہے۔ یہ

مواخات اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی اور عالمی اخوت کی اساس، ایک صاحبِ دعوت امت کے قیام کا مقدمہ تھی، جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لئے برپا ہو رہی تھی اور جو دنیا کو بدبختی اور بدنظمی سے نجات دینے والے نیک مقاصد اور ایمان ومعنوی اخوت کے تعلقات کے لئے قائم ہو رہی تھی۔ اس طرح یہ اخوت دنیائے انسانیت کی نئی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اسی لئے اللہ نے ایک چھوٹے سے شہر کی ایک چھوٹی سی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اَلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْر'' جب آپ ﷺ نے ان کے سامنے توحید خداوندی کو پیش کیا تو انہوں نے بڑے شوق سے اسے قبول کیا اور دل و جان سے آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کی گلیوں میں اسلام کی گونج سنائی دینے لگی۔

انقلابی سرگرمیوں کا آغاز

مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے تعمیری و انقلابی سرگرمیوں کا آغاز کیا، آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ کیونکہ اب ایسی جگہ کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی تھی جہاں اللہ کے مؤمن بندے عبادتِ الٰہی میں مشغول رہیں اور اسی طرح ایسے مرکز کی بھی ضرورت تھی جہاں نئے اسلام لانے والوں کو دین سکھایا جا سکے اور جہاں بیٹھ کر صحابۂ کرامؓ اسلام کی اشاعت وتحفظ کے لئے مل جل کر منصوبہ بنائیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر مذکورہ مقاصد کے لئے اہم ثابت ہوئی، ابتداءً مسجد نبوی انتہائی سادہ اور مختصر تھی، اس کی عمارت پتھر کے ٹکڑوں اور کچی اینٹوں سے چنی گئی تھی اور مسجد کے ایک گوشہ میں چبوترہ بنایا گیا، اس پر تعلیم وتربیت کا کام ہوا کرتا تھا، اس چبوترہ کا نام صفہ پڑا، اسی لئے اس کے طلبہ کو اصحاب صفہ کہا جاتا

ہے،اس مسجد کی تعمیر کے بعد تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ عبادتِ خداوندی، سیاسی،عسکری اوراخلاقی وفکری سرگرمیوں کوانجام دینے میں آسانی ہوگئی۔

غزوات وسرایا: یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہے کہ جہاد ہجرت کے بعدفرض ہوا،اسی لئے غزوات وسرایا کی ابتداہجرت کے بعد ہوئی۔اوردس سال میں کم وبیش ۲۷ ،۲۹ یا ۲۵ غزوات میں حضور ﷺ شریک ہوئے۔سات غزوات میں حضور ﷺ نے خودبھی مقاتلہ کیا۔بدر،احد،خندق،خیبر،قریظہ،بنی المصطلق،فتح مکہ اورحنین وطائف۔بعض کہتے ہیں کہ بنی النضیر،غابہ اور وادی القری میں بھی آپ ﷺ نے مقاتلہ کیا۔سرایا آپ ﷺ نے ساٹھ کے قریب بھیجے۔بڑے بڑے غزوات سات ہے۔(۱) بدر(۲) احد(۳) خندق(۴) خیبر(۵) فتح مکہ(۶) حنین(۷) تبوک۔ان سب کا مجملا یا مفصلا ذکرقرآن کریم میں موجود ہے۔

غزوۂ بدرآپ ﷺ کی مدنی زندگی ہی میں پیش آیا،جوتحریکِ اسلامی کی بقاء واستحکام کے لئے انتہائی اہم تھا۔کفارمسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کونیست و نابودکرنے کے لئے جمع ہوگئے تھے۔تاریخی اعدادکے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی،جبکہ کفار۱۰۰۰ سے زائد تھے۔اس پرمزید یہ کہ مسلمان بےسروسامانی کے عالم میں تھے۔نہ مکمل طورسےسواریوں کابندوبست تھااورنہ ہی پورےطور سےلڑنے کے لئے تلواریں،ڈھالیں اورنیزے تھے۔جبکہ دوسری طرف کفارِ مکہ کے پاس جنگی سامان اورگھوڑسوارتھے۔رسدوکمک کا بھی انتظام تھا۔مزید یہ کہ تعدادکے لحاظ سے بھی وہ کئی گنا زیادہ تھے؛لیکن باوجوداس کے اللہ نے مسلمانوں کوکامیابی سےسرفرازکیااوروقت کے فرعون کوکھلی شکست سے دوچار کیا۔یہ جنگ اسلام کے لئے کتنی اہم تھی اس کااندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا

ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری سے دعا کرتے ہوئے فرمایا ’’اے اللہ ! آج اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو نیست و نابود کر دیا تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا‘‘

غزوات کا سلسلہ غزوۂ بدر کے بعد ہی ختم نہیں ہوگیا بلکہ یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہا، ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔ یہ اخلاص و وفا، قربانی وایثار، ایمان و یقین اور حوصلہ مندی کی ایک ایسی کہانی ہے جس سے زیادہ عظیم و جلیل اور حسین وجمیل کہانی تاریخ میں کسی اور جگہ نظر نہ آئیگی۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے، غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ سامنے آیا، صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا۔

صلح ہونے کے بعد حالات قدرتی طور پر پُرسکون ہو گئے، دعوت اسلامی کو سانس لینے کا موقعہ ملا اور ترقی اور پیش قدمی کی نئی راہیں کشادہ ہوئیں، اس موقع پر رسول ﷺ نے سلاطین عالم اور امراءِ عرب کو متعدد خطوط لکھے اور ان کو بڑے حکیمانہ انداز میں اسلام کی دعوت دی، اس کے لئے آپ ﷺ نے بڑا اہتمام فرمایا اور ہر بادشاہ کے لئے ایسے ایلچی کا انتخاب کیا جو اس کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق گفتگو کر سکے، نیز وہاں کی زبان اور ملک کے حالات سے واقف ہو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ لوگ کسی ایسے خط کو تسلیم نہیں کرتے جس پر مہر نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے ایک خاص مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور درمیان میں اللہ محمد رسول نقش تھا۔ وہ تحریریں بتاتی ہیں کہ یہ دین عربوں کا نہیں بلکہ نوعِ انسانی کا دین تھا چنانچہ وہ عرب سے باہر کی متمدن حکومتوں کے لئے چیلنج ثابت ہوئیں اور اس صورت میں انہیں اپنا زوال نظر آنے لگا کہ وہ خود اس دعوت کو قبول نہ کریں یا کم از کم اپنی رعایا کو اس دعوت

کے سمجھنے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقعہ نہ دیں۔ ان سلاطین میں جن کے نام یہ خطوط روانہ کئے گئے رومی شہنشاہِ ہرقل، ایرانی شہنشاہِ کسری، حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور مصر کا بادشاہ مقوقس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

اس کے بعد ۷ھ میں غزوۂ خیبر ہوا، جس میں یہودیوں کو شکستِ فاش ہوئی نیز اس دوران آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے شرائط کو اچھی طرح نبایا؛ لیکن قریشِ مکہ نے شرائط کی خلاف ورزی کی تو آپ ﷺ فتح مکہ کے لئے نکلے اور ۸ھ میں مسلمان فاتح ہونے کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ خانۂ کعبہ میں سیکڑوں کی تعداد میں بت رکھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان سے خانۂ کعبہ کو پاک کیا۔ اس کے بعد شب و روز کی محنت سے اسلام تیزی کے ساتھ دور دراز علاقوں میں پھیلنے لگا اور مکہ، مدینہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

حجۃ الوداع اور وفات

۱۰ھ شروع ہو گیا اور اشاعت اسلام کی رفتار بھی بڑھ گئی، لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ اب آپ ﷺ کے اس دارِ فانی کو الوداع کہنے کا وقت بھی قریب آ گیا۔ ذی قعدہ ۱۰ھ کا مہینہ آیا۔ عرب میں حج کا اعلان کر دیا گیا۔ سب طرف سے لوگ آنے لگے۔ حضور ﷺ کی مبارک سواری مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئی، شمع رسالت کے گرداگرد ہزاروں پروانوں کا ہجوم ہے، بے شمار پروانوں کے جھرمٹ آتے جاتے ہیں اور راستہ میں ملتے جاتے ہیں۔ یہ ایمان و اسلام کے شہسواروں کا نورانی قافلہ ہے۔ سوالاکھ کے قریب اس کی تعداد ہے۔ اس کے سر پر سارے آقاؤں کے مشفق آقا کی رحمت کا چھتر ہے۔ ذی الحجۃ ۱۰ھ کی چوتھی تاریخ ہے، رحمت کا لشکر بلدحرام میں داخل ہوتا ہے، مکہ کی زمین پاک قدموں کی برکت لے رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ نور کا میلہ لگا ہوا ہے، رسالت ونبوت کا تاجدار اپنی اونٹنی پر ایک تقریر فرماتا ہے۔اس کے ہر حرف سے ہدایت اور ترقی کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔

فرائض حج سے فراغت ہوگئی ۱۴ ذی الحجہ کو آپ ﷺ اور آپ کے پاکباز ساتھی مکہ معظّمہ سے واپس ہوئے۔اللہ کا دین مکمل ہوگیا۔اسلامی پاکیزگی دلوں میں بیٹھ گئی، اللہ کے گھر سے اللہ کے دین کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو سر میں درد ہوا پھر بخار ہوگیا، بخار کی تیزی یہاں تک بڑھ گئی کہ کمبل تپنے لگا، بخار کے ساتھ بے چینی اور کمزوری بھی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ نماز کے لئے جانا مشکل ہوگیا تو کچھ نمازیں گھر میں ادا کیں۔۱۲ ربیع الاول پیر کی صبح کو کسی قدر سہولت ہوئی تو حجرہ کا پردہ اٹھایا ،مسجد میں جماعت ہو رہی تھی، چہرہ ٔانور نمازیوں کو نظر پڑا گویا کہ قرآن مقدس کا نورانی صفحہ تھا،آپ ﷺ نے پردہ چھوڑ دیا، پھر آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے، جماعت میں شریک ہوئے، حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں نماز ادا کی اور خلافتِ کبریٰ کا اشارہ دے گئے۔اس کے بعد دوپہر کے وقت تکلیف اور بڑھی، پیاس کا غلبہ ہوا،آپ نے مسواک فرمائی، امت کو آخری پیغام پہنچایا ’’الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم‘‘ پھر روح مبارک نے اپنے خالق و مالک اور محبوب حقیقی کو اختیار کیا اور ’’اللھم بالرفیق الاعلی ‘‘ کہتے ہوئے عالمِ بالا کی طرف رخصت ہوگئے۔روح پرواز کررہی تھی اور ساتھ ساتھ ایک تیز خوشبو کی مہک دنیا کو معطر کررہی تھی۔

صلوات اللہ علیہ و سلامہ دائماأبداً۔

مقالہ نگار: ساجد ٹنکاروی
متعلم: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

مقالہ نمبر ؛ ۹

الحمد لله وحده، والصلوة والسلام على من لا نبى بعده، اما بعد : فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم ،﴿قل إن كنتم تحبّون الله فاتّبعونى يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم والله غفور الرحيم﴾

ہجرت کا مطلب صرف یہی نہیں تھا کہ فتنے اور تمسخر کا نشانہ بننے سے نجات حاصل کر لی جائے بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل تھا کہ ایک پر امن علاقے میں ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کی جائے، اسی لئے ہر صاحب استطاعت مسلمان پر فرض قرار پایا تھا کہ اس جدید معاشرے کی تعمیر میں حصہ لے اور اس کی پختگی، حفاظت اور رفعت شان میں اپنی کوشش صرف کرے، یہ بات تو قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی اس معاشرے کی تشکیل کے امام وقائد اور رہنما تھے اور کسی نزاع کے بغیر سارے معاملات کی باگ ڈور آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں تھی (الرحیق المختوم ص: ۲۷۷)

آپ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بہت سے مسائل کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت تھی مثلا (۱) مسلمانوں کو یکجا اور متحد کرنا (۲) مسلمانوں کی روحانی اور معاشرتی اصلاح وتربیت (۳) مدینہ میں بسنے والے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو مضبوط کرنا، (۴) شہر کی سیاسی تنظیم اور اس کا تحفظ و دفاع۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حکمت عملی سے ان تمام مسائل کو پوری کامیابی سے حل فرمایا کہ مسلمانوں کو رنگ ونسل کے امتیازات سے بالاتر کر کے رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا، آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری کی بنیاد پر مواخات و بھائی چارگی کا معاہدہ کرایا، چنانچہ انصار نے مہاجرین سے انتہائی گرم جوشی کا سلوک کیا، جس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کا اثاثہ، مال ودولت، زمین وجائداد غرض ہر چیز میں اختیار وتصرف دے دیا تھا، حتی کہ بعض صحابہؓ جن کی ماتحتی میں دو بیویاں تھیں ایک کو طلاق دینے پر آمادہ ہو گئے، غرض یہ کہ وہ اپنے آپ پر ان کو ہر طرح مقدم رکھتے تھے، اور انہیں ترجیح دیتے تھے،

مسلمانوں کی روحانی ومعاشرتی اصلاح وتربیت اور ان میں مرکزیت پیدا کرنے کے لئے مسجد نبوی کی تعمیر کی اور اسے اہل اسلام کی روحانی، سماجی تعلیمی و عدالتی سرگرمیوں کا مرکز ومحور قرار دیا،

مدینہ میں بسنے والے مختلف گرہوں کے باہمی تعلقات اور حقوق وفرائض کو متعین ومنضبط کرنے کے لئے؛ نیز شہر کی سیاسی تنظیم اور تحفظ ودفاع کے لئے؛ ایک ایسا تحریری معاہدہ تیار کیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، اور جس پر عمل درآمد سب کے لئے لازمی قرار دیا گیا، (دائرۂ معارف اسلامیہ: ج،۱۹:ص،۱۶۰)

اس طرح مدنی عہد کو تین مرحلوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے،

(۱) پہلا مرحلہ جس میں فتنے اور اضطراب برپا کئے گئے، اندر سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں اور باہر سے دشمنوں نے مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے چڑھائیاں کیں، یہ مرحلہ صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مرحلہ جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی، یہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں پر منتہی ہوتا ہے، یہی شاہان عالم کو دعوت دین پیش کرنے کا بھی مرحلہ ہے۔

(۳) تیسرا مرحلہ جس میں خلقت؛ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئی، یہی مرحلہ مدینہ میں قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی ہے، یہ مرحلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اخیر یعنی ربیع الأول ۱۱ھ تک محیط ہے۔

(الرحیق المختوم: ص، ۲۷۶ تا ۲۷۸)

۹ھ میں حج فرض ہوا، اسی سال نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر تین سو صحابہؓ کو ان کے ہمراہ روانہ کیا، چنانچہ مدینہ سے تین سو صحابہؓ کا یہ قافلہ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوا، اس وقت سورۂ براءت اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوئی آپ نے حضرت علی کو بھیجا اور حکم دیا کہ سورۂ براءت کی ابتدائی آیات اور ان کے احکام لے کر مکہ جائیں اور قربانی کے دن جب سب لوگ منٰی میں جمع ہو جائیں اس وقت یہ اعلان کر دیں کہ (۱) کوئی کافر جنت میں نہیں جائیگا (۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہو (۳) کوئی شخص بیت اللہ کا طواف برھنہ نہیں کر سکتا (۴) اگر آپ ﷺ سے کسی کا معاہدہ ہو تو وقت میعاد تک اس کی پابندی کی جائے گی۔ (نبیٔ رحمت: ص، ۵۰۷)

اس کے بعد ۹ھ اور ۱۰ھ مختلف قبائل کے متعدد وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور احکامات کی تعلیم لی۔

۱۰ھ ذی الحجہ مطابق ۶۳۲ء میں آپ ﷺ نے حج فرمایا، اسلام میں یہ آپ ﷺ کا

پہلا حج تھا اور اسی کو حجۃ الوداع یا حجۃ البلاغ اور حجۃ التمام کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، آپ کے ساتھ اس حج میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابۂ کرام شریک تھے، حجۃ الوداع میں عرفات کے میدان میں آپ ﷺ نے ایک عظیم الشان خطبہ دیا؛ جس میں اسلام کی بنیادوں کو واضح فرما کر شرک و جہالت کی بنیادوں کو منہدم کیا، ان تمام حرام چیزوں کی آپ ﷺ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب و اقوام متفق ہیں، مثلاً ناحق قتل کرنا، آبروریزی کرنا، مال غصب کرنا وغیرہ، جاہلیت کے تمام امور کو اپنے قدموں تلے پامال کیا، جاھلیت کے سود کو ختم فرمایا، آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی اور ان کے تمام متعلقہ حقوق کو واضح فرمایا، آپ ﷺ نے امت کو کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ جب تک اس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے، آپ ﷺ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا جائیگا اور تمام اس کے جواب دہ ہوں گے کہ آپ ﷺ نے احکامات خداوندی بے کم و کاست امت تک پہنچا دیئے یا نہیں؟ اس پر تمام سے شہادت لی۔ (نبیٔ رحمت: ص۵۲۳/۵۲۴)

حجۃ الوادع سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں ایسی علامات ظاہر ہونے لگیں جن سے اشارہ ملتا تھا کہ آپ ﷺ کے وصال کا وقت قریب آچکا ہے، اور آپ ﷺ اس سفر کے لئے تیار اور ''الرفیق الاعلیٰ'' سے ملنے کے مشتاق ہیں، چنانچہ ماہ صفر کے آخر میں آپ ﷺ کی علالت شروع ہوئی، علالت کے دوران آپ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو کچھ ہدایات و وصیتیں فرمائیں، آپ ﷺ نے اللہ تعالی سے ڈرنے، تکبر و برتری سے بچنے، انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور قبروں کو پرستش گاہ اور مساجد

بنانے سے بچنے کی تاکید فرمائی، جب کہ آخری دور میں آپ ﷺ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی "الصلوۃ وماملکت ایمانکم" کہ نماز کا خیال رکھنا اور اپنے ماتحتوں، غلاموں کا خیال رکھنا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت جدائی کی گھڑی قریب آئی اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری گود میں تھا، ایک گھڑی کے لئے آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی پھر آپ ﷺ کو ہوش آ گیا، آپ ﷺ نے چھت کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا "اللھم الرفیق الاعلی" (سب سے اعلی و برتر رفیق کے پاس) یہ وہ اخری الفاظ تھے جو وصال کے وقت آپ ﷺ کے زبان مبارک سے نکلے۔

(بخاری شریف رقم:۶۳۴۸)

اس طرح سلسلۂ نبوت کا وہ آخری آفتاب و ماہتاب جس نے عالم انسانیت کی خدمت کی ان کی ہدایت و رہنمائی کی ہر ممکن کوشش کی اور رب العالمین کے تمام احکامت پر عمل کر کے ان کے ممکن العمل ہونے کو بتایا، اپنے محبوب، رب رفیق اعلی کے دربار میں جا پہونچا، بوبکر و عمر، عثمان و علی، فاطمہ و عائشہ، حفصہ وام سلمہ رضی اللہ عنھم اجمعین اور ان جیسے لاکھوں افراد کو تڑپتا و سسکتا بلکہ بلبلاتا ہوا چھوڑ کر رب کریم کے حضور پہنچ گیا، ساتھ ہی خوشخبری بھی دے گیا کہ کل قیامت میں میری ملاقات ہوگی تو ان لوگوں ہی سے ہوگی جنہوں نے دین کی خدمت واشاعت کی اور میری محبت واطاعت کو حرز جان بنائے رکھا، اللہ تعالی سے التجا ہے کہ ہمارے دلوں کی بنجر زمین پر اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبتوں کی بارش نازل فرمائے کہ کل قیامت کے دن رفاقت و شفاعت رسول ﷺ نصیب ہو او"فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"کا مژدۂ جانفزا سنایا جائے۔

مقالہ نگار: شارق مالیگاوی
متعلم : جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل
مقالہ نمبر : ١٠

ألحمد لله ربّ العالمين والصلوة والسلام على النبى الكريم اما بعد ! وقل ربّ أدخلنى مدخل صدق ۔ الآية

تمہاری صورت وسیرت کی ہوتی ہے ثنا خوانی ۔ پڑھا کرتے ہیں ہم قرآں کے پارے سرور عالمؐ

شیدائیانِ رسالت اور وارثانِ نبوت فدایان محمد ﷺ !

حیات طیبہ کے ہر گوشہ کی وسعت و ہمہ گیری، کاملیت و جامعیت و ہمہ داری اتنی ہے کہ ہر گوشہ کی تہہ میں اترا جائے، مشاہدات اکٹھے کئے جائیں، تجربات ضبط کئے جائیں تب بھی کسی ایک گوشہ پر مکمل روشنی ڈالنے سے ہر سیرت نگار عاجز نظر آئیگا۔ ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کہہ کر بھی یک گوشۂ حیات کے وصف سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا، ہر سیرت نگار حیات طیبہ پر اپنے اظہار خیال کی ہمہ جہتی کاوشوں میں خوب زور مار کر بھی مُقر رہتا ہے.

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر ۔ ما ہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

حیات طیبہ مختلف ادوار پر مشتمل و منحصر ہے، سلسلۂ حیات مبارکہ کہ لا تعدّ ولا تحصٰی کڑیاں ہیں، پہلی کڑی حیات طیبہ کی قبل از بعثت و نبوت پر مشتمل ہے، دوسری کڑی نبوت و بعثت سے شروع ہوتی ہے اور ہجرت پر ختم ہوتی ہے، تیسری کڑی

خارزاروں سے اٹی ہوئی بگولوں سے پُر، راہِ ہجرت، عہد مدنی اور وصال پر مشتمل ہے، مدنی زندگی کی ابتدا ہجرت جیسے مقدس سفر اور عظیم قربانیوں والی راہ سے ہوتی ہے اس لئے ہجرت واسباب ہجرت پر اچٹتی نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔

بنی نوع انسان کے نجات دہندہ نے دعوت کے جس پودے کی تخم ریزی مکہ میں کی تھی اس کی عمر مبارک کو مکمل دس سال گزر چکے، آلام ومصائب میں یہ ماہ وسال گزرے، تکالیف وعقوبات کے سلسلوں میں ہادیٔ اسلام و جاں نثارانِ اسلام زندگی کے شب وروز گزارتے رہے، مکہ کے مختلف مقامات کو دعوت حق کے زمزموں سے مسحور کرتے رہے، ہر آن و ہر لحہ حق کی اشاعت وتبلیغ میں مشغول رہے، زمانۂ حج میں ولولۂ دعوت مزید برانگیختہ ہوتا کہ کوئی پردیسی اسلام کے دامن میں پناہ لے، یہ سلسلہ چلتا رہا، اس کے لئے ہر طرح کی تدابیر کی جاتی رہیں۔

نبوت کے گیارہویں سال جب خدا کو منظور ہوا کہ دعوت حق کے اس ابر کرم کو بادصبا لے اڑے اور یثرب میں برسادے، یہ دعوتی مہم یثرب کی گلی کوچوں میں پھلے پھولے، اہل یثرب گل دعوت کی خوشبو سے معطر ہوں اور دامن توحید سے وابستہ ہوں تو قلب نبوت میں ویسی ہی تدبیر القاء کی گئی، ویسی ہی دعا وطلب کی راہ سجھائی گئی جس سے یثرب مرکزیت اسلام کے مقام پر فائز ہو، اس تناظر میں کہا جاسکتا ہیکہ بیعت عقبہ اولی وثانیہ ہجرت کا مقدمہ وپیش خیمہ تھی۔

یوں تو شروع ہی سے مکہ میں بوئے گئے تخم دعوت کے برگ وبار اہل یثرب کے حق میں کھلنے کو بیتاب تھے، دعوت حق کا وہ پودا جو سرزمین مکہ میں اگا اس کے پھل اہل مدینہ کی جھولی میں گرنے کے لئے بے قرار۔

بیعت عقبۂ ثانیہ کے نام سے چند سعید روحوں نے اور چند انقلابیوں کے جتھے

نے حضور ﷺ سے پیمانۂ عہد باندھا ادھر بیعت کی تکمیل ہوئی ادھر اسلام کو ایک اہم ترین کامیابی ملی باب ہجرت وا ہوا، اصحاب نبی شوق کے پروں سے اڑتے ہوئے مدینہ پہنچنے لگے، مکہ میں گھر کے گھر کھالی ہو گئے، محلے ویران نظر آنے لگے، اب مکہ میں وہی رفقائے کار نظر آ رہے تھے جو کفر وشرک کی زیادتیوں سے بچ نہ سکے یا وہ جنہیں ہادئ اسلام نے عمداً روک رکھا تھا، اس مبارک سفر سے ان مہاجرین کو جو مکہ میں سالہا سال مظلومانہ زندگی گزارنے پر مجبور رہے انہیں کتنا قرار آیا ہوگا ان زخمی دلوں کو جو مرہم ملا اس کی ٹھنڈک و بالیدگی سے وہی مسافرین ہجرت واقف ہوں گے۔

اجازت ہجرت سے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ قریش کو اندیشہ وخدشہ لاحق ہوا اور یہ خدشہ بجا تھا کہ سارے اہل اسلام ترک وطن کر ڈالیں، دعوت اسلام اور پیغام توحید لے کر کھلے بندوں گھومتے رہیں، آزاد فضاء میں سانس لیں، خوف وخطر دامن گیر نہ ہوا تو ایک نہ ایک دن یہ محمد بھی اپنے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ حفیظ مرحوم نے اس کی نقشہ کشی کی..

تساہل اب نہیں اچھا کہ طوفاں چڑھتے جاتے ہیں ۔ حبش میں اور یثرب میں مسلماں بڑھتے جاتے ہیں
خدا والے کہیں ایسا نہ ہو قوت پکڑ جائیں۔ بتانِ کعبہ کے اس ملک سے جھنڈے اکھڑ جائیں

لہذا اس جڑ ہی کو کاٹ دیا جائے اور نعوذ باللہ محمد کی شخصیت ہی کا کام تمام کر دیا جائے، اسی ناپاک وغلیظ مقصد کے اتمام کی سعیٔ نامسعود کے لئے قریش کے ایوان پارلیمنٹ مین مشرکین مکہ اکٹھا ہوئے، اس بزم لعنت میں نجدی پیر شیطان مزید موردِ لعنت ٹھہرنے کے لئے حاضر ہوا، مجلس شروع ہوئی، مختلف تجاویز سامنے آئیں،

الگ الگ آراء پیش کی گئیں، کوئی قول فیصل نہ آیا، نجدی نے محفل سنبھالی اور ایک قتل والی رائے پر سکۂ صحت ثبت کر دیا۔

غرض کہ پا گئی آخر یہی تجویز شیطانی ۔ قسم کھا کھا کے لوگوں نے نبی کے قتل کی ٹھانی

مجلس برخاست ہوئی اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اقدامات شروع ہوئے۔ کشتیٔ آفتاب وسفینۂ مہر، خون شفق میں ڈوبنے لگا، تاریکیوں نے دن پر غلبہ پانے کا منصوبہ بنایا، قریش کے جواں سال سپاہی برہنہ تلواریں لے کر در نبی ﷺ کے اردگرد کھڑے ہو گئے، تمام انتظامات کر لئے گئے لیکن انسانی تدبیر حمایت ربّانی و نصرت الٰہی کے مقابل کب کھڑی رہ سکتی ہے۔

بشر تدبیر پر اپنی بھروسہ کر بھی لے لیکن ۔ ہوا ناکام تو تقدیر طنزاً مسکرائے گی

آپ ﷺ کو اطلاع ملنے کے بعد آپ نے حضرت علیؓ کو یہ کہہ کر کہ ''محافظ ہے وہی رکھو بھروسہ شان داور پر'' اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا، کاشانۂ نبوت کی شدید گرفتگی کے باوجود بے شمار سفّاکوں، قاتلوں اور درندوں کے بیچ سے وہ نبیٔ معصوم وحی ربّانی کی زمزمہ باری کرتے ہوئے اور سروں پر مشت خاک ڈالتے ہوئے نکل پڑے۔

حفاظت جس سفینہ کی انہیں مقصود ہوتی ہے ۔ کنارے لا کے خود طوفان ان کو چھوڑ جاتے ہیں

اور آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے نکل پڑے، اس طرح گزرے کہ

کھینچی رہ گئیں خوں ریز وخوں آشام شمشیریں ۔ کسی نے کھینچ دی ہوں جس طرح کاغذ پہ تصویریں

دو اشخاص باطل کے حصارِ قہر وغضب سے آزاد ہو کر شہر سے نکلے، غار ثور کی تقدیر جاگ اٹھی، تین دن کے قیام کے بعد باطل کے چیرہ دستیوں میں ایک داعی کو توکل واعتماد کا سبق دیتے ہوئے ساحلی راستوں پر چل پڑے۔

کاروان ہجرت تعاقب کے گرداب سے بچتا بچاتا جادۂ ہجرت کے بیشتر مراحل طے کر چکا، دارالہجرت کے قرب کے ساتھ ساتھ ہوائیں اڑان بھرتیں تیزی سے چل کر اہل یثرب کو مژدۂ جانفزا دیتیں، لوگ بے تابانہ شوق زیارت کو لئے ازسحر تا شام حاضر رہتے آنکھیں فراش راہ کئے ہمہ تن انتظار ہوکر بیٹھ رہتے۔

بالآخر ہوئیں کوتاہ آخر انتظار دید کی گھڑیاں ۔ نگاہوں کے لئے آئیں نماز عید کی گھڑیاں

کسی نے خبر دی کہ تمہاری قسمت آ گئی تمہارے لئے وجہ سعادت شخصیت کا ورود مسعود ہو چکا تو لوگ پروانہ وار لپکے بے محابانہ دوڑے یہ کون آیا ہے؟

کس تقریب کا یہ ساز وسامان ہے ۔ خوشی کا نور جو ہر ایک چہرہ سے نمایاں ہے

گلستانِ مدینہ غیرتِ گلزار رضواں ہے۔ خدا بندوں پر اپنے مائلِ لطفِ فراواں ہے

ہر محفل ہر گھر میں بس ایک ہی تذکرہ، الله أكبر جاء رسول الله

قدم قدم پر محبت کے موجزن طوفاں۔ صدائے جاء رسول سے گونجتا ہے جہاں

قباء کے چند روز قیام میں گلوں کی بارش فرما کر قافلۂ نبوت شہر یثرب کی طرف چل پڑا اور داخل یثرب ہوا، داخلہ کی شان بھی عجیب..

درودیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر۔ زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر

اور کسی شاعر نے کہا..

چھتوں پر چڑھ کر خواتین نے نظارہ کیا۔ کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے اشارہ کیا

لبوں پر حرف تشکر تھا مسکراہٹ تھی ۔ گلاب ولالہ کی عارض پہ ٹمٹماہٹ تھی

داخلہ ہو گیا شوق میزبانی کے اظہار کے مراحل طے ہوئے اور آپ ﷺ میزبانی کے

مقام ومراحل سے گزر کر تعمیر مسجد میں بنفس بفیس شرکت فرما کر" اللّٰھم لاعیش الا عیش الآخرة" جیسے پر تسلی کلمات سے تسکین قلوب فرما کر فارغ ہوئے اب آپ ہمیشہ کے لئے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔

ضیاءِ حق سے رشکِ طور سینا بن گیا یثرب۔ نبی کا آستاں بن کر مدینہ بن گیا یثرب

مدنی زندگی مختلف یگانۂ روزگار، نادروشاہ کار وقائع واقدامات پر مشتمل ہے، عہد مدنی کے آغاز میں آپ نے تعمیر ملت کا سنگ بنیاد رکھا یعنی نظام مواخاۃ قائم فرمایا، یہ ایک مشکل ترین مرحلہ تھا کہ بکھرے ہوئے انسانی قلوب کو ایک رشتۂ الفت میں پرو دیا جائے مزید براں ایک ایسی قوم جو باہمی جنگ وجدال کی آب وہوا میں پرورش پائی ہو جس کے نفسانی سانچوں میں باہمی آمیزش کا کوئی ڈھنگ نہ رہا ہو وہاں آپ نے یہ نظام وانقلاب برپا کیا کہ.

کیا بات تھی جو ملے تھے نہ کبھی ۔ بن گئے مشرق ومغرب کے ملانے والے

عہد مدنی کے دیگر مراحل: قیام مدینہ میں اندرونی وخارجی فتنون کا ابھار ہوا، مدینہ میں مکہ کے بالمقابل صرف ایک قوم قریش سے سامنا نہ تھا؛ مختلف قوموں کا مقابلہ درپیش تھا، یہاں یہودیوں کی شرارتیں بھی تھیں، عیسائیوں کی فتنہ انگیزی بھی اور منافقوں کی نارِ منافقت بھی ،فتنوں کی سرکوبی واستیصال کی فکر حضور ﷺ پر سوار رہتی، یہ مرحلہ صلح حدیبیہ تک رہا، پھر ایک دوسرا مرحلہ جس میں بت پرست قوم سے مصالحت ہوئی، یہ سلسلہ فتح مکہ پر منتہی ہوتا ہے اور اسی مرحلہ میں شاہان عالم کو دعوت اسلام دی جاتی ہے، ایک تیسرا مرحلہ فتح مکہ کے بعد وفود کی آمد کا ہے اور یہ آپ ﷺ کے وصال تک ممتد ہے۔

مذکورہ مراحل کا مختصر جائزہ : مدنی زندگی کے آغاز ہی میں مدینہ پر جنگ کے بادل لہرا گئے، اسلام اور اہل اسلام کے خاتمہ کے لئے باطل نے ایک محاذ قائم کر دیا، اب اہل اسلام دفاعی پوزیشن میں بحکم الٰہی مخالفت کے محاذ کو شکست و ہزیمت کے کاری زخم دینے کے لئے بصد خوشی تیار نظر آنے لگے۔ اس مرحلہ میں حضور ﷺ کو آپ میدان بدر میں دیکھو گے کبھی احد کی سرگرمیوں میں مشغول ہو کر دندان مبارک شہید ہوتا دیکھو گے، کبھی حمراء الاسد میں گذشتہ کی تعب و تھکن کا چین قربان کرتا پاؤ گے تو کبھی معرکۂ احزاب کے زلزلہ افگن حالات میں آپ ﷺ کی استقامت دیکھو گے، صلح حدیبیہ میں سیاسی ذکاوت و ذہانت دیکھئے، حنین میں جنگی حکمت عملی دیکھئے اور دیگر غزوات و سرایا میں آپ ﷺ کی ذات اقدس کی مشعل اور تعلیمات و ہدایات سے صحابہؓ روشنی لیتے رہے، ان غزوات و سرایا اور فوجی مہمات میں آپ ﷺ بڑے باکمال فوجی اور کمانڈر رہے نبوت و رسالت میں آپ سید المرسلین و امام الانبیاء تھے تو فوجی قیادت میں یگانۂ روزگار نادرو عبقری شخصیت کی شان رکھتے تھے۔

آمد وفود: یوں تو فتح مکہ کے بعد ہی "ورأیت الناس یدخلون" کا منظر تھا، بے شمار جماعتیں جوق در جوق داخل اسلام ہوئی، یہ ایک طرف اسلام کی کشش و مقبولیت تھی تو دوسری طرف دعوت اسلام کی وسعت کی ایک اہم ترین کامیابی، محسن انسانیت ﷺ کی یہ رفتارِ کار ہمارے لئے باعث حیرت ہے کہ قلیل مدت میں آپ نے اسلامی ریاست روئے زمین پر کھڑی کر دی اور مخالفت کے سارے محاذ پر آپ ﷺ نے روک لگا دی اور دعوت اسلامی کی ایک تاریخ ساز فضا قائم فرما دی۔

جب دعوت دین کی تکمیل ہوگئی، عرب کی نکیل اسلام کے ہاتھ آ گئی تو حضور ﷺ کے جذبات و احساسات گفتار و کردار سے ایسی علامات نمودار ہوئیں کہ اب آپ ﷺ لقائے

رب کے مشتاق ہیں، ۱۰ھ میں خطبۂ حج میں انہی علامات کی طرف اشارہ دیکھئے، شہدائے احد کی قبروں پر حاضری دیکھئے، رمضان کے اعتکاف میں اضافہ دیکھئے۔

بالآخر وہ گھڑی آ گئی جو اس دنیا میں آنے والے ہر ایک پر آئی اور آئے گی۔ صفر میں مرض کا آغاز ہوا خفت وکثرت ہوتی رہی ان حالات میں بھی آپ ﷺ امت کی راہنمائی میں مشغول رہے، فتنوں کے خاتمہ اور جنگ وجدال کی روک تھام کے لئے کوشاں رہے، اسی مرض میں شب گزرتے رہے جسمانی تکالیف میں آپ مکمل گھرے رہے، بالآخر ۱۲ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ یہ آفتاب نبوت ہمیشہ کے لئے رو پوش ہو گیا، اس حادثۂ دلفگار سے اہل مدینہ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا، آخر سانحہ بھی کتنا بڑا جاں گداز تھا؟ ان رفیقوں کے لئے جو عمر بھر آپ کے ساتھ رہے، جو آپ کو دیکھ کر ہی ایک نئی طاقت حاصل کرتے تھے، گریہ طاری ہوا سب کے سب غمگین تمام بے قابو کوئی سراپا اشک بن کر بہہ پڑا، کوئی اس صدمہ سے جان سے گزر گیا، کوئی عقلی توازن کھو بیٹھا، حضرت عمرؓ اپنی تلوار سونت کر کہنے لگے، خبردار! جو بولے گا محمد ﷺ چل بسے گردن اڑا دوں گا۔

آپ ﷺ کے جانے سے ایک نادر وشاہ کار دور ختم ہو گیا، ایک روحانی عہد رو بہ زوال ہوا، امت زمانۂ نزول وحی سے محروم ہو گئی، آپ ﷺ تو چلے گئے لیکن ہمارا وجود تو آپ کی جانفشانیوں کا طفیل اور صداقت وحق کی نورافگنی اسی مقدس وجود کا فیضان ہے۔ جزى الله عنّا محمدا ما هو اهله.

اللہ رحمتوں کی پھواریں برسائے آقا ومولا پر، محبوب کل جہاں پر دل وجگر کا درود پہنچائے اور آپ ﷺ کی تعلیمات کو، آپ ﷺ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانے کا عزم وحوصلہ عطا فرمائے۔ آمین.

مقالہ نگار: عبدالباسط بن یوسف مانگرولی   مقالہ نمبر: ١١
متعلم: دارالعلوم حسنیہ؛ مانگرول

ان الحمد لله والصلوۃ والسلام علی رسول الله ﷺ

حسن یوسف دمِ عیسی ید بیضاء داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کسی ملک میں اگر مدتوں سے آفتاب نے اپنا دیدار نہ کروایا ہو اور ایک روز اچانک اس نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا ہو تو اس ملک کے باشندوں کی خوشی کا عالم کیا ہوگا؟ اس سے کئی گنا زیادہ خوشی حاصل ہوئی تھی اہل مدینہ کو جب آفتابِ نبوت ﷺ کا چہرہ ١۴ ھ نبوی، ١٢ ربیع الاوّل بروزِ جمعہ اہل مدینہ کی آنکھوں کی زینت بنا تھا، سارا مدینہ روشنی سے جگمگا رہا تھا گلیوں، کوچوں میں نور برس رہا تھا، سارے لوگ خوشیاں منا رہے تھے، بنونجار کی بچیاں یہ اشعار گنگنا رہی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ ۔ وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَ اجِئْتَ بِالامرِ الْمُطَاعِ ۔ جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِيْنَة مَرْحَبًايَاخَيْرَدَاعِ

(رحمۃ للعالمین: ١/١٠٦)

اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی بحکم خدا ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے آکر ٹھہر گئی سلام اے ابوایوبؓ تیری تقدیر کو کہ امام الانبیاء ﷺ تیرے گھر کے مہمان بنے۔

مدینہ میں داخل ہونے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے پہلے مسلمانوں

کے مابین مواخات قائم کی، بعدہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کروائی یہ مسجد محض عبادت کے لئے نہیں بلکہ اس ننہی سی اسلامی حکومت کے نظام کے لئے مرکز کی سی حیثیت رکھتی تھی جس میں بیٹھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے ایک نئے معاشرے کی تشکیل کی ایک پر امن دور قائم کیا جس کے نتیجے میں سارا مدینہ چین وسکون کی جائے قرار بن گیا لیکن کفر کی ظلمتوں کے بھیڑیوں کو اسلام کے دامن سے نکلی ہوئی روشنی کب بھائی ہے جو اب بھائے گی، ان قریش مکّہ نے مدینہ کے مسلمانوں کو خط کے ذریعہ دھمکی دی جس بناء پر ذات رسول ﷺ کا پہرا ہونے لگا، لیکن مسبّب الاسباب کو اس وقت یہ منظور نہ تھا کہ اس کا محبوب اسباب کا محتاج نظر آئے! پھر کیا'' واللہ یعصمك من الناس '' کے ذریعہ پہرا ہٹا دیا، پر مسلمانوں کے سر سے خوف کے بادل نہ چھنٹے تو اللہ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی مسلمانوں نے کفار کے حملوں کو دفع کرنے کے لئے اور ان کی ناپاک سازشوں کو ملیامیٹ کرنے کے لئے غزوات اور سرایا انجام دیئے۔

جن کی اجمالاً تفصیل یہ ہے:

۱ھ ماہ رمضان المبارک میں سریہ سیف البحر، ۱ھ ماہ شوال میں سریہ رابغ، ۲ھ ماہ صفر میں غزوۂ ودان، ۲ھ ماہ ربیع الاول میں غزوۂ بواط، ۲ھ ماہ جمادی الاوّل میں غزوۂ ذی العشیر ہ،

۲ھ ماہ رمضان المبارک میں سیرت رسول ﷺ کے گلستاں میں نمایا گل ہونے کی حیثیت رکھنے والا اور اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ غزوۂ بدر وجود میں آیا، اس غزوہ میں کثرت مخالفین اور قلت اسباب کے باوجود اللہ کے رحم وکرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی، اُساری بدر سے اللہ کے رسول ﷺ نے کریمانہ برتاؤ کرنے کا حکم فرمایا، مسلمان خود روکھا سوکھا کھالیتے اور ان قیدیوں کو اچھا کھانا کھلاتے، ان پر کسی قسم کی کوئی سختی نہیں کی بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا، اللہ کے رسول ﷺ

کے ان ہی اخلاق نے ان میں سے بہتوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا، دنیا ایسے اخلاق کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، حضور ﷺ کے انہی اخلاق اور اداؤں کی بدولت ساری کائنات میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب تر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ تھی۔

پھر دیکھو کہ محبّ اپنے محبوب کی تمناؤں کو کیسے پوری کرتا ہے؟ معبود حقیقی نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی نگاہیں بار بار آسماں کی طرف اٹھتی ہیں اور کوئی تمنا دل میں گردش کر رہی ہے تو فوراً اتمامِ آرزو کے لئے ۲ھ میں یہ حکم نازل فرمایا کہ اب آپ بیت المقدس کی طرف رخ نہ کیجئے بلکہ کعبہ کو اپنا مطمح نظر بنایئے آہ! کوئی محبت کا طریقہ سیکھنا چاہے تو اس محبّ اور محبوب سے درس محبت حاصل کرے۔

پھر ۳ھ میں مسلمانوں کے لئے سبق آموز اور اسلام کا دوسرا فیصلہ کن معرکہ غزوۂ احد وجود میں آیا اسی غزوۂ احد میں اصحاب نبی ﷺ مشرکین مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق میں اپنی ایک اور شاندار فتح ثبت کر ہی رہے تھے کہ مسلمانوں کے تیر اندازوں سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا اور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے، مشرکین کے شہسوار خالد بن ولیدؓ نے اس موقع کو فروگزاشت نہ کیا اور مسلمانوں کے لشکر میں انتشار برپا کر دیا اگرچہ اس تفریق کو کفر کی فتح سے تعبیر نہیں کرینگے لیکن ''الحرب بيننا و بينكم سجال'' کی تصویر نظر آ گئی۔ (بخاری شریف: ج/ثانی)

اس غزوہ کو کون بھول سکتا ہے جس میں ایک مشرک عبد اللہ بن شہاب نے تاجدار نبی ﷺ کے رخسار مبارک اور جبین مبارک کو زخمی کیا تھا؟ جس نے آپ ﷺ پر ایسا قاتلانہ حملہ کیا تھا کہ وہ قطعاً معافی کے قابل نہ تھا، پر حضور ﷺ کے مکارم اخلاق کو تو دیکھئے، جب وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو حضور ﷺ نے اسے معاف کر دیا بعدہ وہ اسلام سے مشرف ہو گئے۔ (اسد الغابۃ: ج/۳، ص۱۸۳)

پھر ۴ ھ ماہ شعبان میں غزوۂ بدر صغریٰ، ۵ ھ ماہ شوال میں غزوۂ خندق پھر ابھی خندق کا غسل ہی فرمایا تھا کہ بنوقریظہ کا حکم آ گیا اس کے بعد تاریخ انسانیت نے واقعۂ افک جیسا الم ناک وقت بھی دیکھا جس میں حضرت عائشہؓ کی براءت خود ربّ کریم نے اپنے کلام میں سورۂ نور کی دس آیتوں سے کی، بعدہ وہ ان میدان نبوت کا شہسوار وہ تاریخ نبوت کا ایک چمکتا و دمکتا ماہتاب وہ احکم الحاکمین کے ہر حکم پے لبیک کہنے والا ایک اکیلا مجاہد کفر کی ساری دنیا سے لڑتا چلا گیا یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ حضور ﷺ ۶ ھ ماہ ذی القعدہ میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے اور کفار مکہ سے مصالحت کا کام انجام دیا، اسی دوران خبر شہادتِ عثمانؓ پر بیعت رضوان وجود میں آئی، اسی صلح حدیبیہ میں کفار کی جانب سے کی گئی شرطیں مسلمانوں پر گراں تھی سب سے زیادہ ناگوار حضرت عمرؓ کو گزری پر حضور ﷺ کے ان شرائط کو قبول کر لینے کے فیصلے پر صحابہؓ کی اس جماعت نے جو حضور ﷺ کے لئے اپنی جان تک نچھاور کر دیتے تھے یہاں بھی سرِ تسلیم خم کر دیا، جس کے ثمرہ میں حضور ﷺ کو ''انا فتحنا لك فتحاً مبينا'' کے ذریعہ خوش خبری سنائی گئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اس مدت میں شاہان عالم کی طرف خطوط کے ذریعہ اسلام کی دعوت پہنچائی، ۷ ھ محرم الحرام میں خندق کے تین بازو میں سے ایک قریش سے تو بالکل مطمئین ہو گئے تھے پر خندق کے دوسرے بازو خیبر کے یہودیوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد شکنی کی جس کی بناء پر غزوۂ خیبر وجود میں آیا اور جب اللہ کے رسول ﷺ ان دونوں بازوؤں کو کمزور کر چکے اور اپنا سکہ جما چکے تو ۷ ھ ہی میں خندق کے تیسرے بازو نجد کے بدّوؤں کی طرف لوٹے جس غزوہ کو غزوۂ ذات الرقاع کہا جاتا ہے، اب تمام جوانب پر سکون نظر آ رہا تھا کہ ایک روز کفار مکہ کے حلیف بنو بکر اور کفار مکہ نے مل کر عہد شکنی کی تو ۸ ھ ماہ رمضان المبارک میں اللہ کے رسول ﷺ نے

لشکر جرّار کے ساتھ کعبۃ اللہ کا رخ کیا اور مکہ کی گلیوں میں حرکت نظر آنے لگی اور حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو کعبۃ اللہ میں داخل ہوجائے وہ بھی مامون اور جو اپنے گھر کو بند کرلے وہ بھی مامون اور جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوجائے وہ بھی مامون، بیت اللہ میں سرداران قریش کو جمع کیا گیا اور ''الیوم یوم الجزاء'' کی صدائیں گونجنے لگی لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے تمام کو معاف کردیا، اس طرح مکہ فتح ہوا۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے حنین کا رخ کیا اور فتح حنین کے بعد غزوۂ تبوک وجود میں آیا۔ اس کے بعد ''ورایت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً'' کا پس منظر سامنے آیا، مناسک حج وجود میں آئے اور آخر کار محبوب کو لقائے محبّ کا شوق بڑھا، دل کی کلیاں فرط مسرت سے لہلہا اٹھیں، اور جذبۂ وصالِ محبّ پیمانۂ قلب سے ابھرنے لگا تو خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کو اختیار دیا اور محبوب نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دے دی۔ (مشکوۃ شریف)

حضور ﷺ پر حالت نزع طاری ہوئی وہ تکلیف دہ کیفیت کون بھول سکتا ہے؟ کہ خیبر میں یہودیہ عورت زینب بنت حارثہ نے حضور ﷺ کو زہر آلود گوشت کھلا یا تھا تحقیق کے بعد وہ عورت اور چند یہود ہاتھ بھی آئے پر میرے محبوب کے حسن خلق کو تو کوئی دیکھے! ان تمام کو معاف کردیا، سبحان اللہ! اللہ نے اپنے محبوب ﷺ میں اخلاق کا ایک حصہ سمودیا تھا، میرے محبوب ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں اخلاق کی تعلیم دے گئے۔

آج حضور ﷺ کی سیرت کے بیش بہا سمندر سے اس غلام رسول ﷺ کے ہاتھ جو موتی لگائے ہے وہ یہ کہ غیر مسلم ہماری عبادتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ ہمارے اخلاق کو دیکھتے ہیں، یہ کلام اگر میں حلفیہ کہوں تو بھی مبالغہ نہیں ہوگا کہ آج بھی اگر ہم مسلمانوں کے اخلاق حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہوجائیں تو اس عالم کو پھر سے ایک بار اسلام کی چوکھٹ پے سر جھکانا ہوگا۔

مقالہ نگار: محمد قمر الزماں مدھوبنی　　　　مقالہ نمبر: ۱۲
متعلم : دارالعلوم صوفی باغ، سورت

ألحمدلله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى،أما بعد
صدر ذی وقار، قابل احترام علمائے کرام اور گرامی قدر سامعین!
آج کی مجلس میں میرے مقالہ کا موضوع ہے، ''حضور ﷺ کی مدنی زندگی: از ہجرت تا وفات''

محترم حضرات! قبل اس کے کہ مدنی دور میں آپ ﷺ کی سرگرمیوں کو بیان کیا جائے، یہ بات اصولی اور موضوع کو سمجھنے کے لئے لابدّ ی ہے کہ اس شہر کے احوال بیان کئے جائیں، جسے خالق کائنات نے اسلام کی دعوت کے ظہور کا مرکز بنانا طے کیا تھا، اور جہاں آپ ﷺ اللہ کی نصرت وحمایت پر بھروسہ کر کے اپنے محبوب و مالوف وطن چھوڑ کر ایک نئی تاریخ کا آغاز کرنے جا رہے تھے۔

مدینہ کی طبعی اور جغرافیائی کیفیت: مدینہ جغرافیائی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ وہ شاہراہ مدینہ منورہ سے صرف اسّی میل پر تھا، جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے شام جاتے آتے تھے اور اس شاہراہ کو قریش کے لئے اقتصادی شہ رگ کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر یہ شہر زراعتی زمینوں سے بھرپور تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے باشندے عام طور پر کسان اور زمیندار اور کھجور وانگور کے باغات کے مالک ہوتے تھے۔ البتہ یہود کے مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے، اس کے علاوہ وہ سنار

اورزرگری کا پیشہ کرتے ،لیکن پھر بھی اکثر باشندوں کا انحصار زراعت اور باغبانی پر تھا، جنگی نقطۂ نظر سے بھی اس کی اہمیت مسلّم تھی کیوں کہ پورا شہر قلعوں پر مشتمل تھا،اس کے علاوہ مدینہ میں حرات نے (جلے ہوئے سیاہ پتھروں) مشرقی اور مغربی جانب کو بند کر دیا تھا اور جنوبی جانب نخلستانوں، باغات اور گنجان آبادی نے بیرونی حملہ کو مشکل کر دیا تھا،شمالی جانب صرف تھوڑا سا حصہ ایسا تھا جہاں سے مدینہ پر چڑھائی کی جا سکتی تھی، جنگ احزاب کے موقع پر اسی حصے میں خندق کھودی گئی تھی (رسول رحمت :ص/۱۶۹)

باشندے: ہجرت سے پیشتر یثرب کی آبادی دو گروہوں پر مشتمل تھی،اول عرب جن کے دو بڑے قبیلے تھے اوس اور خزرج ، یہ عام عربوں کی طرح بت پرست تھے۔دوسرا گروہ یہودیوں کا تھا، جو تین قبیلوں میں منقسم تھا، بنی قریظہ ، بنی نضیر اور بنی قینقاع ، یہ کہنے کو تو دین موسوی کے پیرو تھے ،مگر حقیقۃً ان کی اعتقادی ،عملی اور اخلاقی زندگی اس درجہ بگڑ چکی تھی کہ اسے اصل دین یہود سے کوئی مناسبت نہیں رہی تھی۔

(رسول رحمت:ص/۱۷۰)

حضرات !ان حالات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یثرب نام کا یہ علاقہ کوئی گاؤں نہیں تھا، بلکہ ایک ترقی یافتہ شہر تھا، جہاں کی فضا اس لائق تھی کہ دعوت حق کا اس کو مرکز بنایا جائے ،اور اسلام کی نشر و اشاعت میں وہاں کے باشندے اہم کردار ادا کریں۔

اہل یثرب سے آپ ﷺ کی ملاقات بیعت اور ہجرت: حج کے زمانہ میں آں حضرت ﷺ لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تھے،اسی دوران عقبہ میں آپ ﷺ کی ملاقات قبیلۂ خزرج کے چند اشخاص سے ہوئی،تھوڑے تردد کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا،اس کے بعد دوسرے سال انصار کے بارہ آدمیوں نے

آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ ﷺ نے ان کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم بنا کر مدینہ بھیجا، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی پیہم سعی اور شب و روز کی محنت کے نتیجے میں اگلے سال ۱۳؍نبوی کو ۷۳؍مرد اور عورتوں پر مشتمل ایک وفد نے مقام عقبہ پر دست مبارک پر بیعت کی، اور آپ ﷺ کو یثرب ہجرت فرمانے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے اطمینان فرمانے کے بعد ان کی دعوت قبول کر لی، اور صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ مکّہ سے ہجرت کر جائیں، قریش کو جیسے ہی اس کی بھنک لگی تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی، لیکن ایک بڑی تعداد مدینہ پہنچ گئی۔

(سیرت ابن ہشام: ج ۱؍ص ۴۲۸ تا ۴۴۴۔ ترجمہ حضرت مولانا محمد رابع ندوی، از رہبرِ انسانیت)

حضور ﷺ کی ہجرت: جب مسلمان مکہ میں گنتی کے رہ گئے اور مشہور صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ باقی رہے، تو قریش مکہ نے آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کر کے آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا، لیکن اللہ کی طرف سے اسی رات آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ملا، آپ ﷺ اذن الٰہی سے امانتوں کا انتظام کر کے محاصرہ کرنے والوں کے سامنے سے نکل گئے، لیکن کسی کو بھنک نہیں لگی یہ واقعہ ۲۷ صفر ۱۳ نبوی بروز پنج شنبہ کا ہے (رحمۃ للعالمین: ص؍۸۴) آپ ﷺ اپنے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مکہ سے نکلے اور غار ثور میں تین دن قیام فرمانے کے بعد چوتھے دن آگے کی طرف روانہ ہوئے، کافروں نے پیچھا کیا مگر ناکام رہے۔ (رحمت عالم: ص؍۴۸)

مدینے میں آپ ﷺ کی آمد کی خبر ہو چکی تھی اور اہل مدینہ سراپا شوق بن کر انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے، ایک دن انتظار کر کے واپس پھرے ہی تھے کہ ایک یہودی نے مختصر سا قافلہ دیکھ کر پکارا، اے لوگو! تم جس کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا، اس آواز کو سنتے ہی سارا شہر تکبیر کے نعرہ سے گونج اٹھا۔ (سیرت ابن ہشام: ص؍۴۹۲)

قبا میں رسول اللہ ﷺ کا قیام اور مدینہ میں باضابطہ اقامت گاہ

رسول اللہ ﷺ نے قبا میں چار روز قیام فرمایا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی، وہاں سے آپ ﷺ بنی سالم بن عوف کی بستی کی طرف روانہ ہوئے اور ان کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، یہ مدینہ میں آپ ﷺ کی پہلی نمازِ جمعہ تھی۔(نبی رحمت :۲۶۲)

یہاں آپ ﷺ نبوی شان کے ساتھ چلے، انصار کے ہر قبیلہ اور ہر خاندان کی دلی آرزو تھی کہ انہیں میزبانی کا شرف بخشا جائے، لیکن یہ شرف حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاریؓ کے مقدر میں لکھا تھا، چناں چہ میزبان ضیافت اور خدمت سے مشرف ہوئے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے وہاں دس مہینہ سے زیادہ قیام فرما کر مسجد کی تعمیر کی اور سکونت کے لئے گھر بنائے اور مالک نے زمین ہدیہ کرنے کے باوجود کسی نہ کسی طرح قیمت دے کر زمین حاصل کی اور مسجد کی تعمیر میں بنفس نفیس شریک رہے۔

(رسول رحمت:۲۲۹)

مواخاۃ اور یہود سے معاہدہ: مہاجرین مکہ مکرمہ سے بے سروسامان آئے تھے، اس لئے آں حضرت ﷺ نے ان کے اور انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کر دیا۔(سیرۃ النبی: ج ۱/ص ۱۶۹) انصار مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کے اثاثہ، مال و دولت، زمین جائیداد ہر چیز میں اختیار دیتے تھے، مہاجر جواب دیتے کہ مجھے بازار کا راستہ بتادو۔(نبی رحمت ﷺ: ص/۲۶۵) مدینہ میں رسول ﷺ نے مہاجرین وانصار کے لیے ایک تحریر تیار کی جس میں یہود سے امن وامان کا معاہدہ تھا، معاہدہ کی شقیں سیرت ابن ہشام میں ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ میں ایک نئی جماعت کا ظہور: مدینہ میں جب اسلام کو امن و استحکام

کا موقع ملا اور ایک اسلامی معاشرہ اپنے تمام شرائط ولوازمات کے ساتھ وجود میں آ گیا تو ایک نئی جماعت نے اپنے بال و پر نکالے، جو بظاہر مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، لیکن بباطن مسلمانوں کے دشمن تھے، اور انہیں زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، یہ گروہ منافقین کا گروہ تھا، جس کے سردار عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔

(سیرۃ ابن ہشام۔۵۸۴)

مدینہ کے بقیہ ایّام اور حالاتِ زندگی: یہود ابتدا میں کسی قدر غیر جانب دار رہے لیکن بعد میں انہوں نے اپنا رویہ بدلا اور خفیہ وعلانیہ دونوں طریقوں سے اسلام کی مخالفت کی اور مقابلہ کے لیے میدان میں اتر آئے، ایک طرف یہود کا یہ معاہدانہ رویہ تھا اور دوسری طرف اپنے ہی افراد میں چھپے منافقین تھے اور تیسری طرف قریشِ مکہ کا تعاقب تھا، جو انہوں نے مسلمانوں کے مدینے روانہ ہونے پر بھی نہیں چھوڑا، کیوں کہ انہیں پختہ اندیشہ تھا کہ محمد ﷺ مدینہ میں اپنے اصحابؓ کے ساتھ اسلام کو استحکام بخش کر ان پر ضرور زمین تنگ کریں گے، ظاہر سی بات ہے کہ جب کسی سلطنت کے خلاف سہ طرفہ محاذ قائم ہو اس وقت ان کے خلاف نرم رویہ اختیار کرنا عقلمندی کے خلاف ہے، اللہ کی طرف سے حکم ہوا" أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا" اس سے ان کو مسلح مقابلہ کرنے کی اجازت مل گئی اور پھر جب دشمن کی طرف سے مسلح کاروائی زور وقوت سے ہونے لگی، تو مقابلہ کرنے کی باقاعدہ تاکید کی گئی "وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَاتَكُونُ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰه"(رہبر انسانیت :ص/۲۲۲) چنانچہ جب واضح طور پر جہاد کا حکم مل گیا تو کفار کی چیرہ دستیوں کی روک تھام کے لئے آپ ﷺ نے سرایا کا آغاز فرمایا، لیکن جب پرستارانِ باطل نے پوری قوت کے ساتھ حق کی آواز دبانے اور اسلام کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی تو اہل حق کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور باقاعدہ غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا، چناں چہ ۲ھ

میں غزوۂ بدر، شوال ۳ھ میں غزوۂ احد، شوال ۵ھ میں غزوہ خندق اوراسی سال غزوۂ بنی قریظہ نے باطل کی ہوا اکھاڑ دی۔ ذی قعدہ ۶ھ میں قریش نے مسلمانوں کو بیت اللہ جانے اور عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی اور صلح کے شرائط پیش ہوئے، حضور ﷺ نے بظاہر بہت دب کر صلح کی لیکن اس صلح کے نتائج بہت حوصلہ افزا ثابت ہوئے، ۸ھ میں قریش کے معاہدہ کی خلاف ورزی پر حضور ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کر دی، دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ مسلمان جونہایت عاجز اور بےبس ہوکر بےسروسامانی کے عالم میں مکہ سے اپنے ہی گھر بار کو چھوڑ کر نکلے تھے، فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں، قریش مکہ نے اپنے معبودوں کی لاچاری کھلی آنکھوں دیکھ لی، جوعین وقت پران کو دغا دے گئے، بلکہ خود ان معبودوں کا ہی صفایا ہو گیا اور اللہ کے گھر میں ۳۶۰ بتوں کی جگہ اسلام کا پھریرا لہرانے لگا، فتح مکہ کے بعد چند ہی غزوات پیش آئے۔

غزوات پر ایک طائرانہ نظر: ان تمام غزوات وسرایا میں جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے بھیجے گئے جتنا خون بہایا گیا، جنگوں کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی، ان تمام غزوات کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں دونوں فریق شامل ہیں (زاد المعاد ماخوذ از رحمۃ للعالمین) لیکن اس قلیل تعداد نے انسانوں کو جس ارزانی وبےآبروئی سے بچایا اس کا مکمل جائزہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

حجۃ الوداع: یکم ذی قعدہ ۱۰ھ میں ہر طرف منادی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اس سال حج کے ارادہ سے مکہ معظّمہ تشریف لے جائیں گے، یہ خبر دفعۃً پورے عرب میں پھیل گئی اور سارا عرب ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا جن کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار

تھی۔ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے عرفات میں مشہور خطبہ دیا جس میں آئندہ کے لیے ہدایات اور ضابطۂ حق کا واضح اعلان اور انسانی خوبیوں کی حامل زندگی کے جامع اور مفصل تصور کے اصول ظاہر فرمادیے۔ (رہبر انسانیت: ۳۴۰)

دین کی تکمیل: روح قدس کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان درجہ کمال تک پہنچ جائے، حجۃ الوداع میں یہ اہم فرض ادا ہو چکا، توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کر کے عرفات کے مجمع میں اعلان کر دیا گیا، ”اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِینًا“ اور موجودہ انقلاب دنیا کی آنکھوں نے دیکھا، جس کے اثر سے جاہلیت کا ایک ایک نشان مٹ کر رہا اور اسلامی معاشرت دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا گئی۔

وفات: آخر وہ وقت بھی آ پہنچا جس کے تصور کے لیے نہ صرف مسلمان بلکہ دنیائے انسانیت تیار نہ تھی، یہ وقت کائنات انسانی کے لیے مصیبتِ عظمیٰ اور حادثۂ کبریٰ ثابت ہوا، چار دانگ عالم میں حیرت تھی کہ وہ کس طرح غیر متوقع طور پر ہادیٔ اکبر، مصلحِ اعظم کے فیضِ صحبت سے محروم ہو گئے؟ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا قلب اس کے باور کرنے کو تیار نہ تھا اور قلب جو کچھ چاہتا تھا آنکھیں اس نظارہ کو واپس نہیں لاسکتی تھیں، دل پاش پاش تھے، جگر شق ہو رہے تھے، چشم گریاں اشک سیلاب بہا رہی تھی۔ کیوں کہ آج ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ کو آفتاب عالم پورے عالم کو ہدایت کے نور سے منور کر کے ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ۔

(قصص القرآن: ج/۴، ص/۳۸۹)

مقالہ نگار: محمد شاکر میرٹھی
مقالہ نمبر : ۱۳
متعلم: جامعہ زکریا، جوگواڑ، نوساری

ألحمدلله رب العٰلمين، والصلٰوة والسلام على أشرف الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه وأزواجه وأهل بيته اجمعين الطيبين الطاهرين، امابعد:فاعوذبالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم ﴿لَقَدْجَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌعَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ﴾

ہماراعقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ صرف محبوب بلکہ حبیب بھی ہیں، آنحضرت ﷺ کے صفات عالیہ اورفضائل متکاثرہ اورمحاسنِ جمیلہ اورنعوتِ رفیعہ نے آپ ﷺ کوحبیب خدااورمحبوبِ خلق خدا بنادیا۔

میں چاہتا ہوں کہ ایسے بلند ترین نبی ﷺ کی سیرت پرمختصر مقالہ پڑھ کرسعادت حاصل کروں۔

ہجرت کاقدم اورمدنی زندگی کے چندگوشے: توحیدورسالت کی دعوت مکہ اور اطراف واکناف کوجب نا قابل قبول ہوئی توحق تعالیٰ نے آپ ﷺ کےصبرواستقلال پرآپ ﷺ کیلئے (یثرب) مدینہ منورہ کاراستہ کھول دیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ یثرب کے چھ/٦ یا آٹھ/٨ آدمی جوحج کیلئے آئے تھے ایک جگہ اپنے بال منڈوارہے تھے آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے گئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی دعوت پیش فرمائی، کلام اللہ شریف کی آیتیں پڑھ کرسنائی سننے

والوں کی پاک روحیں متوجہ ہوئیں اور پھر کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے مقاصد میں سے اہم مقصد اس کلمہ کی دعوت واشاعت ہے مناسب ہو تو مدینہ چلوں! تو ان حضرات نے فرمایا جنگ بعاث کے سبب حالات ناگزیر ہیں اگر کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہوگئی تو آپ ﷺ کا تشریف لانا مفید ہوگا، دوسرے سال پھر اس قسم کی مفید کوشش ہوئی تو ایک قافلہ نے آپ ﷺ کے دستِ بافیض پر معاہدہ فرمایا جو ''بیعت عقبہ دوم'' کے نام سے سیرت کا حصہ ہے، ان کوششوں نے آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کی راہ ہموار فرمادی، مگر چونکہ آپ ﷺ مأمور من اللہ تھے اس لئے حکم الٰہی کے منتظر تھے، ایک روز اچانک حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ارادۂ ہجرت کا اظہار فرماتے ہوئے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ توقف کیجئے امید ہیکہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ نے سفر کیلئے دو اونٹنیاں خرید لیں اور سفر کا نقشہ ذہن میں جما کر ضرورت کی تمام چیزیں مہیا فرمالیں، نیز حضرت ﷺ کی اجازت اور حضرات انصار کی دعوت پر بہت سے اصحابؓ ہجرت مدینہ کر چکے تھے جن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ہیں جنہوں نے وہاں پہنچ کر تعلیم وتعلم کا ایسا سلسلہ جاری کیا کہ ایک بڑی جماعت دین حنیف کی گرویدہ ہوگئی، مکہ والوں کو آہستہ آہستہ گھاٹی کی بیعت، ہجرت کرنے والے اصحابؓ کی کارکردگی اور مکہ سے باہر اسلام کی ترقی کا اندازہ ہوا تو دارالندوہ میں عرب رہنماؤں کا ایک اجلاس ہوا جس میں چند تجاویز پیش ہوئیں۔

(۱) محمد ﷺ کو جیل میں بند کردو (۲) محمد ﷺ کو وطن سے نکال دو (۳) مگر ایک نجدی شخص بولا یہ سب باتیں غیر مفید ہیں لہٰذا میری رائے ہے کہ انہیں قتل کردو (۴) ابوجہل کی بھی یہی رائے تھی کہ آنحضرت ﷺ کو قتل کردو، خون بہا ہم سب مل کر ادا کردیں

گے۔ لہٰذا اس کام کو پورا کرنے کی غرض سے چند آدمی آپ ﷺ کے مکان کے قریب پہنچ گئے ابوجہل ،ابولہب،امیہ بن خلف،عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دروازہ سے اندر جھانکنے لگے مگر آدھی رات کے بعد حضرت ﷺ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر سورۂ یٰسین کی تلاوت کرتے ہوئے بڑے اطمینان کے ساتھ گھر سے نکل جاتے ہیں ،مکہ والے ضابطۂ اخلاق کو توڑ کر مکان میں گھس کر بستر والے سے دریافت کرتے ہیں محمد ﷺ کہاں ہے؟ بستر پر حضرت علیؓ تھے جواب دیتے ہیں کہ مجھے کیا خبر؟ حضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے ،حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پشت کی طرف سے کھڑکی سے نکل کر غارِ ثور روانہ ہوئے۔تین روز غارِ ثور میں قیام فرمایا حضرت عبداللہ بن ابوبکر حالات کا جائزہ لے کر شام کے وقت حالات سے باخبر کردیتے۔حضرت عامر بن فہیرہ شام کے وقت بکریوں کو غار پر لے جاتے اور آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو دودھ پلاتے صبح بکریاں مکہ لے آتے۔

عبداللہ بن اریقط کو جو (خریت) یعنی ماہر طریق تھے دونوں اونٹنیاں حوالے کردی کہ چوتھے دن صبح غارِ ثور پر لے آئے وہ آئے اور ساحل سمندر کے راستے پر لے چلے،آنے جانے والوں کے ذریعہ مدینہ والوں کو آپ ﷺ کے آنے کی اطلاع ہوگئی تھی لہٰذا لوگ مدینہ سے نکل کر حرہ میں آپ ﷺ کا انتظار کرتے اسی انتظار میں دوپہر ہوجاتی مسافروں کی آمد کا وقت ختم ہوجاتا تو بے تاب واپس ہوجاتے ،ایک روز اسی مایوسی کے عالم میں آواز سنی کہ تمہارے مہمان آ گئے ،اہل قبا کی خوش نصیبی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پڑی ،بے تابی سے دوڑے،حرہ پہنچ کر استقبال کیا،حضرت ﷺ نے داہنی طرف رخ کیا اور بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہوئے،حضرت کلثوم بن ہدم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ نے قیام ان کے یہاں فرمایا نیز حضرت سعد بن حیثمہ کا

مکان آپ ﷺ کی نشست کیلئے طے ہوا جس میں مجلس تلقین وتذکیر ہوا کرتی تھی،علیٰ حسب الاختلاف چار یا چودہ یا اٹھارہ روز کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے،قبیلۂ بنی سالم میں پہنچے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا،آپ ﷺ نے جمعہ کی نماز یہاں ادا فرمائی نماز کے بعد یہاں قیام کیلئے متعدد اصحابؓ وانصارؓ نے تقاضا فرمایا مگر آپ ﷺ نے فرمایا میری سواری جہاں بیٹھے گی وہاں میں قیام کروں گا،آپ ﷺ کی سواری بنی نجار میں جا کر بیٹھی قیام کی سعادت حضرت خالد بن زید ابوایوب انصاریؓ کو نصیب ہوئی،سب سے پہلے ہدیہ حضرت زید بن ثابتؓ کی والدہ نے پیش فرمایا جس کو آپ ﷺ نے تناول فرمایا یہ کھانا گھی والی روٹیاں تھیں جو دودھ میں چور دی گئی تھیں (مالیدہ) مدینہ قیام کے بعد اہل خانہ کو بلایا،حضرت زید بن حارثہؓ کو ۵۰۰ درہم دیکر مکہ مکرمہ بھیجا کہ متعلقین کو لے آئیں۔حضرت رقیہؓ حبشہ میں تھی،حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ہاں تھی لہٰذا حضرت زیدؓ کے ساتھ دو صاحبزادیاں حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ آئیں۔ان کے علاوہ حضرت زیدؓ اپنی اہلیہ حضرت امِ ایمنؓ اور اپنے فرزند حضرت اسامہؓ کو بھی ساتھ لے آئے۔ان سب کو حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔حضرت حارثہ بن نعمانؓ وہ خوش نصیب صحابیؓ ہیں جنھوں نے ازواجِ مطہرات کے حجروں کے لئے موقع بہ موقع اپنی تمام جائداد آنحضرت ﷺ کی نذر کردی۔

اقامتِ صلوٰۃ اور تعمیراتِ مساجد

قبا پہنچ کر سب سے پہلے آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی،مدینہ تشریف فرما ہونے کے بعد جس جگہ اونٹنی بیٹھی تھی وہاں مسجد نبوی تعمیر فرمائی۔قبیلۂ بنو نجار کی سوا سو گز سے کچھ زائد زمین جو دو یتیموں کی ملکیت تھی۔(سہلؓ وسہیلؓ) مسجدِ نبوی کے لئے خریدی،مالکان نے ہدیۃً پیش کی مگر آپ ﷺ نے منظور نہ کی کیونکہ یہ دونوں یتیم تھے۔

دس دینار قیمت تجویز کی گئی، جسے حضرت ابو بکرؓ نے ادا فرما کر زمین مسجد کیلئے وقف کردی۔ تحویل قبلہ کے بعد جنوبی دروازہ بند کرکے اس سے متصل ایک چبوترہ بنایا گیا جسے اصحاب صفہ کا چبوترہ کہا جاتا ہے، آپ ﷺ کے دولت کدہ کے قریب آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے جو موضع الجنائز کے نام سے موسوم ہوا۔ قیام مدینہ میں آپ ﷺ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ مہاجرین وانصار کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی جس کا اثر انصار مدینہ پر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کیلئے اپنی جائدادمیں سے حصہ نکال دیا یہی نہیں دو بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی سے نکاح کی پیشکش فرمائی، یہ تربیت کا اثر تھا کہ بعض مہاجر بھائیوں نے اپنے انصاری بھائی کا شکریہ ادا کیا اور پیش کش قبول فرمائی مگر حضرت عبدالرحمٰن جیسے باہمت و باکمال شخص نے فرمایا بھائی آپ مجھے بازار کا راستہ بتائیں۔ میں تجارت کرکے اپنی ضروریات پوری کرلونگا۔

مقالہ نگار: حافظ محمد اکرام راجستھانی
مقالہ نمبر: ۱۴
متعلم: جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

نبوت ملنے کے بعد جناب رسولِ اکرم ﷺ نے کانٹوں بھری وادی میں سفرِ رسالت کا آغاز کیا اور تیرہ سال تک جاری رہا۔ اس دوران آپ ﷺ نے اپنی جان ان کے پیچھے کھپا دی لیکن یہ کفار مکہ تھے کہ مڑ کر دیکھنے کو تیار نہیں تھے، ظلم تو یہ ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ کبھی تپتی ریت پر لٹاتے تو کبھی راستہ پر کانٹے بچھاتے، کبھی ساحر و کذاب کہتے تو کبھی مجنون کہتے، آخر ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، جب پانی سر سے اوپر چڑھ گیا پیمانۂ صبر لبریز ہو کر چھلکنے لگا تو حکمت الٰہی اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اب اس وادی میں زندگی بسر کرنا بے سود ہے، لہذا یہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا جائے اور یہی ہوا۔ کفار کی بہت سی امانتیں آپ ﷺ کے پاس تھیں، ایک طرف کفار آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے تو دوسری طرف اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس محفوظ سمجھتے تھے، ان کی امانتیں واپس کرے تو راز کھلنے کا اندیشہ تھا اور امانتیں لوٹانا یہ بھی ذمہ داری تھی، صرف اس ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو موت کے فراش پر لٹانا منظور تھا، مگر کسی کی امانت رہ جائے یہ گوارہ نہ تھا، کردار کی یہی دھار ہے جس کی کاٹ بڑے سے بڑے مخالف کو جھکا سکتی ہے اور اسلام اپنے ماننے والوں میں یہی اخلاق و کردار دیکھنا چاہتا ہے، دوسری طرف کفار قتل کے درپے تھے لیکن آپ ﷺ ان محاصرین، دل کے اندھوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر سورۂ یٰسین پڑھتے ہوئے

صاف نکل گئے، کسی کو ہوا تک نہ لگی، صحیح ہے ”جسے خدا رکھے اسے کون چکھے“؟ موت و حیات کی کشمکش کا یہ عجیب وغریب واقعہ ۲۷ صفر المظفر ۱۳ نبوی بروز پنج شنبہ پیش آیا۔

واقعۂ ہجرت اپنے اندر کئی عبر و دروس لئے ہوئے ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے، اگرچہ خواہشات و جذبات کو پامال کرنا پڑے، اعزہ و اقارب اور محبوب وطن کو چھوڑنا پڑے، اسی میں کامیابی ہے، دوسرے یہ کہ جو آدمی اللہ عزّ وجلّ کے دین کے خاطر اپنے محبوب وطن کو الوداع کہتا ہے تو پھر قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نصرتیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ راہیں کھول دیتے ہیں اور عزت وغلبہ عطا کرتے ہیں، جو قومیں ہجرت کے کڑوے ذائقہ کو چکھنا نہیں چاہتی وہ کبھی بھی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتی۔

بہر حال آپ ﷺ ان مراحل سے گزرتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچے اہل مدینہ بڑی بے تابی سے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، مدینہ میں فرحت و مسرت کا سماں تھا، معصوم بچے کہتے پھرتے کہ فخر دو عالم ﷺ آرہے ہیں، انصار ہتھیار سے سج دھج کر بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔ جب آپ ﷺ قبا پہنچے تو سارا خاندان خوشی سے جھوم اٹھا، انصار کے اس پُر جوش استقبال میں ہمارے لیے درس عبرت یہ ہے کہ آپ ﷺ تو رہے نہیں کہ استقبال کرے لیکن آپ ﷺ کی سنت باقی ہے لہذا ہم کو اسی جوش وشوق سے آپ ﷺ کی سنت کا استقبال کرنا چاہیئے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کو عاشق بن کر زندہ کیا جائے، پھر آپ ﷺ نے یہاں پہنچ کر سب سے پہلے مسجد تعمیر کروائی، اسمیں خود سرکار دو عالم ﷺ نے ایک مزدور کی حیثیت سے شرکت فرما کر بھاری بھاری پتھر منتقل فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو سب سے پہلے اپنے ایمان اور شعائر دین کی فکر

کرنا چاہئے، نیز کتنا بھی بڑا آدمی ہو اس کو نیک کام کی طرف سبقت کرنی چاہئے اپنے کو مستغنی نہ سمجھنا چاہئے۔

۱۴ دن کے قیام کے بعد آپ ﷺ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، چند روز کے قیام کے بعد یہاں بھی سب سے پہلے اللہ کے گھر کی بنیاد ڈالی اس سے اسلام میں مساجد کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے ایک بڑی مصلحت کے پیش نظر انصار و مہاجرین کو مواخات کی لڑی میں پرویا، یہ مواخات اپنی نوعیت کی منفرد اسلامی و عالمی اخوّت کی اساس تھی، جو ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لیے برپا ہو رہی تھی، قبائلی عصبیت کی جگہ رنگ و نسل، زبان و وطن اور خاندان سے بالاتر ایک ملّت کی تشکیل درکار تھی، ایک مقصدِ حیات سے وابستہ رکھنا تھا، اس موقع پر انصار نے جود و سخاوت کے دروازے مہاجرین پر کھول دیئے اور دنیا کو ہمدردی اور غم خواری کا ایک ایسا عظیم سبق سکھلایا کہ شاید انسانی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ دوسری جانب جفاکش، محنت و مشقت کے عادی خوددار مہاجرین تھے، انہوں نے فقط اسی ایک جملہ ''آپ کا مال آپ کو مبارک ہمیں بازار کا راستہ بتلا دیجئے'' سے دنیا کو بتا دیا کہ ہماری ہجرت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے، ہم اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ سے لینگے اور یہ بھی بتلا دیا کہ مؤمن خوددار ہوتا ہے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

اس طرح مکہ چھوڑے ہوئے ایک سال مکمل ہو گیا، دوسرے سال رمضان المبارک میں حق و باطل کا زبردست معرکہ پیش آیا، جس میں ایک طرف مسلمان بالکل نہتے تھے تو دوسری طرف ہتھیاروں سے مسلح سپاہی تھے، کس کو معلوم تھا کہ یہ نہتے کفار کی دندناتی تلواروں سے زندہ لوٹ آئیگے، لیکن قضا و قدر کے فیصلہ کو کون ٹال

سکتا ہے؟ ان نہتوں نے ایسی شکست فاش دی کہ کفر کی کمر ٹوٹ گئی، کفار کی شان و شوکت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا، اور اللہ رب العزّت نے براہِ راست نصرت فرما کر بتادیا کہ حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا ہے، حق کے پرستار ہمیشہ غالب رہتے ہیں، گو تعداد میں قلیل ہی کیوں نہ ہو! فتح و نصرت کا مدار ہتھیار کی فراوانی اور افراد کی کثرت پر نہیں! بلکہ اس کا مدار نصرتِ الٰہی پر ہے۔

ہجرت کے ۳ سال بعد غزوۂ احد پیش آیا، جس میں یہ عظیم سبق ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو بسروچشم قبول کرلیا جائے، انحراف کی صورت میں جیتی جنگ شکست کے انجام تک پہنچ سکتی ہے۔

۴ھ میں بیر معونہ کا واقعہ پیش آیا، جو اہل اسلام کے لئے عظیم سانحہ تھا۔ ۵ھ میں غزوۂ احزاب پیش آیا، یہ ان اہم واقعات میں سے ہے جس کے اثرات اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، دعوتِ اسلام کے مستقبل، دین حق کے فروغ اور اسلام کی پیش قدمی میں بہت دوررس ثابت ہوئے۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی، جس کو اللہ نے فتح مکہ کے لئے پیش خیمہ ثابت کیا۔ ۸ھ میں آپ ﷺ ۱۴۰۰ اصحابہؓ کے جلو میں فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے، جب کوئی فاتح لشکر کسی بستی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے باشندوں کی جان و مال اور عزت وآبرو نشانہ پر آجاتی ہے، تاریخ کی آنکھ ایک انوکھے فاتح کو دیکھ رہی تھی جس فاتح کی گردن عاجزی سے جھکی جارہی تھی یہاں تک کہ ریش مبارک کجاوہ کو چھو رہی تھی، وہ فاتح جو ایک دن اپنے اسی محبوب وطن سے بے وطن کیا گیا تھا، کیا کیا اذیتیں اس کو نہیں دی گئی تھی؟ وہ سب چہرے سامنے ہیں لیکن سب کو معافی کا پروانہ دیا جارہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آج میں وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہا تھا۔ ”لَا تَثرِیبَ عَلَیکُمُ الیَوم، اِذهَبُوا فَأَنتُمُ الطُّلَقَاء“

یہ ہے رحمت عالم ﷺ کی رحمت جس نے نکتہ چینی کرنے والوں کے منہ پر مہرِ سکوت ثبت کر رکھی ہے۔

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بدر سے لے کر تبوک تک تقریباً ۲۷ غزوات اور ۳۸ سرایا پیش آئے، جس کے نتیجے میں دنیا کی کایا پلٹ گئی، عدل وانصاف قائم ہوا، ایک عورت تنہا مدینہ سے صنعاء جارہی ہے لیکن اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی خوف اس کو نہیں ہے۔ یہ صرف اور صرف غزوات نبوی ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، دیگر عالمی جنگوں کے بعد اس نتیجہ کا اثر ہی ظاہر نہیں ہوا، بلکہ قتل و غارت گری میں اور اضافہ ہوا۔ اسی وجہ سے مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں کہ '' آپ ﷺ ۱۰ سال کی قلیل مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر گئے۔''

آگ و پانی کا اجتماع تو دیکھئے کہ اتنی جنگوں میں فریقین کے کل ۱۰۱۸ افراد کام آئے جن میں سے ۲۵۹ افراد نے جام شہادت نوش کیا اور باقی ۷۵۹ جہنم رسید ہوئے، اس تجزیہ سے جہاد نبوی کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ غزوات نبوی ﷺ دنیا کے لئے بربادی کا سامان نہیں! بلکہ سراپا رحمت ہے۔

۱۰ھ میں آپ ﷺ نے ۹۰ ہزار جانثار صحابۂ کرامؓ کے ساتھ حج اسلام کر کے اسلام کو اکمال تک پہنچایا۔ قرآن کی آیت نازل ہوئی اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم..... الخ

الغرض عاشق و معشوق میں کافی مدت سے جدائی چلی آرہی تھی، اب جدائی دائرۂ تحمل سے باہر نکل رہی تھی اسلئے اللہ پاک نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنے پاس بلالیا، آپ ﷺ زندگی کی ۶۳ بہاریں پا کر محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونِ۔ وَلَلآخِرَۃُ خَیرٌ لَّکَ مِنَ الاُولیٰ)

یہ جاں گداز اور روح فرسا واقعہ جس نے ارض وسما کو نبوت ورسالت کے فیوض وبرکات اوروحیٔ ربّانی کے انوار وتجلیات سے محروم کیا۔ ماہ ربیع الاول بروز پیر دوپہر کو پیش آیا اور اس خبرِ قیامت صغریٰ کا کانوں سے ٹکرانا تھا کہ صحابہؓ کے ہوش وحواس اڑ گئے، مدینہ میں تہلکہ مچ گیا، ہرکوئی حیران وششدر تھا حتی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے تلوار سونٹ لی، حضرت عثمان غنیؓ سکتہ کے عالم میں تھے لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک پرمغز خطبہ دیا، جس میں آپ ﷺ کی وفات حسرت آیات کی طرف اشارہ کرنے والی قرآنی آیات تلاوت کی تو صحابہؓ سے غم کے بادل چھٹنے لگے اور قلب وجگر تسلی محسوس کرنے لگے۔ اور یقین کرلیا کہ وادیٔ فاران سے طلوع ہونے والا سورج واقعۃً اپنے ظاہری وجود کے ساتھ ہم سے رخصت ہو چکا ہے، کیونکہ وہ اپنا مشن پورا کر چکا ہے، اس کے دم سے انسانیت کی کشت زار لہلہانے لگی ہے۔ چمنستانِ عالم کی روٹھی ہوئی بہار واپس آچکی ہے اور وہ بھی محض اپنے ظاہری وجود کے اعتبار سے گئے ہیں ورنہ ان کا پیغام باقی ہے، ان کا نام زندہ ہے اور اس وقت تک زندہ رہیگا جب تک زمین پر آسمان کی کرنیں پڑتی رہے گی۔

یَا ربِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ۔ عَلیَ حَبِیبِکَ خَیرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم !

مقالہ نگار: محمد عابد بادر پوری مقالہ نمبر: ۱۵
متعلم: جامعہ اسلامیہ امداد العلوم، وڈالی

ألحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین،وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

محترم ومکرم جناب صدر محترم اور سامعین کرام!

اس مبارک و پرنور محفل میں عالم انسانی کی جس عظیم شخصیت کی مدنی زندگی پر مقالہ پیش کرنے کی مجھے دعوت دی گئی ہے، اس کی عظمت ورفعت اور بلند مرتبہ کے بارے میں کلام کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، ساڑے چودہ سو سال (۱۴۵۰) سے اہل قلم ان کی شان میں لکھتے آرہے ہیں اورتا قیامت لکھتے رہیں گے لیکن حق تو یہ ہے کہ لکھتے لکھتے قلموں کی روشنائی ختم ہوجائے گی لیکن مقدّس عالی صفات کے حامل شخص کا حق امتیوں سے ادا نہ ہوسکے گا، بہرکیف اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے اعتراف کے ساتھ جو چند سطور تحریر کر کے لایا ہوں وہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں، امید ہے کہ دھیان سے سن کر ہمت افزائی فرمائیں گے۔

محترم حضرات! اللہ کے رسول ﷺ کا مکّی زندگی میں جب مصائب وآلام جھیلتے ہوئے پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور کفار کی مخالفتوں اور اذیتوں کی وجہ سے آپ ﷺ کے قلب پر بوجھ محسوس ہونے لگا، ان حالات میں منیٰ گھاٹی کے پاس ۱۱ھ نبوی میں بیعت عقبہ اولیٰ پیش آئی اور کچھ اہل یثرب نے اسلام قبول کیا اور بیعت عقبۂ اولی

کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیج دیا، اور انہوں نے اسعد ابن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا اور دین کے مبادیات اور اسلام کے مسائل سے اہل یثرب کو روشناس کیا، مصعب ابن عمیرؓ کی کدو کاوش زرخیز ثابت ہوئی اور یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا، نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ھ نبوی میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں پر مشتمل ایک وفد مکۃ المکرّمہ آیا اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت اسلام کی اور ساتھ ساتھ یہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ آپ ﷺ مکۃ المکرّمہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے آئیں اور اس کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنائیں۔

یثرب میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو اجازت دی کی مکّہ سے ہجرت کر جائیں، رفتہ رفتہ صحابۂ کرامؓ کی بڑی تعداد یثرب پہونچ گئی، اور کچھ شب و روز کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہوئے، دوران سفر سراقہ ابن جعشم کی قتل کی ناپاک سازش دھری کی دھری رہ گئی، آخر نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ یثرب پہونچ گئے اور آپ ﷺ کی آمدِ بابرکت کی بدولت یثرب مدینۃ المنورۃ کے مبارک نام سے موسوم ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کو ضیافتِ نبوی کا شرف حاصل ہوا، پھر آپ ﷺ نے ان کے مکان کے سامنے والی زمین کو خرید کر اس میں ایک مسجد تعمیر فرمائی جس نے مسجد نبوی کے نام سے شہرت پائی۔ شب و روز گزرتے رہے اور اسلام کا یہ پودہ دن بدن پھلتا اور پھولتا رہا۔

بھلا اہل مکہ کب گوارہ کر سکتے تھے کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی مدینہ منورہ میں چین سے بیٹھے رہیں اور اسلام کا درخت بارآور ہوتا رہے انہی ایام میں اتفاقاً ابو

سفیانؓ کا قافلہ ملک شام سے تجارتی سامان کے ساتھ لوٹ رہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو روکنا چاہا کہ اسلام اور اہل اسلام کی مضبوط اقدامی حیثیت سے انہیں روشناس کیا جائے، لیکن اس مرتبہ وہ راستہ بچا کر بھاگ نکلے، کفارِ مکّہ اس اقدام سے کب راضی ہو سکتے تھے؟ مکّہ پہونچ کر مبارزت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف فوراً کوچ کیا اور بدر کے مقام پر ۲ھ میں معروف معرکہ ''معرکۂ بدرالکبریٰ'' پیش آیا، اور انصار و مہاجرین نے جان کے نذرانے پیش کئے، تائید ربانی ''وَلَقَد نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدرٍ وَّأَنتُم اَذِلَّة'' کی شکل میں شاملِ حال رہی اور ایک تاریخ ساز نتیجہ سامنے آیا کہ قلیل لشکر نے کثیر لشکر کو زیروزبر کر دیا اور فتح کے نعروں کے ساتھ صحابۂ کرامؓ مدینہ منورہ واپس لوٹے، لیکن سال پورا ہوتے ہی غزوۂ اُحُد پیش آیا جس میں بعض صحابہؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے اہل اسلام کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ''اِن یَمسَسکُم قَرحٌ فَقَد مَسَّ القَومَ قَرحٌ مِثلُه وَتِلكَ الاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَینَ النَّاس'' کے ذریعہ آپ ﷺ کو اور صحابہؓ کو تسلی دی، بعدازاں سلسلۂ غزوات بلاانقطاع چلتا رہا، شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب پیش آیا جس میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر اللہ کے رسول ﷺ نے عمل کیا اور مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھدوائی، ایک مرتبہ آپ ﷺ خندق کے قریب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین وانصار صحابہؓ سخت ٹھنڈک میں خندق کھودنے میں مصروف ہیں تو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے اَللّٰهُمَّ لَا عَیشَ اِلَّا عَیشُ الآخِرَة فَاغفِرِالاَنصَارَ وَالمُهَاجِرَة تو صحابہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا ''نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّداً، عَلَی الجِهَادِ مَا بَقِینَا اَبَدًا'' نیز غزوۂ خندق میں کفارِ مکّہ اسلام کو نیست و نابود کرنے کا عزم

صمیم لے کرآئے تھے جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں کھینچا ہے ''اِذجَاءُ وکُمْ مِنْ فَوقِکُمْ وَمَنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ.....الخ ''لیکن نصرتِ الٰہی شاملِ حال رہی اور قتال کی باقاعدہ نوبت پیش نہ آئی ،اسی طرح کفارِ مکّہ کا جو بادل بڑے زوروشور سے اُٹھا تھا وہ گرج چمک کر بِن برسے نکل گیا۔اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے بعد قریش تم پر چڑھ کر نہ آئیں گے، پھر جو بھی غزوات پیش آئے ان میں اہل مدینہ نے باہر جا کر جنگ کی، بعدازیں حضرت نبی کریم ﷺ کو بنو قریظہ کے نقض عہد کی اطلاع حضرت جبرئیلؑ نے دی تو آپ ﷺ نے مع صحابہؓ وہاں کی طرف کوچ کیا اور پچیس ۲۵ روز کے طویل محاصرہ کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ کے بے لاگ فیصلہ پر عمل کیا گیا اور اس فیصلہ کو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق بتایا، اس کے ایک سال بعد غزوۂ بنو مُصْطلِق پیش آیا جس میں آپ ﷺ کے ساتھ منافقین بڑی تعداد میں شریک ہوئے جو اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے،اس موقع پر واقعۂ اِفک کے ضمن میں ان کی ناپاک سازشوں کا پردہ وحیِ الٰہی کے ذریعہ چاک کیا گیا۔ بعدازاں ذی قعدہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے اہل مکّہ سے اس طرح صلح کی جس کو ذلت آمیز صلح سمجھی گئی، لیکن دراصل وہ کھلی ہوئی فتح تھی جیسا کہ قرآن کریم میں'' اِنَّـا فَتَحْنَالَکَ فَتْحًا مُبِینًا'' آیت مقدسہ واضح کررہی ہے جس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ ۸ ھ میں مکّہ مکرمہ میں آپ ﷺ شاہانہ کرّوفر کے بجائے نیاز مندانہ داخلہ فرماتے ہیں اور آپ ﷺ کا سرِ مبارک عبدیت اور تواضع کے غلبہ سے بالکل جھک جاتا ہے،اور آپ ﷺ بطور شکرانہ سورۂ فتح کی تلاوت فرمارہے ہیں اور '' اَلْیَوْمُ یَوْمَ

الْـمَـلْـحَمَة" میں لام کو را سے بدل کر اپنے رحم وکرم کا ثبوت دیتے ہیں، جس کو آیتِ مقدسہ "وَمَـا اَرْسَـلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِين" بحسن خوبی ثابت کر رہی ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ اپنے مقام پر پہنچے اور لوگ بھی مطمئن ہو گئے تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے، بیت اللہ کا طواف کیا اور اپنی کمان کے ذریعے کعبہ میں موجود ۳۶۰ بتوں میں سے ہر ایک کو کچو کا لگاتے رہے اور فرماتے رہے، "جَـاءَ الْـحَـقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلَ إِنَّ الْبَـاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" اسی کے ساتھ یہ تمام ایک ایک کر کے منہ کے بل گرتے جاتے تھے اور آیت مذکورہ کا مصداق بنتے جاتے تھے، دوسری طرف مصداقِ آیت کریمہ "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ" کے پیکر جمیل نے اہل مکہ کے ساتھ اخلاق وکردار کا وہ بیش بہا نمونہ پیش کیا کہ لوگ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تمہارے ہی ساتھ جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے؛ اپنوں کے علاوہ دشمنوں نے بھی آنکھیں بچھائیں اور اخلاق کریمہ سے متأثر ہو کر بہت سے فاسق وفاجر متقی اور پرہیز گار بن گئے۔

پھر وہ ہر میدان کا شہسوار ۸ ھ شوال المکرّم، غزوۂ حنین میں بھی ثابت قدم رہا جبکہ دشمنوں کی شماتت اور ضعیف الایمان حضرات کی لغزشیں مسلمانوں کو متزلزل کر رہی تھیں محض اس لئے کہ مسلمانوں نے کثرتِ افراد کو باعث فخر وسببِ فتح سمجھ لیا تھا، جس پر اللہ نے زمین کو باوجود کشادہ ہونے کے تنگ کر دیا پھر نصرتِ الٰہی نے ہاتھ پکڑا اور چھ ہزار غلام و باندیاں، چوبیس ۲۴ ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مال غنیمت میں دی اور مسلمانوں کے خلاف جو آگ سُلگ رہی تھی وہ غزوۂ حنین کے بعد ہمیشہ کے لئے سرد پڑ گئی۔

رجب ۹ ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تبوک کا سفر درپیش

ہے اور سپر پاور حکومت سے ٹکراو ہے اور پھر غزوۂ تبوک کا وہ اثر پڑا جو فتح مکہ سے کم نہ تھا جس کا لبِّ لُباب یہ تھا کہ باطل طاقتیں مسلمانوں کو لقمۂ تر یا مال مفت نہ سمجھ بیٹھیں، جب مشیتِ الٰہی کی تکمیل ہوگئی، امت کے نفوس بت پرستی کی آلودگیوں اور جاہلیت کی عادتوں سے پاک اور ایمان کی روشنی سے منور ہوگئے، ان کے دل کی سرد بھٹیوں میں شوق ومحبت کی چنگاریاں پیدا ہوگئیں، مسلمانوں میں حج کا نیا شوق پیدا ہوگیا اور محبت و عشق کا جام نہ صرف لبریز ہوا چھلکنے لگا، جدائی کی گھڑی بہت قریب آگئی اور حالات کا تقاضہ ہوا کہ امت کو الوداع کہا جائے تو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ۱۰ھ میں حج کی اجازت عطا فرمائی، اسلام میں آپ ﷺ کا یہ پہلا حج تھا، آپ ﷺ نے مدینہ سے اس غرض سے سفر کیا کہ حجِ بیت اللہ ادا کریں گے، مسلمانوں سے ملیں گے، ان کو دین کی تعلیم دیں گے، مناسک حج سکھائیں گے، حق کی شہادت دیں گے، اپنا فرض ادا کریں گے، مسلمانوں کو آخری نصیحت اور وصیتیں کرینگے، ان سے عہد پیمان لیں گے، جاہلیت کے آخری آثار ونشانات کو مٹا کہ قدموں سے پامال کریں گے یہ حج ہزار وعظ اور ہزار درس وتعلیم کے قائم مقام تھا، یہ دراصل چلتا پھرتا مدرسہ، ایک متحرک مسجد اور ایک گشتی چھاؤنی تھی جہاں ایک جاہل علم سے آراستہ ہوتا، غافل اپنی غفلت سے بیدار ہوتا، سست وکاہل چست وچالاک اور کمزور طاقتور بنتا، ایک ابر رحمت سفر وقیام ہر حال میں اور ہر وقت ان پر سایہ فگن رہتا، یہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور آپ ﷺ کی محبت وشفقت اور آپ ﷺ کی تربیت اور نگرانی اور رہنمائی کا ابر رحمت تھا۔

حج میں آپ ﷺ نے میدان عرفات کے وسط میں اپنی قصواء اونٹنی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک مہتم بالشان خطبہ دیا جس میں آپ ﷺ نے اخلاق وکردار کے قیمتی موتی بیان کئے اور صحابہؓ کو دین اسلام کی تکمیل پر گواہ بنایا اور میدان عرفات ہی میں

غروب آفتاب تک دعا و مناجات اور مالک الملک کے حضور تضرع و ابتہال اور اپنی عاجزی و بے چارگی میں مشغول رہے، دعا میں آپ ﷺ اپنا دست مبارک سینہ تک اٹھائے ہوئے تھے جیسا کوئی سائل اور مسکین نان شبینہ کا سوال کر رہا ہو، اسی موقع پر آیت کریمہ 'الیوم اکملت لکم دینکم الخ' نازل ہوئی، گویا اشارہ تھا اس بات کا کہ ہم نے آپ ﷺ کو دعوت وتبلیغ کے لئے بھیجا تھا واقعۃً آپ ﷺ نے اس کا حق ادا کر دیا، پیغام ہدایت لوگوں تک پہونچا دیا، امانت الٰہی بے کم وکاست موصول کر دی، راہ حق میں قربانی اور جاں فشانی کا حق ادا کر دیا، پھر یوم النحر میں منیٰ میں آپ ﷺ نے ۶۳ تریسٹھ اونٹوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کئے وہی تعداد آپ ﷺ کی عمر شریف کے برسوں کی ہے، حج کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور ماہ صفر کو دوشنبہ کے روز علالت کا آغاز ہوا جبکہ آپ ﷺ جنت البقیع میں مدفون اہل قبور کے لئے دعاءِ مغفرت کر کے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ کے سر مبارک میں سخت درد تھا، علالت میں اضافہ ہوتا رہا، آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہؓ کے یہاں آخری وقت گزارا اور فرماتے تھے کہ عائشہؓ میں اس کھانے کی تکلیف اب تک محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، اس وقت اس زہر سے میری رگِ ابہر کٹ رہی ہے، وفات کے قریب آپ ﷺ کی زیادہ تر وصیت یہ تھی اَلصَّلٰوۃُ وَمَامَلَکَت اَیمَانُکُم آپ ﷺ اس جملے کو بار بار فرماتے یہاں تک کہ زبان سے ان الفاظ کا ادا کرنا مشکل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سینۂ مبارک سے ان الفاظ ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں آپ ﷺ پر

معوّذتین پڑھ کر دم کرنے لگی کہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا ''إلی الرفیق الاعلی إلی الرفیق الاعلی'' حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت جدائی کی گھڑی قریب آ گئی تو اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا، ایک گھڑی کے لئے آپ ﷺ پر غشی طاری ہوتی پھر آپ ﷺ کو ہوش آتا اور آپ ﷺ چھت کی طرف نظر اٹھاتے اور فرماتے ''اللھم الرفیق الاعلی'' یہ وہ آخری الفاظ تھے جو رحلت کے وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے اس کے بعد آپ ﷺ دار فانی سے دار باقی کی طرف کوچ فرما گئے'' إنا للہ وإنا الیہ راجعون'' آپ ﷺ کی وفات دوشنبہ کے روز ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو زوال کے بعد ہوئی جبکہ عمر شریف تریسٹھ سال تھی یہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ تاریک اور وحشت ناک دن تھا، سب سے بڑا صدمہ اور ابتلا تھا اور مسلمان ہی نہیں پوری انسانیت کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مقالہ نگار: عبدالرشید مولانا سراج خانپوری　　　مقالہ نمبر : ۱۶
متعلم: دارالعلوم بڑودا، تاندلجہ

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم، أما بعد

﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

یا صاحب الجمال ویا سیّد البشر　　من وجهك المنیر لقد نوّر القمر
لایمکن الثناء کما کان حقّه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصّه مختصر

کائنات کی علم بھری مجلس میں اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کونسی ہستی ہے جس کے کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہو کہ اس کے اقوال، افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مزاق طبیعت، اندازِ گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے، پینے، پھرنے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، ہنسنے، بولنے کی ادا، اس کی نقل و حرکت، حالت بیداری اور حالت نوم، کتابوں میں محفوظ ہو تو اس سوال کے جواب میں صرف اور صرف ایک ہی صدا بلند ہوگی۔

محمد عربی، محمد عربی، محمد عربی فداہ ابی و اُمّی!

جناب مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں، حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ۳۰۰ برس بعد وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے

اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے، قدرت خود ہر چیز کا اندازہ جاننے والی ہے اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیّا کر دیتی ہے۔

حضرات ! جس آیت کا میں نے سہارا لیا ہے اس میں مفسرین کے قول کے مطابق آپ ﷺ کی مدنی زندگی کی طرف اشارہ ملتا ہے، ''وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى'' آپ ﷺ کا ہر آنے والا وقت پہلے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا، وقت کے ساتھ ساتھ ہماری محبت بھی اور بڑھتی جائیگی، بالکل انھیں الفاظ میں اے میرے محبوب ﷺ عالم ارواح سے آپ کا بطن مادر میں آنا زیادہ بہتر، بطن مادر سے ولادت کا ہونا زیادہ بہتر، بچپن کا زمانہ اس سے زیادہ بہتر، پھر آپ کی جوانی آپ کے بچپن سے زیادہ بہتر، آپ کا کنوارا پن بہتر ہے تو آپؐ کی شادی اس سے زیادہ بہتر، پھر آپ کی اولاد ہونا اس سے زیادہ بہتر، گویا ہر آنے والا وقت آپ ﷺ کے لئے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر ہوگا۔

آپ ﷺ کا غار حرا میں بیٹھ کر میری عبادت کرنا بہتر تھا، مگر نبوت ملنا اس سے زیادہ بہتر تھا، پھر معراج پر جانا اس سے بھی زیادہ بہتر، پھر آپ ﷺ کا مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اس سے بھی زیادہ بہتر، پھر آپ ﷺ کا بدر و احد میں جانا فتح پانا اس سے بھی زیادہ بہتر، مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہونا اس سے بھی زیادہ بہتر، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا سب صحابہؓ کے سامنے خطبہ دینا اس سے بھی زیادہ بہتر اور پھر آپ ﷺ کا دنیا سے پردہ فرما کر میرے پاس آجانا اس سے بھی بہتر! وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى ۔آپ ﷺ کا آنے والا وقت آپ کے گزرے ہوئے وقت سے زیادہ بہتر، ہر لمحہ، ہر دن آپ کی خوشیوں میں اضافہ ہوگا، آپ کی عظمتوں میں اضافہ ہوگا، لہذا اے میرے محبوب ﷺ آپ ذرہ بھی نہ گھبرائیے، آنے والا وقت بہتر ہی ہوگا۔

علماء نے فرمایا، آخرت سے مراد مدنی زندگی ہے اور اُولی سے مراد مکّی زندگی ہے، مدنی زندگی بہتر رہیگی مکی زندگی سے، اسلئے کہ مدینہ میں آنے کے بعد اجتماعیت حاصل ہوئی جو عبادت کی اصل روح ہے، یہاں آکر صحابہؓ سے ملاقات ہوئی جس وقت مدینہ میں آپ ﷺ کا داخلہ ہو رہا تھا مدینہ کا ہر فرد خوش نظر آیا، آپ ﷺ کا استقبال اس شان سے کیا کہ انصارِ مدینہ کے نوجوان ہتھیار لیے ہوئے راستے کے دونوں کناروں پر کھڑے ہو گئے، حبشی بچے تیر اور تلوار کے ذریعہ اپنے کرتب بتا رہے تھے، مدینہ کی خواتین آپ ﷺ کے چہرے کا جمال دیکھنے کے لئے اپنی گھروں کی چھتوں پر نکل آئی، ہر ایک کی زبان پر یہ ترانہ تھا :

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا　　مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا　　مَادَعَا لِلّٰهِ دَاع
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا　　جِئْتَ بِالامرِ الْمُطَاع

اور بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گا رہی تھیں

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِى النَّجَارِ　　يا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَار

ہم لڑکیاں ہیں بنی نجار کی محمدؐ کیا ہی اچھے پڑوسی ہیں۔
اور فرطِ مسرت سے ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر یہ الفاظ تھے
جاء نبی الله، جاء رسول الله ﷺ، آئے اللہ کے نبیؐ، آئے اللہ کے رسولؐ.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا اور جس روز آپ ﷺ نے وفات پائی اس روز ہر چیز تاریک تھی، ہم نے آپ ﷺ کو قبر میں رکھی مٹی سے ابھی اپنے ہاتھ بھی جھاڑے نہیں تھے کہ دلوں میں تغیر آ گیا اور مدینہ کی ہر چیز تاریک نظر آنے لگی۔

مدینہ منورہ ہی میں بنی سالم ایک جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نے پہلا جمعہ ادا کیا پہلا خطبہ دیا جس کی ایک کڑی یہ تھی ومن یصلح الذی بینہ وبین اللہ.........الخ

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلیا ظاہراور پوشدگی میں، اللہ تعالیٰ اس کے سارے امورکو درست کر دیگااور موت کے بعد آنے والی زندگی میں اجروثواب کا ذخیرہ کر دیں گے، جبکہ ہرآدمی ایک ایک نیکی کامحتاج ہوگا، پھر مدینہ میں آکراللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کووہ شان وشوکت سے نوازا کہ سلاطین وامرا کے نام آپ ﷺ نے ایمان کے دعوت نامے روانہ فرمائے، ان کوایمان واسلام کی دعوت دی کہ اس کوقبول کرلیں اس میں تمہارے لئے دنیاوآخرت میں سلامتی رہیگی، پھران میں سے جن سلاطین نے آپ ﷺ کی دعوت کوقبول کیا، دونوں جہاں میں کامیاب رہے اورجن لوگوں نے اس کا انکارکیا، دنیا میں بھی برباد ہوئے اورآخرت میں بھی ناکامی اورخسارے میں رہیں گے۔

مقالات فرع ثانی

”مکی دور“

مقالہ نگار :آصف اقبال دیولوی
متعلم :جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

مقالہ نمبر: ۱۷
فرع ثانی میں پہلا انعام یافتہ مقالہ

اہل مکہ نے جب کعبۂ مقدسہ کو صنم خانہ بنا دیا، ارباب مذاہب نے مذہب کی شبیہ بگاڑ کر پہچاننا دشوار کر دیا، تخت وتاج کے مالکوں نے انسانوں کے ایک طبقہ کو انسان ہی نہیں! حیوانوں کی فہرست سے خارج کر دیا، جہالت نے پورے کے پورے دور کو عرفاً اپنی طرف منسوب کرلیا، ضلالت نے ابن آدم کو ﴿كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ﴾ کا مرقّع بنا دیا، اورقدرت کی صنّاعی کے حسین پیکر پر ﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْض﴾ کے مہیب وممیت اندھیارے چھا گئے، تو بتقاضاءِ سنت الٰہی آفتاب نبوت کے ظہور کا وقت آ گیا، وہ تخم نبوت جو چالیس سال سے سینۂ محمد ﷺ میں نشونما پا رہا تھا عالمگیر فضاء کا متقاضی ہوا اور مالکِ دو جہاں نے دنیا جہاں والوں پر رحم کا ارادہ فرمایا تو آفتاب عالم تاب کی جلوہ نمائی سے پہلے پو پھٹی، جس کو ماں عائشہؓ نے "فكان لايرى رؤيا إلّاجائت مثل فلك الصبح" سے تعبیر کیا اور پھر تو ﴿والفجر والضحى﴾ اور ﴿والشمس﴾ کی منزلیں طے کرتا ہوا نصف النہار کا سورج بن گیا، جس کی روشنی میں ڈُھندلی آنکھ والا بھی ٹھوکر سے بچا، ہاں مگر اندھا اندھا ہی رہا، کیونکہ ازل نے اس پر ﴿وعلى أبصارهم غشاوة﴾ کا اٹل فیصلہ صادر کردیا تھا۔

حرا کی خلوتوں میں بے خودانہ اضطراب عشق کو ﴿اقرأ باسم ربّك﴾ کی شاہ کلید عطا ہوئی اور جملہ قفلھائے جہالت وضلالت اس چابی بردار کے ہاتھوں وا ہونے کے

لئے تیار ہو گئے، نبی ﷺ کو رب کا شرف تلمذ حاصل ہوا،علم نے عبادت پر تقدم پایا اور قلم نے من شاہ جہانم کہتے ہوئے آنے والی تغیر پذیر دنیا میں اپنے تفوّق کا اعلان کر دیا، احساس ذمہ داری نے گرچہ لسان مبارک سے زمّلونی کے الفاظ ادا کروائے مگر رفیقۂ حیات نے جو اس دن کی پہلے ہی سے منتظر تھی،سراپا شفقت،مجسم رحمت اور پیکر خدمت کو ''کلا واللہ لا یخزیك اللّٰہ أبدا '' کے الفاظ میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں،مبارک ہو،اللہ تعالیٰ کو آپ کی چالیس سالہ دُکھی انسانوں کی خبر گیری اتنی پسند آئی کہ اس نے ان کی روحانی تربیت کے لئے بھی آپ ہی کا انتخاب کرلیا، ورقہ بن نوفل نے بھی نہ صرف تصدیق کی،سابقین اولین میں اپنا نام درج کروا کر مکّہ کے طوفانی تیرہ سالوں کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا،اور یہی سے شروع ہوا مکی زندگی کے چار ادوار میں کا پہلا تین سالہ دور جو مخفی دعوت کا دور تھا اور جس میں آپؐ کو ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ کا مکلّف کیا گیا تھا۔

اسی دور میں نبی ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک حرف سے واقف افراد یعنی اہلیہ، برادر، رفیق اور خادم نے نبی ﷺ کا کلمہ پڑھکر نبی ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی شہادت دی اور اسی دور میں صدیقؓ کی دعوت پر وہ شرفائے مکہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے جن کے دلوں کے آئینے پر عناد کی دھول نہیں جمی تھی،تاہم دعوت کے عمل کو بے انتہا مخفی رکھا گیا اور کعبہ کے حقیقی وارث و محافظ نے ارقم بن ابی ارقم کے گھر کو راز دارانہ دعوت کے مرکز کا شرف بخشا، بلا اطلاع انقطاع وحی کے اس دور میں ارباب ایمان نے صبر و صلوٰۃ سے قوت اور کتمان حال سے استعانت کی،نجی دعوتوں اور خفیہ ملاقاتوں کا یہ سلسلہ مدّ ہم مگر مستحکم انداز میں جاری ہی تھا کہ ایک دن علیؓ کے مہمان ابوذرؓ دار ارقم میں حاضر ہو کر

ایمان سے مشرف ہوئے اور باوجود آنحضور ﷺ کے اخفاء ایمان کے امر کے، وجد و کیف کے عالم میں کعبہ پہونچ کر شہادتین کا بانگ دھل اعلان کر آئے، ابوذرؓ کا یہ علانیہ اقرار مکی دور کے دوسرے مرحلہ کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا، زمین نے آسمان سے دو بارہ رشتہ قائم کیا اور آپ ﷺ کو منصب رسالت پر فائز کرنے والی متعدد آیات یعنی ﴿یَا أَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾، ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُون﴾ اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤمَرُ﴾ کا نزول ہوا اور یہیں سے مخفی اور خاص دعوت کے بعد علانیہ اور عام دعوت کا دوسرا دور شروع ہوا۔

آپ ﷺ نے یاصباحاہ کا ہنگامی نعرہ دے کر لوگوں کو جمع کیا اور نہایت ہی حکیمانہ اسلوب میں مدّعیٰ رکھکر "یَاأَیُّهَاالنَّاسُ قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰه تُفْلِحُوا" کا انقلاب انگیز جملہ سنایا، چالیس سال کی کڑی آزمائش کے بعد امین وصادق کا لقب دینے والی قوم آج عناداً اپنا کہا بھول گئی اور "مَاجَرَّبْنَاعَلَیْكَ کَذِبًا" کہنے والی زبانوں پر "تَبّالَكَ" کا گستاخ جملہ جاری ہوگیا، نبی ﷺ جن کو ﴿والله یعصمك من الناس﴾ کی حفاظت حاصل تھی، اس دوسرے دور میں علی الاعلان دین کی دعوت شروع فرمادی، چراغ مصطفوی سے شرار بولھبی کی ستیزہ کاری شروع ہوئی، کمزوروں کو مشقِ ستم بنایا گیا، گھٹیا حرکتوں کا دور دورہ شروع ہوا، مگر اولوا لعزموں کے پائے استقامت میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی، ادہر ظلم کی انتہا تھی تو ادھر صبر کا اوج کمال، اُدھر پھونکوں سے چراغ بجھانے کی لاحاصل سعی تھی تو ادھر ﴿واللّٰه متم نوره﴾ کی پختہ منادی، جب کمزور مگر یقین کے پہاڑوں سے ٹکرا کر ظالمان کفر کا ہر حربہ واپس آیا تو خود نبی ﷺ کو قومی دباؤ اور لالچ کے ذریعہ خاموش کرنے کی اسکیم تیار ہوئی، صنادید مکہ کے تین وفود نے وقفہ وقفہ

سے ابو طالب کو ترک حمایت پر مجبور کیا، چچا نے جب ایک دن ان کی دھمکی کا اضطراباً ذکر کیا تو نبی ﷺ نے نبوی اعتماد سے بھر پور مضبوط و مستحکم موقف کا اعلان کیا کہ ''والله لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری لأن أترك هذا الدین لن أترکه ابداً، حتی تنفرد سالفتی او لینفذن الله امری "، چچا جان یا سر تن سے جدا ہوگا یا دین غالب آئیگا، تیسرے امر کی کوئی گنجائش نہین ، بھتیجے کی یقین میں ڈوبی ہوئی بات کا چچا پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اسی وقت تا حین حیات حمایت کا فیصلہ کرلیا، اور عندالمرگ حاضرین کو محمد ﷺ کی ہر بات مانتے رہنا اسی میں تمہاری عزت ہے کی وصیت کرتے گئے۔

علانیہ دعوت کے اس دور میں ظلم کی چکی ہر کہہ ومہہ کو پیسنے کے لئے تیز سے تیز تر ہوگئی صدیقؓ جیسا وجیہ و بےضرر آدمی جس کی اہمیت قارہ قبیلہ کا سردار فأن مثلك یا ابا بکر لا یخرج ولا یخرج'' کہہ کر بیان کرے ہجرت پر مجبور ہو جائے تو بے یارومددگار اور غریب الدیار اصحاب رسول ﷺ کی کیا بساط؟ بے چارے ایمان کی حفاظت کے خاطر صبر و تحمل کی سنت کے بعد ترک وطن کی سنت پر عمل کے لئے تیار ہو گئے، نجاشی کی جو آپ ﷺ کی شرافت و نبوت کا پہلے سے معترف تھا قسمت چمکی اور مہاجرین کے پہلے قافلے کے بارہ اور دوسرے کے تراسی مرد و عورت کو باعزت پناہ دے کر رسول ﷺ کی جانب سے عزت افزائی، احسان مندی اور دولت ایمان کا مستحق بنا، مہاجرین حبشہ کے تعاقب میں ناکامی اور حبشہ سے منہ لٹکائے واپس آنے کے بعد جب کفر کے سرغنوں نے مابقیہ اللہ کے نام لیواؤں پر شکنجہ کسنے کی حرکت شروع کی تو قادر مطلق کی قدرت بھی حرکت میں آئی اور دارارقم میں محصور، بے بس و مجبور مسلمانوں

کومراد نبی ﷺ عمر فاروقؓ اور سید الشھداء حمزہ بن عبد المطلب کا مضبوط وغیر متزلزل حصار عطا فرمایا اور دار ارقم نے بھی نبی ﷺ کے جیالوں کو دکھے دل سے بیت اللہ رخصت کیا، عمرؓ کی للکار اور حمزہؓ کی مار کے سامنے اکّے دکّے دندناتے پھرتے کفر کے شیر گیدڑ بن گئے،

مگر سن نبوی پانچ کے بعد شروع ہونے والے تیسرے دور میں کفر کی جماعت نے بل کھا کھا کر وار کیئے، اور انفرادی مخالفت سے بے بس ہوکر اجتماعی اقدام کی شکلوں پر غور وفکر کرنے لگے، دار الندوہ میں ایمر جنسی میٹنگوں کا دور شروع ہوا اور بالآخر شوشیل بائکاٹ کی رای پر اتفاق ہوا، اور اللہ کے اس پیارے نے مع رفقاءِ کار اجتماعی بائکاٹ کے شدائد جھیلنے کا تین سالہ کورس بھی پورا کرلیا، بھوک اور تکلیف کا معاملہ اس حد تک بڑھا کہ خود معاہدین نے اس کی شدت کو محسوس کیا اور اللہ کی ایک ادنی مخلوق نے اللہ کے حکم سے ظالمانہ عہد نامہ کا ایک ایک حرف چاٹ لیا، بس رہا نام اللہ کا، مقاطعہ کی ناکامی اور معاہدین کی یکے بعد دیگرے علحدگی سے آنحضرت ﷺ کو قدرے راحت ہوئی مگر دیکھتے ہی دیکھتے سن نبوی دس آگیا جسے تاریخ نے عام الحزن کا نام دیا، ابو طالب جو بائکات کی راتوں میں خطرہ کے پیش نظر نبی ﷺ کی خواب گاہ تک بدلنے کا اہتمام کرتے تھے، دنیا سے رخصت ہوئے اور خدیجہؓ جس کو نبی ﷺ مدۃ العمر "انہا کانت ما کانت" کہتے ہوئے یاد فرماتے رہے داغ مفارقت دے گئیں، گھر سونا ہو گیا، مجلس کی رونق چلی گئی، ابولہب سردارِ قبیلہ بنا، جس نے پہلے ہی جرگے میں اعلان کر دیا کہ محمد اپنے قول وعمل کا خود ذمہ دار ہوگا میں ان سے بری ہوں، مکہ کی سرزمین تنگ ہو گئی اور حالات نے ایسی کروٹ لی کہ نبی ﷺ مکہ سے باہر نئی پناہ گاہ کی تلاش پر مجبور ہو

گئے ، نئے افق کی شکل میں جب طائف بچند وجوہ موزوں نظر آیا تو آپ ﷺ نے راز دار خادم کو لے کر راز دارانہ انداز میں پیادہ پا طائف کا سفر کیا، مگر طائف نے جس کو آپ ﷺ دار الہجرت کا اعزاز دینے گئے تھے، بجائے پھولوں کے پتھروں سے استقبال کیا، نبی ﷺ نے گرچہ ایسا شدید دن اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا؛ ملائکہ کی انتقامی کارروائی کی پیشکش کو رد کر دیا اور پتھر برسانے والوں کو دعاؤں کا تحفہ دیا، جو دعائیں فقط اہل طائف کے لئے نہیں، اسلامیان ہند کے لئے بھی تھیں۔

آزمائش کے بعد عنایات کی الٰہی سنت نے نبی ﷺ کو اسی مکہ میں جواب بے سہارا سا نظر آتا تھا مطعم بن عدی کا سہارا عطا کیا، جس کے جنگ جو ہتھیار بند ہو کر طائف کے مظلوم کا استقبال کرنے کعبۂ مقدسہ پہونچ گئے اور عسر کے بعد یسرین والی سنت نے طائف میں کس مپرسی کے شکار کو، ایک ہی جست میں سدرۃ المنتھی کے پرے پہونچا کر، شرح صدر اور رفع ذکر سے سرفراز کیا، یہی نہیں اسی واقعہ نے یار غار کو بھی صدیق ؓ کے درجہ پر فائز کیا اور دعوت نئے اور آخری مرحلے میں داخل ہوئی، اس مرحلہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی تحریک کو طاقتور بنا کر قریش کی طاقت کو چیلنج کرنے کے ارادے سے، حج کے موسم میں قبائل عرب سے ملاقاتوں کا دور شروع فرمایا، پہلے ثقیف کے حریف بنو عامر سے بات چیت ہوئی مگر ان میں اقتدار کی حرص معاہدہ سے مانع بنی، قبیلۂ بنو شیبان سے تمام امور پر اتفاق ہو گیا، مگر ایرانی حکومت سے ان کے روابط اور کسریٰ کی ان پر چھائی دھاک کے سبب معاہدہ نا مناسب سمجھا گیا، درحقیقت وہ شرف جو کاتب تقدیر نے اہل مدینہ کے لئے لکھ دیا تھا ان سے کون چھین سکتا تھا؟ بالآخر بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ سے نبی ﷺ کا مدینہ سے رشتہ قائم ہوا، ارباب عقبہ ہی کے طفیل

مدینہ میں اسلام پھیلا اور انہیں مسلمانان مدینہ نے ایک دن مشورہ کیا کہ آخر کب تک ہم نبی ﷺ کو خوف و دہشت کے ماحول میں چھوڑے رکھینگے ؟ اب تو ہم اوس وخزرج بھی فریق نہیں رفیق بن گئے ہیں، چنانچہ پچھتر افراد پر مشتمل قافلہ حضور ﷺ کے پاس، مدینہ تشریف آوری کی درخواست لے کر پہونچا اور آدھی رات گئے منٰی سے دور، خلوت کی جگہ میں ابوبکرؓ و علیؓ کی پہرہ داری اور رازدار رسول ﷺ حضرت عباسؓ کی موجودگی میں مکمل احتیاط اور قلبی اعتماد کے بعد ہجرت کا منصوبہ بنایا گیا، اور انہیں میں سے بارہ کا بحثیت نقیب انتخاب عمل میں آیا۔

ہجرت کی تیاری شروع ہوئی، کفار مکہ جو حضور ﷺ کے صحیح سالم نکل جانے کو اپنے لئے خطرے کی گھنٹی مانتے تھے، آخری داؤ آزمانے کے لئے تیار ہو گئے اور شب ہجرت میں اس خونی پلان کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے، ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو ننگی تلوار کے ساتھ گھر مبارک کے باہر کھڑا کر دیا، آحضرت ﷺ طے شدہ پروگرام کے مطابق آرام سے نکلے، یٰسٓ کی ابتدائی آیات نے اپنا کمال دکھایا اور عرب کا یہ چاند مکہ کے دھندلکے سے نکل کر مدینہ کے روشن افق کی جانب روانہ ہو گیا، ہجرت کی مناسبت سے وہ واقعہ بھی ذکر کرتا چلوں جو تاریخ کا عجوبہ مگر نبی ﷺ کی روشن زندگی کا سنہرا ضابطہ تھا، وہ نوجوان جو ایک ہی وار میں نبی ﷺ کا کام تمام کرنے آئے تھے ان پر نبی ﷺ کی جان لینے کی دھن تو ضرور تھی، مگر اسی نبی ﷺ کے پاس موجود اپنی امانتیں واپس لینے کی فکر قطعاً نہیں تھی، کیونکہ نبی ﷺ کو ہمیشہ کی طرح آج بھی امین وصادق مانتے تھے، سچ کہا کہنے والے نے ”الفضل ما شهدت به الاعداء“ ، اور خود نبی ﷺ نے مکہ کو الوداع کہتے وقت بھی جان کے پیاسے دشمنوں کی امانتیں اپنے معتمد کو حوالے کر کے لفظ امانت داری کی آبرو بڑھا دی۔

یارِ غار کی معیت میں سفر ہجرت شروع ہوا، تلاش میں پورا مکہ حیران و سرگرداں ہوا، انعام میں سو نہیں دو سو اونٹ کا اعلان ہوا اور اسی سفر میں انسانی تاریخ کا وہ نازک ترین لمحہ بھی آیا کہ دشمن سر کے اوپر پہونچ گیا مگر اللہ کی کمزور مخلوق نے مغالطے کا سامان پیدا کر کے واپس لوٹا دیا، اور پھر سفر بھی اس شان سے ہوا کہ کبھی ام معبد کے خیمے میں معجزے کا ظہور ہوا تو کبھی پناہ گاہ کے متلاشی کو راستے ہی میں ساسانی حکومت کے زوال کا دل کی نگاہوں سے نظارہ کروایا گیا، جسے دیکھکر ہی تعاقب کرنے والے سراقہ کو امن نامہ دیتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سراقہ تیری کیا شان ہوگی جب کسریٰ کے کنگن تجھے پہنائے جائینگے مگر لوگوں کی نگاہوں نے زبان نبوت سے نکلے ہوئے الفاظ کا منظر جب دیکھا، جب عمر فاروقؓ نے کسریٰ کے کنگن پہنا کر سراقہ کی سواری کا مدینہ کی گلیوں میں گشت کرایا۔

ہجرت بظاہر مکّہ سے مدینہ کی جانب ہو رہی تھی لیکن بباطن مکّہ سے اٹھنے والا یہ بادل جسے پورے عالم پر برسنا تھا، پھیلتا ہوا آگے بڑھا اور حسب ضرورت پیاسی دنیا کی پیاس بجھانے کے عمل میں مصروف ہو گیا، مکّی دور کی انتہا اور مدنی دور کی ابتدا در حقیقت دعوت دین کے دو عظیم باب، ہجرت و نصرت کا پیغام ہے، جس میں یہ بات عملاً واضح کر دی گئی ہے کہ جس طرح دین اس کے ابتدائی دور میں مہاجرین کی ہجرت اور انصار کی نصرت سے پروان چڑھا تھا، قیامت تک انہیں دو پہیوں پر دین کی گاڑی سفر کرتی رہیگی اور یہی دو ستون اشاعت اسلام کے بنیادی ستون ثابت ہونگے، وہ بھی

خوش نصیب ہوگا جوانصار میں اپنانام درج کرالے اوروہ بہت زیادہ نیک بخت ہوگا جومہاجرین کی صف میں شامل ہوجائے اوراس کی قسمت کا تو ستارہ ہی چمک اٹھا جودونوں ہی فہرستوں میں شمار ہونے لگے،صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ، یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہےمحرومی............

وہ دانائے سبل مولائے کل ختم الرسل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن وہی فرقان وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

اعداد وتقديم : طلحه بمبئى
رقم المقالة : ۱۸
طالب: جامعة قاسمية، كهرود الفائزبالدرجة الثانية فى الفرع الثانى

أليس الصبح بقريب؟

لـمّـا تقارب عمر النبى ﷺ الأربعين، والإنسـانية واقـفة عـلـى شفاحفرة من النّار، حبّـب إليه الخلاء.[۱] دبـرالـلـه لـه هـذه العزلة لينقطع عن هموم الناس الصغيرة فيستعد الحمل الأمانة الكبرى وتغيير وجه الأرض. وكان ذلك قبل الرسالة بثلاث سنوات.[۲]

ولـمااتم الأربعين من عمره، ظهرت تباشير الصبح، كان لا يرى رؤياالا جاء ت مثـل فـلق الصبح، حتى مضت على ذلك ستة أشهر[۳]. فـلـما كان رمضان من السنة الثـالثة مـن عـزلتـه بحراء اذجائه اليوم الموعود فأنزل إليه جبريل بآيات من القرآن. (إقْـرأْ بِـاسْـمِ رَبِّك الـذى خَـلَـق......) الغريب الذى يسترعى انتباه المفكرين فى الـعـالم، هوذكر القلم فى هذا الوحى الأوّل، الذى ينزل على امى يبعث فى امة امية، فى بلد تعذر فيه وجود القلم، يدل ذٰلك على ربط هذه الأمة بالقراء ة ربطا وثيقا"[٤]

فترة الوحى ثم الأمر بالدعوة:

ثم انقطع الوحى أياما ليذهب الخوف، ويحصل التشوق الى الوحى،[٥] فلما حصل لـه ذلك وأخـذ يـرتـقـب مجىء الوحى أكرمه الله بالوحى مرة ثانية فأنزل(يااَيّهَا الْمُدَّثِّرُقُمْ فـأَنْذِرْ)[المدثر:١ـ٥)، [٦] فـقـام، فـظـل قائماًبعدهاأكثرمن عشرين عاماً؛لم يسترح ولم يعش لنفسه ولا لأهله. فهنايمكن تقسيم دعوة العهدالمكى إلى ثلاثة أدوار:

(۱) الدور الأوّل : الدعوة السرية :

قـام ﷺ بـعـدنزول آيات سورة المدثر بالدعوة إلى اللّٰه تعالى،وحيث إن قومه

(۱)سيـرة المصطفى ص:١٥١ـ(٢)الـرحيق المختوم ص ٦٥(٣) سيرةإبن هشام ص ٢١٧،فتح البارى ٢٧/١(٤) فى هامش السيرة النبوية الأبى الحسن الندوى ص١١٨(٥) حاصل ماقال الحافظ فى فتح البارى ٢٧/١(٦)تفسير القرطبى١٩ـ٦٠

كـانـوا جـفـاة لحجاة لهم الاأنهم ألفوا آباء هم على عبادة الأصنام ولا سبيل لهم فى حـل الـمشـاكـل الا السيف، وكـانـوا مع ذلك متصدرين للزعامة الدينية فى جزيرة العرب،ضامنين حفظ كيانها، فقدكان الحكمة تلقاء ذلك أن تكون الدعوة فى بدء أمرها سرية، لئلا يفاجىء أهل مكة بمايهيجهم .(١)

اسلام اهل بيته:

فـعرض الاسلام أولاً على ألصق الناس به من أهل بيته، وأصدقائه، فدعاهم إلى الإسـلام، فـكـان أول من استجاب له زوجته خديجة بنت خويلد، ثم مولاه زيد بن حارثةؓ وابـن عـمـه عـلى بن ابى طالبؓ،ثم صديقه الحميم أبو بكر الصديقؓ، فإسلام هـؤلاء يـدل عـلى صدقة واخلاصه وحسن سيرته فى السر والعلانية لأن اهل البيت أدرى بمافيه.(٢)

ثم نشط أبوبكرؓ فى الدعوة إلى الاسلام، فجعل يدعومن يغشاه ويجلس إليه، (٣) ودخـل الـنـاس فـى الإسـلام ارسـالامـن الـرجال والنساء، هكذا مرت ثلاثة اعوام، والدعوة لم تزل مقصورة عليه الأفراد.(٤)

(٢) الدور الثانى : الدعوة الجهرية :

لـمـاتـكـونـت جماعت من المؤمنين تقوم على الأخوة والتعاون، نزل الوحى يـكـلـف رسـول الله ﷺ بمعالنة الدعوة، وَأَنـذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ (سورة الشعراء :٢١٤)فَـاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡمُشۡرِكِينَ(سـورة الحجر: ٩٤) فخرج على جبـل الـصـفا ونادى بأعلى صوته،فاجتمعت إليه قريش فقال:" أرأيتكم لوأخبرتكم أن خيلاًبـالوادى بسَفْح هذا الجبل تريدأن تغير عليكم أكنتم مصدِّققىَّ ؟ قالوا :نعم، ماجرّبناعليك كذباً، ماجربنا عليك الاصدقًا فقال : " إنى نذيرلكم بين يدى عذاب

(١)الـرحيـق المختوم ص ٧٥ـ(٢) السيرة النبوية لأبى الحسن ص ١٢٠ (٣) سيرة إبن هشام ص ٢٢٨ (٤) المصدر السابق ص ٢٣٨.

شدید“ [1]وقد نبه بذٰلك بحكمةْ۔ لا حكمة فوقها۔ على ان العدو اللدود كامن فى نفوسهم، وهوأولى بأن يخافوه، فالجهل عن خالق هذا الكون ورب العالمين، وعبادة النفس والشهوات أعظم خطرا من جيش مترصد .[2]

إظهار العداوة

انفجرت مكة بمشاعر الغضب، حين سمعت صوتا يجهر بتضليل عباد الأصنام، كأنهاصاعقة قصفت السحاب،فرعدت وبرقت وزلزلت الجو الهادئ، وقامت قريش تستعدلحسم هذه الثورة، قامت لأنها كانت تعرف أن الإيمان ليس عبارةعن النطق بكلمة التوحيد فحسب بل هو الانقياد التام والتفويض المطلق بحيث لم يبق لهم خيار فى أنفسهم وأموالهم. [3] فمشى رجال من قريش إلى أبى طالب يطلبونه أن يكف ابن أخيه عماهوفيه، فبعث إلى رسول الله ﷺ فطلب منه أن يترك دعوته، فظن أن عمه خاذله فقال:”ياعمّ ! لو وضعوا الشمس فى يمينى والقمر فى يسارى على أن أترك هذا الأمرحتى يظهره الله أوأهلك فيه، ماتركته)، ثم بكى، وقام، فتحركت رحمة ابى طالب فأقسم ان لا يسلمه أبدا.[4]

محاربة قريش رسول الله ﷺ وأصحابه

فمضى يدعوإلى الله فيئست قريش،فنزل غضبهم على من أسلم معه، فجعلوا يعذبونهم بالضرب والجوع، والعطش،ثم اخترقت قريش ماكانت تخترمه، فمدت يد الاعتداء اليه.

كان عم عثمانؓ بن عفان يلفه فى حصيرمن ورق النخيل ثم يدخنه من تحته،[5] كانت زِنِّيرَةً أَمّةً رومية قدأسلمت فعذبت فى الله وأصيبت فى بصرهاحتى عميت.[6]كانت امرأةأبى لهب لا تقل عن زوجها فى عداوة النبى ﷺ، فقدكانت تحمل الشوك وتضعه فى طريقه وعلى بابه ليلاً.[7]

(١) سيرة المصطفى:ص١٩٥(٢)السيرةالنبوى لأبى الحسن الندوى :١٢٣(٣) الرحيق المختوم :٨٠(٤)سيرة إبن هشام:ص٢٤٠۔٢٤١(٥) رحمةللعالمين :ص ٥٥(٦) سيرة النبى ١٤٣/١(٧)رحمةللعالمين :ص ٦٥

الهجرة إلى الحبشة

كانت بداية الاعتداء ات فى أواسط السنة الرابعة من النبوة، بدأت ضعيفة، ثم لم تزل تشتد يوماً فيوماً،حتى تفاقمت فى أواسط السنة الخامسة، فلما رأى ما يصيب أصحابه من البلاء أشار عليهم بالهجرة إلى الحبشة وفى رجب سنة خمس من النبوة هاجرأول فوج من الصحابة الى الحبشة. كانوااثنى عشررجلاًوأربع نسوة،ثم استعدالمسلمون للهجرة مرة أخرى، وفى هذه المرة هاجرمن الرجال ثلاثة وثمانون رجلاً. (١) واستعراض قائمة المهاجرين يدل على شمول الدعوة للطبقات فى المجتمع المكى، ففيهاالغنى والفقير، والكهل والشباب، هذاكله يدل على شدة تأثير هذه الدعوة وقوتها.(٢)

إسلام ابن عبد المطلب وابن الخطاب

خلال هذاالجوالملبدبغيوم الظلم والعدوان ظهربرقان أضاء الطريق، الاوهواسلام عمربن الخطابؓ وحمزة بن عبد المطلبؓ، وكسواالمسلمين لباس العزة والسرور.

المقاطعة العامة

وأثناء هذه الفترة حاولت قريش بكل حيلة لحسم هذه الدعوة ولكن زادت حيرتها إذ نفدت بها الحيل فاجتمع المشركون، وائتمروا بينهم أن يكتبوا كتابا يتعاقدون فيه على مقاطعة بنى هاشم وبنى المطلب على ألا يناكحوهم، ولا يبايعوهم، ولايجالسوهم، ولا يخالطوهم، ولا يدخلوا بيوتهم، ولايكلموهم،حتى يسلمواإليهم محمدا للقتل تم هذا الميثاق وعلقت الصحيفة فى جوف الكعبة فحبسوا فى شعب أبى طالب، وذٰلك فى محرم سنة سبع من النبوة

(١)مختصرسيرة الرسول لعبدى الوهاب ص ٨٣-٨٥ بإختصار.(٢) السيرة النبويةلأبى الحسن الندورى ص ١٣٢

واشتد الحصار، والتجأوا الى أكل الأوراق والجلود، حتى كان يسمع من وراء الشعب أصوات نسائهم وصبيانهم يتضاغون من الجوع، ولكن النبى ﷺ لم يترك دعوته، مرت ثلاثة أعوام على ذلك، وفى المحرم سنة عشرمن النبوة فك الحصار.(١)

(٣) المرحلة الثالثة : دعوة الاسلام خارج مكة

وبعد الخروج من الشعب بستة أشهر لم يلبث أبو طالب أن وافته المنية ثم بعدوفاته توفيت خديجة رضى الله عنها،(٢) فاهتزت مشاعر الحزن فى قلب رسول الله ﷺ ، وتتابعت عليه المصائب، فخرج إلى الطائف رجاء أن يستجيبوا لدعوته، فأقام فيها عشرة ايام، لايدع أحداً من أشرافهم إلاجاءه وكلمه، فكذبوه وأغروا به سفهاءهم، فلما أراد الخروج تبعت سفهاؤهم يسبونه ويصيحون به، حتى اجتمع عليه الناس، فوقفواله فى صفين وجعلوا يرمونه بالحجارة. ورجموا عراقيبه، حتى اختضب نعلاه بالدماء.(٣)

الإسراء والمعراج

ثم أسرى به من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى ومنه إلى ماشاء من القرب والدنو، فكانت تسلية للخاطر وتعويضا عما لقيه فى الطائف من الذلة والهوان. قال العلامة السيدابو الحسن الندوى ماحاصله: " وقد ضمت قصة الإسراء أن محمداًهونبى القبلتين وإمام المشرقين والمغربين، فصلى الأنبياء خلفه، فكان إيذانا لعموم رسالته، أعلن إلاسراء أن محمدا ليس من طراز الزعماء الذين لاتتجاوزجهودها حدود البلاد،إنما هومن جماعة الأنبياء الذين يحملون رسالات السماء إلى الارض، ويحملون رسالات الخالق إلى الخلق وتسعد بهم الإنسانية على اختلاف شعوبها وطبقاتها.(٤)

(١) المصدر السابق ص١٣٨/١٣٩.(٢)سيرةإبن هشام:ص٣٢٦(٣) سيرة المصطفى:ص٢٩٧(٤) السيرة النبوية ص ١٤٨

عـرض الإسـلام على القبائل: بـدأ رسـول الـلـه ﷺ يعرض نفسه على قبـائـل العرب، يدعوهم إلى الاسلام وإلى أن ينصروه ويمنعوه حتى يبلغ ما بعثه الله بـه،وفـى مـوسـم الـحـج مـن سـنة "من النبوة وجد بذوراً صالحة، اذ لقى رهطا من الخزرج من الأنصار، فدعاهم إلى الله عز وجل، عرض عليهم الإسلام، فأسرعواإلى إجـابة دعوته، وأسلموا، وانصرفوا راجعين إلى بلادهم ودعواإخوانهم إلى الاسلام، حتى لم تبق دار من دور الأنصار إلاوفيه ذكر رسول الله ﷺ.

بيعة العقبة الأولى :حتى إذاكان العام المقبل جاء اثنا عشر رجلاً، فبايعون عـلـى التوحيد، والتعفف من السرقة والزناوقتل الأولاد والطاعة فى المعروف. فلما هم القوم بالانصراف بعث معهم مصعف بن عميرؓ.

بيعة العقبة الثانية وطلائع الهجرة:

ثـم فـى مـوسم الحج فى السنة الثالثة عشرة من النبوة حضرلأداء مناسك الحج بضع وسبعون نفساً من المسلمين من أهل يثرب، فبايعوهم رسول الله ﷺ.

فـلمابايع هذا الحى من الأنصار على الإسلام والنصرة له، أمر أصحابه بالهجرة إلـى الـمـديـنة، وأقـام بـمكة ينتظر الإذن من الله فى الخزرج من مكة، فلماأذنه الله تـعـالـى انتـقـل هـذا النور من بطحاء مكة إلى ثنية الوداع وحق على أهل مكة قوله تعالى "وان تتولوا يستبدل قوماغيركم ثم لا يكونوا أمثالكم". (سورة محمد ٤٧)

درس من هذا الدور : إن من سنّة الله تعالى أن المسلمين لوكانوا مغلوبين مـخـذولـيـن ولـكـنهـم يتـمسكون بذيل نبيهم الكريم ويعتصمون بحبل الله المتين فهـو سـوف يـفرج عنهم ويجعلهم خلفاء فى الأرض، فان مع العسر يسرا ولن تجد لسنة الله تبديلا. تم البحث بالخير والحمد لله بنعمته تتم الصالحات

(١) الرحيق المختوم:ص ١٣٠ ـ١٣٦ (٢) سيرة ابن هشام ص٣٧٣ (٣) الرحيق المختوم:١٤٧

مقالہ نگار: عبدالحنان بن مولانا شفیع پالنپوری　　　مقالہ نمبر : ۱۹
متعلم: دارالعلوم سعادت دارین سنتپون،　　　فرع الثانی میں تیسرا انعام یافتہ مقالہ

ألحمد لله على سابغ افضاله والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله ۔
وبعد:

ہو بیاں کچھ شان عالی احمد مختار کا　　　ہے یہی اہل محبت کے لئے خمر کہن

بعثت سے پہلے انسانیت اپنے محافظ کی تلاش میں: امام الرُّسل، فخر موجودات، محسنِ انسانیت اور ہادئ عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے عالم انسانیت سسک رہا تھا، گلشنِ ارضی ماتم کدہ کی شکل میں تبدیل ہوکر رہ گیا تھا، انسان وحشی درندہ بنا ہوا تھا، بدکاریوں اور بے حیائیوں کا دور دورہ تھا، بقول قاضی سلیمان منصور پوریؒ ''تہذیب واخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آسکتے تھے؛ مگر دلوں پر کوئی اثر نہ تھا''۔ (رحمۃ للعالمین ج:۱ص:۵۱) انسانیت بھی اپنے محافظ کی تلاش میں تھی، ایسے ابتر حالات میں رحمتِ خداوندی جوش میں آکر انسانیت کی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کرتی ہے اور بعثتِ نبوی کی شکل میں جلوہ گر ہوکر معمارِ انسانیت کو مبعوث کرتی ہے۔

ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو۔ اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

قربِ زمانۂ بعثت: بعثت سے سات برس پہلے حضور ﷺ کو ایک روشنی نظر آنے لگی تھی، جس میں کوئی آواز نہ تھی، بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا چلا گیا، اُسی قدر مزاجِ

اقدس میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی چلی گئی ،عامۃً پانی اور ستو لے کر شہر سے دور سُنسان جگہ کوہ حرا (جبلِ نور) کے ایک غار میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مگن رہتے تا آنکہ پانی اور ستو ختم ہو جائے ، پھر شہر میں تشریف آوری ہوتی ،اسی درمیان صالح خواب نظر آنے لگے، جو کچھ رات کو خواب میں دیکھتے تھے، دن میں ایسا ہی منصۂ شہود پر آ جاتا تھا۔

(ملخّص از رحمۃ للعالمین: ج۱/ص ۴۶/۴۷)

آفتابِ نبوت کا ظہور: باطنی طور پر آپ ﷺ کو تمام نبیوں سے پہلے نبوت دے دی گئی تھی، مگر ظاہری طور پر اس وقت عطا کی گئی جب آپ ﷺ کی عمر شریف چاند کے حساب سے چالیس سال ایک دن تھی ، اس وقت معمول کے بموجب حضور ﷺ غار حرا میں خلوت گزیں تھے، حضرت جبرئیلؑ نے کہا: محمد! بشارت قبول فرمائیے، آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں ۔ (سید المرسلین از قاری صدیق صاحب باندوی ص:۱۹/ رحمۃ للعالمین ص:۴۷)

حضرت روح الامینؑ نے کہا: اِقرأ (پڑھو) آپ ﷺ نے فرمایا: **ماأنا بقارئ** (میں پڑھنا نہیں جانتا)، اس پر روح الامینؑ نے حضور ﷺ کو پکڑ کر زور سے بھینچا، آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ: مجھے اپنی جان کا ڈر محسوس ہونے لگا، پھر چھوڑ دیا، ایسا مسلسل تین بار ہوا، تیسری بار فرشتہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر کہہ رہا ہے: **إقرأ باسم ربّک الذی خلق. اِلی قوله. علّم الانسان مالم یعلم** ۔ (سورۂ علق: پ:۳۰ آیات: ۱ تا ۵) ان آیات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ دھڑکتے دل کے ساتھ گھر تشریف لاتے ہیں اور حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کو ''زمّلونی زمّلونی'' (چادر اُڑھا دو) کی دُہائی دیتے ہیں، زوجۂ مدبّرہ چادر اڑھا دیتی ہے، یہاں تک کہ خوف کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ سارا ماجرا کہہ سناتے ہیں، فہیم و فطین زوجہ تسلی کے کلمات تلقین کرتے ہوئے اوصاف حسنہ شمار کر کے یقین دلاتی ہے کہ بخدا! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، اور ورقہ بن نوفل کے پاس

لے جاتی ہے، جو آپ کے عمر رسیدہ اور نابینا چچا زاد بھائی تھے اور دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں حسبِ توفیق الٰہی انجیل لکھتے تھے ۔

نبوت پر عیسائی عالم کی شہادت :ورقہ بن نوفل سارے ماجرے کو سن کر گویا ہوتے ہیں کہ ''یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، کاش کہ میں جوان ہوتا، اے کاش! کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکالے گی ،'' حضور ﷺ از راہ تعجب استفسار فرماتے ہیں کہ کیا مجھے نکال دیں گے؟انہوں نے کہا: ہاں !جس شخص نے بھی یہ پیغام دیا ہے،اس کی قوم کا یہی سلوک چلا آ رہا ہے،اگر میں زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا ،اس واقعہ کے بعد ورقہ جلد ہی دارِفانی سے کوچ کر جاتے ہیں اور آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(بخاری: ج ۱/ص:۲ حدیث نمبر ۳/السیرۃ النبویہ از مصطفیٰ سباعی: ص ۵۰/ تا ۵۷)

فائدہ:ابن ہشام عن ابن اسحاق کی روایت کے بموجب جبرئیلؑ کی تشریف آوری کے وقت آپ ﷺ غارِ حرا میں سو رہے تھے،روح الامینؑ دیباج کے ایک تھیلے کے ساتھ تھے،جس میں ایک کتاب تھی ،چنانچہ کہا کہ اِقرأ الخ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ج:۱ ص:۲۷۳)علامہ سُہَیلی نے لکھا ہے کہ بعض مفسرین کے بقول اس آیت کریمہ (**الٓمٓ، ذلک الکتاب لاریب فیه**) میں اُسی کتاب کی طرف اشارہ ہے،جس کو جبرئیل لے کر آئے تھے۔(الروض الانف ج:۱ص:۴۰۳)واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایت میں ''مجھے اپنی جان کا ڈر محسوس ہونے لگا'' کا مطلب قاضی صاحب کے بقول:''مشکلاتِ نبوت'' کا بیان تھا۔(حاشیۂ رحمۃ للعالمین ص:۵۳)اور علاّمہ شبلیؒ کے بقول: یہ تردد وہیبت جلال الٰہی کا تأثر تھا۔ (سیرۃ النبی: ج/۱،ص:۱۸۹)

دوسری بار روح الامین علیہ السلام کی آمد: وحی کی بندش کے دوران آپ ﷺ کافی حزین وغمگین رہتے، بار بار پہاڑ پر چڑھ کر لڑھکانے کا ارادہ فرماتے؛ مگر جبرئیلؑ کے تسلی دینے پر ارادہ ترک فرمادیتے تھے۔(صحیح بخاری ۱۰۳۴/۲ کتاب التعبیر) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بقول: وحی کی بندش اس لئے تھی تاکہ خوف وہیبت کافور ہوجائے اور دوبارہ وحی کی آمد کا اشتیاق بڑھتا چلا جائے۔

(فتح الباری: ج/۱۔ص/۳۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

چنانچہ جب دونوں مقاصد حاصل ہوجاتے ہیں تو دوبارہ حضرت جبرئیلؑ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات یاأیّها المدّثر ۔قم فأنذر۔ اِلی قوله۔ والرّجز فاهجر ۔(سورۂ مدثر پارہ ۲۹/آیات ۱تا۵) لے کر نازل ہوتے ہیں، جس میں پیار بھرے انداز میں انذار وتبلیغ کا حکم ہوتا ہے، اس کے بعد تو وحی کا تانتا لگ جاتا ہے۔ (بخاری: ج/۱۔ص/۳، ج:۲۔ص/۷۳۳)

خفیہ دعوت وتبلیغ اور سابقین اولین: حکم الٰہی کے بموجب آنحضرت ﷺ نے خفیہ طور پر فرض منصبی کو ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلات کا سامنا تھا، چونکہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عرب کے لئے خاص نہ تھی، بلکہ عالمگیر تھی، اس لئے نہایت تدبیر وتدریج سے کام لینا پڑا، سب سے پہلے نگاہِ نبوت ان لوگوں پر مرکوز ہوتی ہے، جو فیض یابِ صحبت رہ چکے تھے، جنہیں آپ ﷺ کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہوچکا تھا، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت ابوبکرؓ تھے، پھر اور معتقدین کی باری آئی، مثلاً حضرت عمارؓ، حضرت خبابؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ، یہ سب کچھ پوشیدہ طور پر ہورہا تھا، نماز بھی خفیہ طور پر گھاٹی میں ادا کی جاتی تھی۔

(سیرۃ النبی ج:۱ص:۱۲۸)

علامہ ابن الاثیر کے بقول: صرف چاشت کی نماز آنحضرت ﷺ حرم میں ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں جائز تھی ،ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی دَرَّہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً ابو طالب آدھمکے، جدید طریقۂ عبادت پر تعجب کا اظہار کیا، پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، مشفق چچا نے کہا: میں اسے اختیار تو نہیں کرسکتا؛ مگر بخدا قریش میں سے کوئی آپ کا مزاحم نہ ہوگا۔ (الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ج:۱ص:۵۸۲، ۵۸۳تحت ذکرالاختلاف فی اول من اسلم،سیرۃ النبی ج:۱ص:۱۲۸)

علانیہ طور پر دعوت وتبلیغ: نزول وحی کے تین سال تک خفیہ دعوت وتبلیغ کا مشن جاری رہا، پھر تین سال کے بعد ”فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين اور وأنذر عشيرتك الأقربين“ جیسی آیات کا نزول ہوتا ہے، جس میں علانیہ طور پر تبلیغ کا حکم ہوتا ہے، حکم خداوندی پر لبیک کہہ کر، کوہ صفا پر چڑھ کر، قریش کے تمام قبائل کو نام بنام پکار کر، مختصر مگر جامع ومؤثر تمہیدی کلمات کے بعد اپنی رسالت کا اعلان کرتے ہوئے دعوت اسلام دیتے ہیں، جب یہ اعلان سنتے ہیں تو بجلی سی کوند جاتی ہیں اور ابولہب آگ بگولہ ہوکر بول اٹھتا ہے، تبًّالك اَمَا جَمَعْتَنَا اِلَّا لِهٰذَا ؟ تیرا ستیاناس ہو! کیا اس لئے جمع کیا تھا؟ اس پر سورۂ لہب کا نزول ہوتا ہے۔

(ملخّص ازالکامل فی التاریخ لابن الاثیر ج:۱ص:۵۸۴)

محاذ آرائی کی مختلف صورتیں: ابھی کھلم کھلا تبلیغ پر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ موسم حج قریب آگیا، قریش نے حجاج کو بدظن کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کئے، بولھبی میڈیا تو حضور ﷺ کے پیچھے سایہ کی طرح لگا رہتا، اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے علم میں دعوی نبوت راسخ ہوتا چلا گیا، جب قریش کی یہ حکمتِ عملی کارگر ثابت

نہ ہوئی تو ایک بار پھر آپ ﷺ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف ریزولیشن اور تجاویز منظور کی گئیں، مثلاً: (۱) تحقیر، استہزاء اور تکذیب کرنا (۲) تعلیمات کو مسخ کرنا، شکوک وشبہات پیدا کرنا (۳) پہلوں کے واقعات اور افسانوں کا قرآن سے مقابلہ کرنا اور لوگوں کو اسی میں الجھائے رکھنا (۴) سودے بازیاں کرنا۔ (ملخص: الرحیق المختوم (اردو) ص: ۱۲۴ تا ۱۳۱)

ظلم وجور اور دارارقم: جب یہ کارروائیاں بھی دعوتِ اسلامی کا سدِّ باب نہ کر سکیں تو کفارِ قریش ایک بار پھر جمع ہوکر ابولہب کی سربراہی میں پچیس رکنی کمیٹی تشکیل دیتے ہیں، جس نے باہمی مشاورت سے مسلمانوں کے تئیں سخت قرارداد منظور کی کہ ''اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت، ایذا رسانی اور ظلم وجور میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے''۔ ایک طرف قرارداد کو روبہ عمل لایا جاتا ہے تو دوسری طرف ان ستم رانیوں کے مقابل حکمت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قولاً وعملاً دونوں طرح اسلام کے اظہار سے روک دیں اور آپ ﷺ ان کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھے ہوں، کیونکہ کھلم کھلا جمع ہونے میں فریقین کے درمیان تصادم کا امکان تھا، بلکہ عملاً نبوت کے چوتھے سال میں ہوبھی چکا تھا، اور اس طرح بار بار ٹکراؤ کی صورت میں مسلمانوں کا خاتمہ بھی ہوسکتا تھا، بنابریں ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے مکان کو اجتماع کا مرکز بنالیا جاتا ہے جو دارارقم سے معروف ہے۔

(ملخّص: الرحیق المختوم (اردو) ص: ۱۳۱/۱۳۸/۱۴۱)

پہلی ہجرت حبشہ: جب قریش کے ظلم وتعدی کے بادل پیہم برس کر بھی نہ کھلے اور دوسری طرف فرائضِ اسلام کی ادائیگی کی بجا آوری بھی علانیہ طور پر دوبھر تھی اور جس کسی نے بھی اس کی کوشش کی وہ کفار کے ظلم وستم سے نہ بچ سکا، جیسا کہ اہلِ سِیَر کے درج کردہ واقعات اس پر شاہدِ عدل ہیں، تو رحمتِ عالم ﷺ نے جاں نثارانِ اسلام کو حبشہ کی طرف

ہجرت کی ہدایت کی، حَبَش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا اور وہاں عدل وانصاف کی شہرت تھی، یہ رجب کا مہینہ اور نبوت کا پانچواں سال تھا، ایک ایک، دو دو مسلمان چھپتے چھپاتے ''مکہ'' سے ''شعیبہ'' کی بندرگاہ میں جمع ہونے لگے، نتیجۃً گیارہ مرد اور چار عورتوں کا پندرہ نفری قافلہ نصف دینار پر تجارتی کشتیوں میں سوار ہوکر مشرکین کے تعاقب سے بے پرواہ ہوکر حبشہ کی اور روانہ ہوا، حبش میں کوئی تین چار ماہ گزرے تھے کہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے مشرکین کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی، یہ لوگ حبشہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ حقیقت کچھ اور ہے، کچھ ہمت کر کے مکہ پہنچتے ہیں اور کچھ عرب کے دستور کے مطابق جوار کا سہارا لیتے ہیں۔

(ملخّص از سیرۃ النبی ج:ا ص:۱۴۲/ معمارِ انسانیت ص:۱۲۹تا۱۳۴)

دوسری ہجرت حبشہ: مکہ میں دوبارہ مسلمانوں پر ظلم وتشدد ہونے لگتا ہے، پرایوں سے زیادہ اپنے ہی عزیز عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں، یہ دیکھ کر نبوت کے چھٹے سال میں آں حضرت ﷺ دوبارہ ہجرتِ حبشہ کی اجازت دیتے ہیں۔ اس دفعہ بھی تعاقب کیا جاتا ہے، اس کے باوجود تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، مسلمان سکون سے رہنے لگتے ہیں، اُدھر دارالندوہ میں مشورے عروج پر پہنچ جاتے ہیں، بالآخر کفار کا وفد تحفے تحائف لے کر نجاشی کے دربار میں پہنچ کر جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے حوالگی کا مطالبہ کرتے ہیں، منصف نجاشی مسلمانوں کو صفائی کا موقع دیتے ہیں، مسلمانوں کی طرف سے وکیل صفائی حضرت جعفرؓ چند نکاتی، جامع تقریر سے مثبت انداز میں مشرکین کے پروپیگنڈے کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیتے ہیں، تقریر اتنی واضح اور مؤثر ہوتی ہے کہ سماں بندھ جاتا ہے اور نتیجۃً قریش کا مطالبہ رد ہوجاتا ہے، اس طرح ایک اور بار خائب وخاسر ہوکر لوٹ جاتے ہیں۔ (ملخّص از معمارِ انسانیت ص:۱۳۴تا۱۳۹)

مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ اور شعب ابی طالب میں محصور ہونا: نجاشی کے دربار میں قریش کی بے عزتی نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہی تھا تو دوسری طرف عمرؓ وحمزہؓ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام کی قوت نے ان کو اور چوکنا کر دیا تھا، اب خطرہ ان کے سر پر منڈلا رہا تھا، لہذا یکم محرم نبوت کے ساتویں سال میں رؤساءِ مکہ کا ہنگامی اجلاس طلب کیا جاتا ہے، جس میں سماجی اور معاشی بائیکاٹ کا تحریری فیصلہ کیا جاتا ہے، اس فیصلہ کی اہم دفعات کو اہل سیر وتاریخ نے خوب ضبط کیا ہے، یہ ظالمانہ تحریر منصور بن عدی کے ہاتھوں نے لکھی تھی، جس کا خمیازہ اسے بعد میں چل کر ہاتھ شل ہونیکی صورت میں بھگتنا پڑا، یہ بائیکاٹ بنو ہاشم کے محمد کو حوالہ کرنے تک تھا، سوشل بائیکاٹ کی بناء پر بنو ہاشم اپنے پاس موجود کھانے پینے کا سامان لیکر شعب ابی طالب میں محصور ہو جاتے ہیں، چند مہینوں میں خورد ونوش کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے، نوبت فقر وفاقہ تک پہنچ جاتی ہے اور حالات نا گفتہ بہ ہو جاتے ہیں، مصیبت کے یہ دن ہفتوں میں اور ہفتے سالوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، بائیکاٹ کے دو سال گزرنے پر کفار کے مطالبہ پر شقِ قمر کا معجزہ وجود میں آتا ہے، جو صداقتِ محمدی اور حقانیتِ قیامت پر دلالت کرتا ہے۔ تقریباً یہ تین سالہ بائیکاٹ حیرت انگیز طور پر ختم ہو جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کعبہ کی چھت سے لٹکے ہوئے دیمک خوردہ معاہدہ کی اطلاع چچا جان کو دیتے ہیں، چچا جان رؤسائے مکہ کو چیلنج کرتے ہیں کہ جا کر دیکھو! عہد نامہ کو دیمک چاٹ چکی ہے، اگر یہ بات غلط نکلی تو محمد کو حوالہ کر دوں گا۔ کعبہ کی چھت سے معاہدہ نکال کر کھولا گیا، تو سوائے "**باسمک اللّٰھم**" کے کچھ اور باقی نہ تھا، کفارانِ قریش دم بخود رہ جاتے ہیں، ابو جہل کے پیروں تلے زمین سرکنے لگتی ہے، مطعم بن عدی عہد نامہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور یوں بنو ہاشم دوبارہ اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو جاتے ہیں۔ (ملخّص از معمارِ انسانیت ص:۱۴۲/۱۴۷)

عام الحزن "غم کا سال": شعب ابی طالب سے باہر نکلے ابھی چھ ماہ ہی گزرے

تھے کہ ابو طالب دار فانی سے کوچ کر جاتے ہیں اور یہ غم ابھی تازہ ہی تھا کہ ۱۱ر رمضان سنہ ۱۰ نبوی کو آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات، پہلی مسلم خاتون حضرت خدیجہؓ بھی داغِ مفارقت دے جاتی ہیں، یہ دوہرا غم آپ ﷺ کے صبر کا امتحان تھا، اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا گیا۔ (معمارِ انسانیت ص:۱۴۷)

دعوت دین کی خاطر طائف کا سفر: ابو طالب کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد کفار مکہ آپ ﷺ کی مخالفت میں دلیر ہو جاتے ہیں، آئے دن تکلیفیں بڑھتی چلی جاتی ہیں، مگر دین کی تحریک پانی اور ہوا کی طرح ہے، جو کہیں نہ کہیں اپنا راستہ بنا لیتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نبوت کے دسویں سال ۲۷ر شوال کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر پا پیادہ طائف کا رخ فرماتے ہیں، طائف جاتے ہوئے راستہ میں واقع قبیلوں کو بھی پیغام حق سناتے ہیں، پھر طائف پہنچ کر قبیلۂ بنی ثقیف کے تینوں سرداروں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، مگر خلاف توقع تینوں کا جواب انتہائی مایوس کن، گستاخانہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے، یہ سرداران نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں؛ بلکہ اوباش قسم کے لوگوں کو پیچھے لگا دیتے ہیں، یہ لوگ پتھروں کی بارش کرتے ہیں، حضرت زیدؓ سپر بن جاتے ہیں، پھر بھی اس سنگ باری سے آپ ﷺ زخموں سے چور ہو کر، بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں، حضرت زیدؓ آپ ﷺ کو پیٹھ پر بٹھا کر آبادی سے باہر ایک کھجور کے درخت کے سایہ تلے پناہ لیتے ہیں، افاقہ ہونے پر درد بھری دعا کرتے ہیں، پھر پہاڑوں کے منتظم فرشتوں کے اس استفسار پر کہ ''آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑوں کو ان پر الٹ دیں'' رحمت بھرا جواب دیتے ہیں کہ ''میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے موحّدین پیدا کریگا'' پھر دوبارہ مکہ واپس لوٹ جاتے ہیں، ان ہی ایام میں جنوں کے قبول اسلام کا واقعہ وجود پزیر ہوتا ہے۔ (ملخّص از معمارِ انسانیت: ص ر ۱۴۷ تا ۱۵۰ ر نبی رحمت: ص ر ۱۹۰۔۱۹۲ تا ۱۹۴)

اسراء اور معراج: بنو ہاشم کی نظر بندی اور طائف کے بازاروں کی رسوائی کا انعام عرش بریں پر اسراء اور معراج کی شکل میں ملتا ہے، کہ ایک دفعہ راتوں رات آپ ﷺ کو قدرت غیبی کے ساتھ مسجد حرام لے جایا جاتا ہے، وہاں سے مسجد اقصیٰ، پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے، مقاماتِ قرب واختصاص کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے، اس کے بعد جب صبح کو واقعہ کی خبر لوگوں کو سناتے ہیں تو لوگ تعجب کا اظہار کرتے ہیں، تکذیب اور استہزاء پر اتر آتے ہیں، مگر صدیق اکبرؓ یہ واقعہ سن کر فی البدیہہ تصدیق کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسی موقع پر صدیق کا خطاب دیا گیا، کیونکہ آپؓ نے اس واقعہ کی اس وقت تصدیق کی جب کہ اور لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی۔

(ملخّص از نبی رحمت ص: ۱۹۵، ۱۹۶/ الرحیق المختوم ص: ۲۲۵/ السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج:۲ ص: ۹ تا ۱۳)

بیعت عَقبہٗ اولیٰ وثانیہ: دعوتِ اسلام کا پہلا مرحلہ (وأنذر عشيرتك الأقربين) سے شروع ہوا تھا، دوسرا مرحلہ (لتنذر ام القرىٰ) تھا، اب وقت آ گیا تھا کہ اسلامی تحریک کا تیسرا مرحلہ (ومن حولها) شروع کیا جاوے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ حج کے موسم میں تبلیغ اسلام کی مہم پر روانہ ہوتے ہیں اور عَقَبہ کے پاس انصار کے قبیلۂ خزرج کے کچھ لوگ آپ ﷺ کو ملتے ہیں، آپ ﷺ کے دعوت دین پیش کرنے پر یہ لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، یثرب کے یہ چھ خوش نصیب لوگ تھے، وطن پہنچ کر دوسرے بھائیوں کو بھی اسلام کی دعوت دیتے ہیں، پھر جب حج کا موسم آتا ہے تو نبوت کے بارہویں سال بارہ خوش نصیب حاضر خدمت ہوتے ہیں، اور حسبِ سابق عقبہ ہی پر مل کر آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں، یہ بیعت عقبہٗ اولیٰ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس کے بعد سفیر اسلام حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے، چَراغ سے چَراغ جلنے لگتا ہے،

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ سال بہتر مسلم مرد اور دو مسلم عورتیں حاضر خدمت ہوکر بیعت کرتے ہیں، یہ بیعت عقبۂ ثانیہ یا بیعت عقبۂ کبریٰ کہلاتی ہے۔

(ملخّص از معمار انسانیت: ص/۱۵۹ تا ۱۶۰/ نبی رحمت: ص/۲۰۲ تا ۲۰۴، ۲۱۲ تا ۲۱۳)

جب دوسری بیعت عقبہ مکمل ہوگئی اور اسلام ایک نئے وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اس نئے وطن کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ سارے مفادات کو تج کر مسلمان مدنی دور کی تمہید قائم کرتے ہیں اور یہیں سے مدنی دور شروع ہوجاتا ہے۔ (ملخّص از الرحیق المختوم: (اردو) ص/۲۴۵)

عبرتیں اور نصیحتیں

(۱) منصبِ نبوت ورسالت کی سرفرازی کے لئے چالیس سال کا سن اس لئے تجویز کیا گیا کہ انسان کے قوائے جسمانیہ اور روحانیہ چالیس ہی سال کی عمر میں حد کمال کو پہنچتے ہیں، کما قال تعالیٰ حتی اِذا بلغ أشدّہ و بلغ أربعین سنۃ۔ (سیرۃ مصطفیٰ ج:۱ص:۱۳۸)

(۲) غارِ حرا جاتے وقت آپ ﷺ کا توشہ لے جانا اس کی دلیل ہے، کہ کھانے اور پینے کا انتظام توکل کے منافی نہیں، بلکہ رزق خداوندی کی طرف اپنی ضرورت وحاجت کا اظہار ہے، جو عین عبادت ہے۔ (ملخّص از سیرت مصطفیٰ ج:۱،ص:۱۳۹)

(۳) پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نبوت کی تمنا کرتے تھے، نہ اس کا خواب دیکھ سکتے تھے، یہ اللہ کا کرم واحسان تھا کہ اس نے خلوت گزینی کی عادت ڈال دی، تاکہ تطہیر وتزکیہ ہوسکے اور بار رسالت کا تحمل کرسکیں، اگر نبوت کے منتظر ہوتے تو نزولِ وحی سے خوف زدہ ہوکر بے چینی کا اظہار نہ کرتے۔

(۴) اصلاح کی دعوت جب عوام کے معتقدات اور فہم وشعور سے ہم آہنگ نہ ہو تو داعیٔ دین کو اس وقت تک خفیہ کام کرنا چاہئے، جب تک کہ معتد بہ اور اطمینان بخش تعداد

فراہم نہ ہو، جو راہِ دعوت میں ہر طرح کی قربانیاں پیش کرسکیں، تاکہ داعیٔ دین کی راہ روکنے یا اسے گزند پہنچنے پر دیگر متبعین علَمِ دعوت کو تھام لیں اور دعوت کا تسلسل یقینی ہو جائے۔

(۵) اہلِ عرب کے سامنے جب دعوتِ دین کا پیغام رکھا، جس سے وہ نامانوس تھے، تو اس دعوت کی شدید ترین مخالفت ہوئی، پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اوران کے متبعین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خوب کوششیں کیں۔ اِس سے قومیت کے علمبرداروں کے اُن باطل خیالات کی سخت تردید ہورہی ہے، کہ ''محمد عرب قوم کی سر بلندی کے متمنی اور ان کی آرزوؤں کی تکمیل کررہے تھے''۔ یہ ایک مضحکہ خیز اور بے بنیاد دعوی ہے، تاریخی حقائق اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں وہی کرسکتا ہے جو قومیت کے رنگ میں رنگ چکا ہو، اسلام کو عربوں کا ذاتی مذہب اور ان کے قلم کی پیداوار سمجھتا ہو۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا واضح انکار اور اسلام کے خلاف بدطینتی صاف جھلکتی ہے۔

(٦) دعوتوں کی فتحیابی اور عوام کو تاریکیوں اور جہالتوں سے آزادی دلانے کے لئے ضروری ہے، کہ ہمیشہ جسم وشکم پر روح کی بالیدگی کی فکر زیادہ کرے، اور جسم کے عیش وعشرت کے مطالبات پر التفات نہ کرے، یہی سچے، مخلص اور راست باز داعیِ دین کی علامت ہے، جیسا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے متبعین، مشرکین ومخالفین کے بدترین مظالم کے باوجود اپنے عقیدے پر جمے رہے، جسم وشکم کی ذرہ برابر پروانہ کرتے ہوئے روح کی ضروریات کی تکمیل میں لگے رہے، جس کی بناء پر کامیابی وکامرانی نے ان کے قدم چومے، اور تاریکیاں اور جہالتیں کافور ہوئیں۔

(۷) پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے طرز پر داعیِ دین کو اپنی دعوت پر مستحکم رہنا چاہئے، اہل باطل خواہ کتنا ہی پروپیگنڈا اور جاہ ومنصب کی کتنی ہی تحریصات پیش کریں۔ حق کی راہ میں مصائب وآلام اہلِ اسلام کے لئے تسکین کا سامان ہوتے ہیں، رضائے الٰہی اور جنت کی طلب دنیا کے تمام مناصب اور مال ومنال سے زیادہ قیمتی ہے۔

(۸) دارِ ارقم کا اجتماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ داعیِ دین کو روزانہ یا ہر ہفتہ اپنے انصار واعوان کو اکھٹا کرنا چاہیئے ،تا کہ دعوتِ دین پر ان کے ایمان میں اضافہ ہو، اور وہ اس کے اسالیب ،آداب وشرائط اور طریقۂ کار سمجھ سکیں۔ اور اگر علانیہ کام کرنے میں خطرات لاحق ہو،تو اسے خفیہ انجام دے۔

(۹) داعیِ دین اپنے اقرباء کی سب سے پہلے فکر کرتے ہوئے انہیں دعوت دے ،ان کی روگردانی پر داعی عنداللہ وعندالناس معذور ہوگا اور ان کی ضلالتوں سے بریٔ الذمہ ہوگا۔

(۱۰) جب جماعت کی زندگی اور معتقدات خطرات اور فتنوں کی لپیٹ میں ہوں ،تو داعیِ دین کا فریضہ ہے کہ کوئی ایسا مقام فراہم کرے، جہاں وہ باطل کے سرغنوں کے مظالم سے بچ سکیں۔ واضح رہے کہ یہ داعیٔ دین سے مطلوب قربانی کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ تعداد کے قلیل ہونے کی صورت میں باطل پرست ،اہل حق کا خاتمہ کر کے دعوت سے گلوخلاصی حاصل کرالیں گے۔

(۱۱) ہجرتِ حبشہ کے مکرّر حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ بت پرستوں اور ملحدوں کے مقابلے میں مذہب کے علمبرداروں سے تعلق زیادہ پائیدار اور مفید ہوتا ہے، چاہے وہ مذہب میں مخالف ہوں۔

(۱۲) باطل پرست اہل حق کے سامنے آسانی سے گھٹنے نہیں ٹیکتے ،دعوتِ حق کے خلاف وسائل کے ختم ہونے پر دوسرے ڈھونڈھ نکالتے ہیں ،اور یہ سلسلہ حق کے غلبہ اور باطل کی آخری سانس اکھڑنے تک جاری رہتا ہے۔

(۱۳) کبھی کبھی داعیِ دین کی حمایت وحفاظت ایسا شخص کرنے لگتا ہے، جو اس کی دعوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ دعوت کے کمزور اور بے سہارا ہونے کی صورت میں یہ چیز کافی اہمیت اختیار کر جاتی ہے، کیونکہ حامی کی موجودگی میں دشمن گزند نہیں پہنچا سکتے۔ خاندانی

عصبیت سے داعی خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے نقصان دہ پہلوؤں سے اپنا دامن بچائے رکھے۔

(۱۴) نیک اور صالح بیوی شوہر کے مسائل ومصائب میں ہاتھ بٹا کر، تخفیف کے راستے ہموار کرتے ہوئے ذھنی الجھن ختم کرتی ہے، اس سے دل میں ثبات واستحکام پیدا ہوتا ہے، دعوت کی کامیابی اوراس کی اشاعت میں یہ چیز کافی مُمِدّ ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح کی پاکباز خاتون کی وفات سے شوہر کو عظیم خسارہ ہوتا ہے، اس پر داعی شوہر سوائے رنج کے اور کیا کر سکتا ہے۔

(۱۵) اہلِ مکہ کی بے نیازی کے بعد طائف کے رخ سے چند امور معلوم ہوتے ہیں:

الف۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا دعوت کے قیام وفروغ کے لئے پریشان ہونا، عوامی قبولیت نہ ملنے سے ذرّہ برابر مایوس نہ ہونا، اور ایک میدان میں ناکامی کا سامنا ہونے پر دوسرے میدان کا تلاش کرنا۔

ب۔ ہر دور میں شر کے مزاج میں یکسانیت کا ہونا، یعنی داعیانِ دین کی ایذا کے لئے لونڈوں اور بدمعاشوں کا سہارا لینا، جیسا کہ ثقیف کے سرداروں نے لونڈوں اور بدمعاشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔

ج۔ داعیانِ دین کی قوتِ برداشت اور ظلم وصبر کی مقابلہ آرائی کا علم ہونا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک قدموں سے مبارک خون بہنا اس پر دلالت کرتا ہے۔

د۔ داعیانِ دین کا آڑے وقت میں صرف ربِ ذوالجلال کا دامن تھامنا، اُسی کو راضی رکھنے کی فکر کرنا اور دیگر حضرات کی ناراضگی کی پروا نہ کرنا۔

(۱۶) لیلۃ الاسراء اور معراج بے شمار فوائد ولطائف اور اسرار پر مشتمل ہے، ان میں سے صرف دو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف۔ ''مسجد اقصیٰ'' اور ''فلسطین'' کے مسئلہ کا ربط عالمِ اسلامی کے مسئلہ سے ہے،

نیز ’’فلسطین‘‘ کا دفاع خود اسلام کا دفاع ہے، اس کی حمایت وحفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے، اور اس میں کوتاہی جرم عظیم ہے۔

ب۔ فضاؤں کی تسخیر اور ارضی کشش سے باہر نکلنا ممکن ہے۔ اگر حضور ﷺ کے لئے معجزہ سے ممکن ہوسکتا ہے، تو عوام کے لئے اس دور میں علم وفکر کے راستے سے سیر کرنا ممکن ہے۔

(منتخب و ملخّص از السیرۃ النبویۃ للدکتور مصطفیٰ السباعی: ص: ۵۳ تا ۵۷/ ۶۲ تا ۶۸)

مذکورہ بالا عبرتوں اور نصیحتوں کے علاوہ بہت سارے دُرُوس وعِبَر، فوائد ولطائف اور نکات اہلِ سِیَر نے قلمبند کئے ہیں اور قلمبند کرتے رہیں گے، بھلا اس مختصر سے مقالہ میں اس کی وسعت کہاں؟۔

آخر میں اہل سیمینار کی خدمت میں عرض ہے کہ مکی دور ’’فقہ الاقلیات‘‘ کے باب میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے، اس کی طرف ماضی قریب اور عصر حاضر کے بعض اہل قلم نے خصوصی توجہ کی ہے، مگر ابھی بھی یہ گوشہ توجہ کا طالب ہے، اس سے غیر مسلم ممالک میں آباد مسلم اقلیت کے لئے ہم واضح لائحہ عمل اور ہدایات مرتب کرسکتے ہیں۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ماہنامہ محدّثِ عصر شمارہ جون، جولائی واگست، ستمبر واکتوبر ۲۰۱۱ء بعنوان: مسلمان بہ طور اقلیت)

مقالہ نگار: عبدالمتین ٹنکاروی　　　　مقالہ نمبر: ۲۰
متعلم: دارالقرآن والحدیث، ٹنکاریہ

ألحمد لله الذی أبدع الا فلاك والارضين، والصلوة على من كان نبياوآدم بين الماء والطين،وعلى آله واصحابه اجمعين أما بعد!

مکی زندگی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) پہلا مرحلہ: اس مرحلہ میں مسلمانوں کے لئے اللہ سے تعلق قائم کرنے کا اور اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر جنت کے مستحق بننے کے دستور اور قانون کا نزول ہوا، اس نزول کے بعد ابتدا میں آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ خفیہ طور پر شروع کیا، جس سے عرب کے قبائل میں ایک ہل چل مچ گئی، دعوت کا یہ سلسلہ تین سال تک رہا۔

(۲) دوسرا مرحلہ: اب تک دعوت دینے کا طریقہ خفیہ تھا، لیکن اس مرحلہ میں "وأنذر عَشِيـرَتَكَ الأَقـرَبِين" کے حکم کے تحت دعوت اعلانیہ طور پر دی گئی اور اعلانیہ دعوت دینے کے ساتھ ہی دشمنی اور عداوت کے دور کی ابتدا ہوئی۔

(۳) تیسرا مرحلہ: اس مرحلہ میں مسلمانوں پر انتہائی درجہ کی تکالیف بارش کی طرح برسنے لگیں اور آپ ﷺ کے دو دو سہارے اٹھ گئے، (خواجہ ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ) اس کے بعد تو قریش مکہ کے مظالم اور بڑھ گئے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو ہجرت کی اجازت دے دی اور خود آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں ہوئیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

رسول ﷺ نے اپنی عمر کے ۴۰ سال مکمل کئے اس وقت دنیا آگ کے کنارے کھڑی

تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستے پر گامزن تھی، دنیا میں اس وقت گمراہی اور جاہلیت کی حکمرانی تھی، خرافات وبدعات اور شرک وبت پرستی کی وبا عام تھی، اس کو دیکھ کر آپ ﷺ کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی، ایسے ماحول میں خلوت پسندی آپ ﷺ کا شیوہ اور معمول بن گئی تھی اور آپ ﷺ کو سب سے علیحدہ ہو کر خلوت نشینی اختیار کرنے سے سکون ملتا تھا، اس کے لئے اللہ کے نبی ﷺ مکہ سے دور غارِ حرا میں ابراہیمی طریقہ پر اور فطرت سلیمہ کی رہنمائی سے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ (نبی رحمت صفحہ ۱۴۹)

آپ ﷺ کی ولادت کے اکتالیسویں سال ۱۷رمضان المبارک، مطابق ۶ راگست ۶۱۰ء میں آپ ﷺ حسبِ معمول غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ خدا کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ علی القول الراجح آپ ﷺ کے پاس سورۂ علق کی ابتدائی آیات، وحی کی شکل میں لے کر آئے اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ پڑھئے ''**إقرأ باسم ربّک الذی خلق، الخ**'' لیکن آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ میں امّی ہوں، تو جبرئیلؑ نے آپ ﷺ اپنی آغوش میں دبوچا، پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جبرئیل کے حکم کے جواب میں آپ ﷺ نے ''ماأنابقاری'' فرمایا تو جبرئیلؑ نے پھر دبوچا، اس کے بعد آپ ﷺ پڑھنے لگے، پھر تو مسلسل وحی آنا شروع ہوئی جس میں توحید اور صفتِ کمال باری تعالیٰ کی تعلیم تھی اور رجوع الی الحق کی وصیت اور شرک سے اجتناب اور بت پرستی کی خرابیاں بیان کی گئیں تھیں۔

(نبی رحمت صفحہ۔۱۰۵۔اصح السیر ۱۵)

نبوت کی دولت سے سرفراز ہونے اور وحی کا سلسلہ جاری ہوتے ہی آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ ﷺ نے ابتداءً تبلیغ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں تک محدود رکھی اور آپ ﷺ کی اس عظیم الشان خفیہ محنت کے نتیجہ

میں حضرت خدیجہؓ (بیوی) حضرت علیؓ (چچازاد بھائی ، عمر ۱۰ سال) حضرت ابوبکرؓ (دوست) حضرت زید بن حارثؓ (مولیٰ) پہلے ہی دن مسلمان ہو گئے، اس کے بعد متصلا ہی کچھ عرصہ میں قریش کے نامی گرامی سردار مسلمان ہوئے جن میں عثمانؓ بن عفان، زبیر بن العوامؓ، عبد الرحمٰنؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ قابل ذکر ہیں، یہ حضرات مسلمان ہوتے اور اپنا مسلمان ہونا پوشیدہ رکھتے اور صفا کے دامن میں واقع دارِ ارقم میں جمع ہو جاتے اور وہی اسلام کے احکام سیکھتے ۔اس کے علاوہ جس کو اسلام قبول کرنا ہوتا وہاں جا کر مسلمان ہو جاتا ۔ بعثت کے دوسرے سال جب حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ مسلمان ہوئے تو یہ پہلے شخص تھے جن کے اسلام کا اثر کفار پر پڑا، یہاں تک کہ اسلام کا نقارہ مکہ کی فضائے آسمانی میں بلند ہوا اور جگہ جگہ اس کا چرچا ہونے لگا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ: ۲۶۲)

ابتدا میں آپ ﷺ دعوت وتبلیغ کا کام چھپ کر کرتے رہے اور اسی حالت میں تین سال گزر گئے ۔نبوت سے چوتھے سال اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو برملا اظہار واعلان کا حکم ہوا اور ارشاد ہوا ''فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشركين'' . (حجر ـ ۹۴)''وأنذر عشيرتك الأقربين وأخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين'' (الشعراء ۳۱۵)'' وقل اِنّی اناالنّذیر المبین'' (حجر ۸۹)

اس حکم کے بعد رسول ﷺ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور بلند آواز میں صدا لگائی یـــا صباحاه !اس صدا کا سننا تھا کہ قریش کا سارا قبیلہ وہاں جمع ہو گیا، اس وقت آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا؛ ''اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ تم پر حملہ کر دے تو کیا تم اس بات کا یقین کرو گے؟'' سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہاں ہم یقین کرینگے ۔ جب یہ فطری اور ابتدائی مرحلہ طے ہوا اور سننے والوں کے اعتماد اور یقین کا علم ہو گیا تو رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ''فإنّي نذير لكم بين يدي عذاب شديد '' یہ سنتے ہی سارے مجمع پر خاموشی چھا گئی ،لیکن ابولہب نے کہا

سارے دن تمہارے لئے خرابی ہو، کیا یہ کہنے کے لئے ہمیں بلایا تھا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سب کچھ سمجھانے کے لئے ایک مثال تھی اب یقین کرلو کہ موت تمہارے سر پر آرہی ہے اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، لہذا تم اس دعوت کو قبول کرلو۔

آپ ﷺ کے اس وعظ کا اولاً کفار پر کوئی اثر نہ پڑا، لیکن یہ آیت نازل ہوئی ''اِنَّکُمۡ وَ مَاتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّم'' اور حضور ﷺ نے بت پرستی کی خرابیاں صاف صاف ظاہر کرنا شروع کر دیا تو کفار بڑے زوروشور سے آپ ﷺ کی دشمنی پر متفق ہو گئے اور بڑی شدت سے مخالفت کی۔ (نبی رحمت ﷺ: صفحہ ۱۵۹)

جب خواجہ ابو طالب نے دیکھا کہ کفار شدید مخالفت کر رہے ہیں اور ان کو اندیشہ ہوا تو انہوں نے بھی علانیہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کا اعلان کر دیا، ابو طالب اس وقت مکہ میں اس پایہ کے آدمی تھے کہ ان کے مقابلہ کی ہمت کسی کو نہ تھی، اسلئے کفار شدّتِ مخالفت کے باوجود کچھ نہ کر سکے اور حضور ﷺ نے اپنا تبلیغ کا مشن علی حالہ جاری رکھا۔

اب قریش میں ہر طرف اور ہر وقت چرچا ہونے لگا، لوگ ایک دوسرے کو آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی پر آمادہ کرتے اور اس کے لئے فضاء تیار کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ یہ لوگ ایک پورا وفد بنا کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا اے ابو طالب! ہمارے دل میں آپ کی عزت ہے، آپ اپنے بھتیجے کو اس حرکت سے روکئے یا پھر ہم ان سے اور آپ سے سمجھ لینگے، یہا تک کہ ہم میں سے کوئی ایک فریق ختم ہو جائے۔ ابو طالب پر قوم کی جدائی اور دشمنی شاق گزری، وہ رسول ﷺ کی مدد نہ کرنے پر بھی راضی نہ تھے تو انہوں نے بھتیجے کو بلا کر پوری بات کہی، اس وقت نبی ﷺ نے چچا کو جواب دیا؛ ''خدا کی قسم! اگر وہ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس کام کو ترک

کرنے والانہیں ہوں'' اورآپ ﷺ آب دیدہ ہوگئے، اس پر ابو طالب نے کہا کہ جاؤ، تمہارا جودل چاہے کہواور تبلیغ کرو، خدا کی قسم! میں تمہاری حمایت نہیں چھوڑ ونگا۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۶۵۔۲۶۶)

حضور ﷺ نے دعوت الی اللہ کا کام پورے زور وشور سے شروع کر دیا، جب قریش آپ ﷺ اورابو طالب سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے یک جا ہوکر مصائب وآلام کے دفتر کے صفحات کو یکے بعد دیگرے کھولنا شروع کر دیا، ہر قبیلے والے اپنے قبیلے کے ان اشخاص پر ٹوٹ پڑا جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان کو قید و بند، زدوکوب، بھوک پیاس اور مکہ کی سخت گرمی اور جھلسا دینے والی تپش کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا، خاندانِ قریش خودآپ ﷺ کو تکلیف اورایذا رسانی کی کوشش کرنے لگے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے اصحاب ورفقاء کوسخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑرہا ہےاورآپ ان کی حفاظت و مدافعت پر قادرنہیں ہیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا؛ اگرتم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کروتو اچھا ہے، وہ اچھا ملک ہے، یہاں تک کہ اللہ تمہارے لئے نجات وکشادگی کا سامان پیدا کر دے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ۵ھ بعدِ بعثت حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی جس میں ہجرت کرنے والوں کی تعداد ۱۲ امرداور ۴ عورتیں بتائی گئی ہے۔ابن ہشام نے ۱۰ امرداور ۴ عورتیں بتایا ہے۔ہجرت حبشہ کا واحد مقصد قریش کی ایذا رسانی سے نجات ہی نہ تھا بلکہ اسلام کی دعوت اور نبی کی فکرکو عام کرنا بھی تھا۔ (نبی رحمت صفحہ ۱۷۲۔۱۷۳)

قریش نے یہ دیکھا کہ مسلمان وہاں پہونچ کرآرام وسکون سے رہ رہے ہیں تو انہوں نے عبداللہ ابن ربیعہ اورعمرو بن عاص بن وائل کو وہاں بھیجا، ان لوگوں نے حبشہ کے بادشاہ کے سامنے تحفہ وتحائف پیش کرکے درخواست کی کہ آپ مسلمانوں کو مکہ واپس

بھیج دیں، وہ مذہب کے باغی ہیں، بادشاہ نے مسلمانوں کو بلایا اور صورت حال پوچھی تو حضرت جعفرؓ نے بادشاہ کے سامنے اسلام کی حقیقت کو واضح کیا تو وہ خود مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کو مکہ بھیجنے سے انکار کر دیا، یہ لوگ ناکام واپس لوٹ آئے۔ (حاشیہ اصح السیر ص ۴۵)

یہ لوگ حبشہ میں آرام سے تھے، مگر خبر ملی کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں، اب مکہ میں کوئی اندیشہ نہیں ہے، اسلئے یہ لوگ وہاں سے چلے آئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اور قریش کی عداوت تو پہلے سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے دوبارہ حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ حضرت جعفرؓ روانہ ہوئے، ان کے ساتھ مسلمان بھی روانہ ہونے لگے۔ اس ہجرت میں جانے والے لوگوں کی تعداد ۸۳ تھی۔ (اصح السیر ص ۴۴)

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ایک فتح تھی، کفار میں تہلکہ مچ گیا، مسلمانوں کو فرحت و خوشی ہوئی، جس وقت حضرت عمرؓ اسلام لائے اس وقت کم و بیش ۴۰ آدمی تھے، آپؓ نے اسی وقت فرمایا؛ اے اللہ کے رسول ﷺ! کفار بتوں کی کھلم کھلا پرستش کرتے ہیں اور ہم چھپ چھپ کر نماز ادا کریں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی وقت چند آدمیوں کو ساتھ لیا اور مسجد حرام میں باجماعت نماز ادا کی۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ دو ایسے شخص تھے، جو کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کے معین و مددگار رہتے، ان دونوں کے اسلام سے مسلمانوں کو تقویت ملی۔

(نبی رحمت صفحہ ۱۸۰)

حبشہ سے کفار کے دو قاصد خائب و خاسر واپس لوٹ آئے اور قریش کی تدبیر حبشہ میں نہ چل سکی، ادھر مکہ میں حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے تو کفار کو بڑی بے چینی پیدا ہوئی، آخر سب جمع ہوئے اور یہ طے پایا کہ تمام قبیلہ والے معاہدہ کریں کہ بنی ہاشم اور بنو مطلب سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں، چنانچہ منصور بن عکرمہ یا نضر بن حارث نے ایک کاغذ میں معاہدہ کا مضمون لکھا اور سب نے اس پر دستخط کی یہ سنہ ۷ بعد بعثت کا واقعہ ہے، جب یہ معاہدہ مکمل ہو گیا تو کفار نے زیادہ توثیق کے لئے اس کو جوف کعبہ میں لٹکا دیا، بنی ہاشم اور بنو

مطلب ابوطالب کے پاس جمع ہوئے، وہ ان لوگوں کواور رسول ﷺ کو لے کر شعب ابی طالب میں چلے گئے،اس شعب میں بنو ہاشم دو یا تین برس رہے۔(اصح السیر ۔۴۹)اسی شعب میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ پیدا ہوئے جو بنی عباس کے جد اعلیٰ ہے،اسی معاہدہ اور بائیکاٹ کے زمانہ میں مسلمانوں پر پھر سے تکالیف کا دور شروع ہوا۔ ببول کے پتے کھا کر گزارا کرنے کی نوبت پیش آئی، ان کے بچے بھوک سے روتے اور بلبلاتے تھے اور رونے کی آواز دور دور تک جاتی تھی۔

شعب ابی طالب میں مسلمان دو یا تین برس محصور رہے، پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ قریش نے جو معاہد لکھ کر جوف کعبہ میں لٹکایا تھا، دیمک اس معاہدہ کے حروف کو چاٹ کر ختم کر چکی تھی،صرف ''باسم اللھم'' کے الفاظ باقی تھے، چنانچہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دیا گیا اور معاہدہ کا خاتمہ ہوا۔ جب آپ ﷺ شعب سے باہر نکلے تو آپ ﷺ کی عمر مبارک انچاس (۴۹) سال تھی، گویا کہ بعثت سے نویں سال کے آخر میں یا دسویں سال کے ابتدا میں آپ ﷺ گھاٹی سے باہر نکلے۔

نبوت کے دسویں سال ایک ہی سال کے اندر ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا ،اسلئے اس سال کا نام ''عام الحزن'' رکھا،ان دونوں کا آپ ﷺ کے ساتھ حسن صحبت، حسن سلوک اور نصرت وحمایت وفاداری کا جو معاملہ تھا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا، اس حادثہ کے بعد رسول ﷺ کو پے در پے کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

جب آپ ﷺ شعب ابی طالب سے باہر آئے، اس کے بعد حضرت طفیل دوسی نے اسلام قبول کیا، ان کے قبول اسلام کا واقعہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں آیا تو قریش نے مجھ کو رسول ﷺ کے سحر سے بہت ڈرایا، میں بہت ڈر گیا، لہذا میں اپنے کانوں میں سف ڈال کر آنے جانے لگا ،لیکن ایک دن صبح کے وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور

اس میں قرآن پاک پڑھا تو کلام اچھا معلوم ہوا! میں نے دل میں کہا میں ایک لبیب شاعر ہوں، کلام کے حسن و قبح کو سمجھ سکتا ہوں، پھر کیا مضائقہ ہے کہ میں ان کا کلام سنوں اور مسلمان نہ ہو جاؤں؟ اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر اسلام لے آئے اور بڑے ثابت قدم مسلمان ہوئے۔ (اصح السیر صفحہ / ۵۲)

خواجہ[۱] ابوطالب کے انتقال کے بعد کفار نے حضور ﷺ کے ساتھ زیادہ گستاخیاں شروع کر دیں تو آپ ﷺ نے دعوت کا دوسرا انداز اپنایا اور اپنے قبیلہ والوں کو[۲] چھوڑ کر دوسرے قبیلہ میں دعوت و تبلیغ کا قصد کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے[۳] شوال کی ۲۶ یا ۲۷ تاریخ کو بعثت کے دسویں سال زید بن حارثہؓ کو لے کر طائف کا سفر کیا، طائف میں بنی ثقیف کے تین سردار عبد یالیل، مسعود اور حبیب کو اسلام کی دعوت پیش کی لیکن یہ لوگ دعوت قبول کرنے کے بجائے آپ ﷺ کا استہزاء کرنے لگے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں، حتی کہ آپ ﷺ کے پیچھے اوباش بچے لگا دیئے جو آپ ﷺ کے پیچھے شور مچاتے اور چلاتے اور پتھر برساتے جس کی بنا پر آپ ﷺ کے قدم مبارک خون سے لت پت ہو گئے، وہاں سے آپ ﷺ مکہ واپس آئے، راستہ میں مقام نخلہ میں جنات کے ایک گروہ نے آپ ﷺ سے قرآن کریم کی تلاوت سنی اور وہ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوم میں اسلام پھیلایا۔ (اصح السیر صفحہ۔۵۷)

سن ۱۰ نبوی گزر گیا، ابتلاء اور آزمائش کی سب منزلیں طے ہو چکیں، ذلت و رسوائی کی کوئی نوع ایسی باقی نہیں رہی جو خداوند ذوالجلال کی راہ میں نہ برداشت کی گئی ہو، چنانچہ سفر طائف کی ذلت و رسوائیاں اور تکلیفوں کا غم ہلکا کرنے کے لئے آپ ﷺ کو خداوند قدوس نے معراج کی دولت سے سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ نے اس سفر میں بے شمار عجائباتِ خداوندی اور عذاباتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا اور آپ ﷺ کو تحفہ میں پانچ نمازیں عطا ہوئی اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ (رہبر انسانیت: صفحہ/۱۸۷)

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانے میں سرداران قبائل کے پاس جا کر تبلیغِ اسلام فرمایا کرتے تھے، رجب ۱۰ نبوی میں بھی آپ ﷺ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، منیٰ کی ایک گھاٹی کے پاس چند قبیلۂ خزرج کے افراد نظر آئے، آپ ﷺ نے دعوت اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں تو سب نے اسلام قبول کرلیا۔

(رہبر انسانیت: صفحہ ۱۹۱)

دوسرے سال جب حج کا زمانہ آیا تو انصار کے بارہ آدمیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بات کی خواہش کی کہ احکامِ اسلام سکھانے کیلئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے، آپ ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔

(نبیٔ رحمت: صفحہ ۲۰۴)

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تعلیم سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سن ۱۳ نبوی کو ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں پر مشتمل ایک وفد مکہ آیا اور مقامِ عقبہ پر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آپ ﷺ کے تشریف لانے کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ آپ مدینہ کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنائیں ۔

الغرض مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو مدینہ کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا اور آپ ﷺ خود بھی بحکم الٰہی حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ کی جانب ہجرت کے لئے نکل پڑے ۔ (رہبر انسانیت: صفحہ ۱۹۴)

الحاصل آپ ﷺ کی مکی زندگی کا ایک ایک لمحہ افراد سازی میں گذرا، جس میں آپ ﷺ ایسے پریشان کن حالات سے دوچار ہوئے کہ شاید ہی کسی کو ایسے حالات ومصائب سے سابقہ پڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاقِ محمدی سے مزیّن فرمائیں۔ آمین

تمت بالخير والحمد لله بنعمته تتم الصالحات

مقالہ نگار: محمد تنویر جونا گڈھی
متعلم: جامعہ کاشف العلوم، سیڈوکر

مقالہ نمبر : ۲۱

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم، أمّا بعد.

قال الله تعالی: لقد کان لکم فی رسول الله اسوةٌ حسنةٌ ـ صدق الله العظیم

صدر محترم و معزز علماء کرام! بعثت بنوی ﷺ کے بعد اسلام پر دو دور گزریں ہیں، ایک کو مکّی دور اور دوسرے کو مدنی دور کہا جاتا ہے، یہ دونوں دور مختلف خصوصیتوں کے حامل ہیں اور دونوں دور سے خصوصیت کے ساتھ آج کل کے حالات میں اہل اسلام کو مختلف پیغام ملتے ہیں، ایسے پیغام جن کی روشنی میں اہل اسلام اپنے پورے تشخّصات کے ساتھ دنیا کے کسی بھی کونے میں پرسکون اور پروقار زندگی گزار سکتے ہیں۔

نبوت اور پہلی وحی: آپ ﷺ کا زمانۂ نبوت جتنا قریب آرہا تھا، دنیوی علائق سے کنارہ کشی اور تفرد میں دل جمعی کا غلبہ بڑھتا جارہا تھا، آپ ﷺ مکہ معظّمہ سے تین میل شمال میں غارِ حرا میں مہینوں قیام فرماتے اور وہاں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے، یہ نبوت کا دیباچہ تھا کہ خواب کے ذریعہ آپ ﷺ پر مخفی اسرار منکشف ہونے لگے، جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے بعینہ وہ پیش آجاتا۔

نبوت اور پہلی وحی کا نزول: حسب معمول آپ ﷺ غارِ حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبرئیل امینؑ تشریف لائے اور قیامت تک کے لئے خلعت نبوت آپ ﷺ کے زیب تن کیا اور وحی کا آغاز ’’ إقرأ باسم ربّك الذی خلق ‘‘ سے ہوا۔

بعثت کے وقت اہل عرب کے حالات: جس وقت آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا، اس وقت پوری دنیا شرک و بت پرستی کی لپیٹ میں تھی، عرب و عجم ایسی اخلاقی پراگندگی اور ظلم و زبردستی کے حالات تک پہنچ گئی تھی کہ انسان کا بحیثیتِ انسان تشخص ختم ہوتا جارہا تھا، گویا انسان اپنے انسانی تشخص سے محروم ہونے کے دہانے پر پہنچ گیا تھا، عیسائی موحدین بھی کہیں کہیں گنے چنے موجود تھے، ورنہ ان کی اکثریت بھی تحریف شدہ عیسوی مذہب پر عمل پیرا تھی، اس کا اندازہ حضرت سلمان فارسیؓ کی اس روداد سفر سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے حق کی تلاش میں کیا تھا، ایسے وقت میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

دعوت حق کا آغاز: حضور ﷺ نے نبوت ملنے پر بتدریج اپنی ذمہ داری انجام دینا شروع فرمادی، دین کی صحیح حقیقتوں سے باخبر کرنا شروع کردیا اور اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی، قدرے وقفہ کے بعد عمومی طور پر دعوت دینے کے لئے یہ حکم دیا گیا "قـــم فـأنذر" اُٹھ کھڑے ہوئیے اور ڈرائیے، ایسی مشرک واصنام پرست قوم کو ڈرانے کا حکم دیا گیا جن کے کان آج سے پہلے توحید سے آشنا نہ تھے، ان کے سامنے حضور ﷺ نے فریضۂ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت روح فرسا اور جان لیوا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسلئے آپ ﷺ نے انتہائی دانشمندانہ تدابیر سے کام آگے بڑھایا۔ ابتداءً امانتِ توحید کے پُرخطر راز کو پیش کرنے کے لئے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا جو آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی میں اخلاق و عادات کا تجربہ کرچکے تھے اور وہ لوگ آپ ﷺ کے صدقِ دعوی کا قطعی فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، رفتہ رفتہ آپ ﷺ نے دائرۂ تبلیغ کو وسیع فرمایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد اور غلام جوان اور بوڑھے، مرد اور عورتیں ہر ہر زمرے کے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، جب حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا تو دارِ ارقم کو تبلیغ کا مرکز بنایا گیا۔ ؎

جاں نثاروں کا حلقہ جس قدر بڑھتا جارہا تھا مصائب وآلام اور قریش کی آتشِ عناد

کے شعلے بھی بھڑکتے جارہے تھے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی دعوت کو روکنے کے لئے جتنے حربے اور ہتھکنڈے ہو سکتے تھے آزما ڈالے، جب مخالفین کی مخالفت اور تمام تر پروپیگنڈے ناکام ہوئے تو انہوں نے خصوصیت کے ساتھ اسلام لانے والے کمزوروں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے شروع کردیئے۔

ہجرت حبشہ: جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے اصحابؓ اور رفقاء کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''اگر تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کرجاؤ تو اچھا ہے، وہاں کا بادشاہ اچھا ہے اس کی حکومت میں کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا'' اس موقع پر مسلمانوں میں سے جو بہت پریشان ہوگئے تھے، حبشہ کی ہجرت کی، یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی، اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے مسلمان وہاں پہنچے، قریش مسلمانوں کا تعاقب کر کے حبشہ پہنچے مگر وہاں کے بادشاہ نے مسلمانوں کے اخلاق وعادات اور صحیح دین پر دیکھ کر اپنی طرف سے امان دی۔

شعب ابی طالب: جب قریش نے دیکھا کہ ہزاروں اذیتوں اور مخالفتوں کے باوجود اسلام کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ مرتب کیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خاندان کو پہاڑ کے درّے میں محصور کر کے مجبور و بے سہارا کردیا جائے، جب تک کہ وہ محمد ﷺ کو قتل کے لئے حوالے نہ کردے، مسلسل تین سال تک آپ ﷺ اور تمام آلِ ہاشم شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ یہ زمانہ ایسا گزرا کہ محصور مسلمان پتوں کو کھا کر رہتے تھے اور بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، آخر کار یہ معاہدہ بحکم الٰہی دیمک کی نظر ہوگیا۔ اس کے بعد اس حصار سے ان کی خلاصی ہوئی، شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد قریش کا ایذا رسانی کا معاملہ بدستور جاری رہا، البتہ آپ ﷺ کے لئے ایک مزید پریشانی اس طور پر بڑھی کہ آپ ﷺ کے بڑے با اثر حامی ابو طالب اور آپ ﷺ کی دلداری اور ہمدردی کرنے والی اہلیہ محترمہ حضرت

خدیجہؓ کی وفات ہوگئی، ان کی وفات کا آپ ﷺ کے قلب پر نہایت گہرا اثر پڑا، اسی طرح یہ سال آپ ﷺ کے لئے عام الحزن ثابت ہوا۔

طائف کا سفر: چچا کی وفات کے بعد جور و جفا کا سلسلہ دراز ہو گیا اور امید کے مطابق لوگ بھی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تو آپ ﷺ نے طائف کے لئے اس امید پر رخت سفر باندھا کہ وہاں کے لوگ شاید یہاں سے مختلف ہوں اور وہ اس پیغام ربّانی کو صفائی قلب کے ساتھ قبول کر لے، مگر جب آپ ﷺ طائف پہنچے تو امید کے بر خلاف مکّہ سے کہیں زیادہ درشت مزاجی سے آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا، آپ ﷺ نے وہاں کے تین سر براہوں سے حق کی ہمدردی اور حمایت طلب کی لیکن خدا کو یہاں بھی اپنے رسول ﷺ کے لیے عزم و استقامت اور صبر و برداشت کو ہی پسند کرنا تھا، لہٰذا وہاں کے بااثر لوگوں سے آپ کو ہمدردی نہیں ملی، بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کا استہزاء و تمسخر کیا گیا اور عام انسانی اخلاق کے پرے اوباش لوگوں کو پیچھے لگا دیا، انہوں نے آپ ﷺ پر اتنے پتھر برسائے جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے، آپ ﷺ شہر کے لوگوں سے مایوس اور زخم خوردہ ہو کر شہر کے باہر نکلے اور انگور کے ایک باغ میں آپ ﷺ کو پناہ ملی، اہل طائف کے اس رویہ سے آپ ﷺ بہت زیادہ شکستہ دل ہوئے۔

معراج: بہر حال طائف والوں کے اس رویّہ اور حالات کی سختی سے آپ ﷺ کا دل بے چین و رنجیدہ ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تقویت و تسکین کے خاطر آپ ﷺ کے رنجیدہ دل کو مسرور بنانے کے لئے آخرت میں جو ہونے والا ہے اور عند اللہ آپ ﷺ کا جو مقام ہے اس کا حقیقی منظر معراج کے ذریعے آپ ﷺ کو دکھا دیا۔

ہجرت حبشہ: نبوت ملنے کے تیرہ سال بعد جب مشرکینِ مکّہ کے ظلم و ستم نا قابل برداشت ہو گئے اور اسلام کو ایک ایسے مرکز کی ضرورت پیش آئی جہاں اہل اسلام طمانینتِ

قلب کے ساتھ اسلامی دعوت کو وسیع تر پیمانے پر فروغ دے سکے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مدینہ منورہ کو منتخب فرمایا اور اس کی طرف ہجرت کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ اس مرکز کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے ہجرت کو ایمان کی علامت قرار دیا، چنانچہ مسلمان موقع بموقع ہجرت کرنے لگے، جب مکہ میں مسلمان گنتی کے رہ گئے مشہور صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تھے تو قریش مکّہ نے دارالندوہ کے خفیہ اجلاس میں طے کیا کہ محمد ﷺ کو قتل کر دینا ہی واقعہ کا حل ہے، ادھر آپ ﷺ کے قتل کی سازش مکمل ہوئی اور ادھر ہجرت کا حکم آ گیا۔ چنانچہ اذن الٰہی کے مطابق لوگوں کی امانتوں کا مکمل انتظام کر کے ''اَللّٰہُ یَعصِمُكَ مِنَ النَّاس'' کی سِپر لئے گھر سے باہر نکلے اور ابوبکرؓ کو ہمراہ لے کر شب تاریک میں مکّہ سے چھپتے چھپاتے مدینہ کی جانب ہجرت شروع کی، مکّہ سے رخصت ہوتے وقت کعبہ کو دیکھ کر کہا ''مکہ تو مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے''۔

مکی دور کے خاص پیغام: مکی دور پر سرسری نظر ڈالنے سے ہمیں خصوصیت کے ساتھ چند پیغام ملتے ہیں:

(۱) تعلیم و تعلم کی اہمیت: آپ ﷺ پر آنے والی پہلی وحی کا آغاز ''إقرأ'' سے ہوا ہے، اس سے واضح اشارہ کیا گیا کہ دین حق کی تعلیم و تشریح جو اس نبی آخر الزماں کے ذریعہ کی جارہی ہے یہ علم سے گہرا واسطہ رکھتی ہے، انسانوں کی اصلاح اور ارشاداتِ الٰہی پر عمل کرنے کا جو کام انسان کو اس کے رب نے خلیفۃ اللہ فی الارض کی حیثیت سے دیا ہے، ''اس کا بڑا ذریعہ علم و قلم ہے'' جس کے ذریعہ ہم آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو فروغ دے سکتے ہیں۔

(۲) صبر و تحمل: آلام و شدائد کے ایسے ایسے نمونے صحابہؓ اور خود آپ ﷺ پر آزمائے گئے کہ اللہ کی پناہ! پھر بھی ان حضرات کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی، ہر مصیبت کو

خندہ پیشانی اور ہر آزمائش کو لطافتِ وجہ کے ساتھ برداشت کیا اور آپ ﷺ بھی صحابہؓ کو اتنی مصیبت کے باوجود صبر ہی کی تلقین اور تحمل کی ترغیب دیتے رہے۔

(۳) ابلاغِ دین: ایمان والوں کے ساتھ کفار کے ظالمانہ برتاؤ اور اس قدر اذیتوں کے باوجود فرضِ منصبی کی ادائیگی سے ذرا بھی کوتاہی نہیں، بلکہ توحید کے پیغام کو عام کرتے رہے اور شرک و بت پرستی سے لوگوں کو روکتے رہے۔

(۴) استقامت علی الدین: تاریخ وسیر کی کتابوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ان ظالمانہ اذیتوں کے باوجود ایک بھی شخص نے اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے روگردانی نہیں کی، جس کی شہادت خود ابوسفیانؓ نے نجاشی کے دربار میں دی ہے۔

(۵) پیغام ہجرت: مسلمان جس ملک میں رہتے ہوں وہاں حکومت کفار کی جانب سے اللہ کے احکامات کو بجالانے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہوں اور ہمارے حقوق پامال ہو رہے ہوں، جس کی بنا پر زندگی گزارنا دشوار ہو جائے تو چاہیے کہ ہم کسی ایسے وطن کی طرف ہجرت کریں جہاں اہل اسلام طمانینت قلب سے اللہ کے احکام کو پورا کر کے اس کو فروغ دے سکتے ہوں۔

خریطۂ عالم میں آج ہماری پوزیشن کہیں مکی دور تو کہیں مدنی دور کی حامل ہے، کہیں اقل القلیل ہے تو کہیں اکثر الکثیر، کہیں مسلمانوں کو اپنی الگ ریاست حاصل ہے تو کہیں ریاست حاصل نہیں، جہاں مسلمان اقل القلیل ہے، وہاں مکی دور کو اپنا رول ماڈل بنانا چاہیئے اور جہاں اکثر الکثیر ہے، وہاں مدنی دور کو اسوہ بنانا چاہیئے، آج کے دور میں خصوصیت کے ساتھ اسلام پر بیتتے ہوئے ان دونوں ادوار کا موازنہ کرنا چاہیئے، جہاں جس دور کی موافقت ہو، وہاں اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

مقالہ نگار: محمد ریاض اکلکوا
متعلم: دارالعلوم زکریا، جوگواڈ

مقالہ نمبر : ۲۲

نحمده ونصلّی علی رسوله الکریم، أمّابعد:فأعوذ بالله من الشیطان الرجیم ۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم

إِقْرَأبِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاَنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ إِقْرَأوَرَبُّكَ الْاَكْرَم ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَمَّ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔

اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو! اس کیلئے بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے! کیونکہ آپ ﷺ کے اخلاق، عادات، معاملات، کمالات معجزات غرض کونسا باب ایسا ہے کہ جس کا ذکر کیا جاسکے، یا اس کا احصاء کسی کے امکان میں ہو،

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

اس لئے حصول برکت کی غرض سے اس بحر ذخار سے نبوت سے لیکر ہجرت تک کے مختصر حالات لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

چنانچہ زمانۂ نبوت جتنا قریب آرہا تھا، دنیا سے کنارہ کشی اور تفرد میں دل جمعی کا غلبہ بڑھتا گیا، آپ ﷺ مکہ سے تین میل شمال میں غار حرا میں مہینوں قیام فرماتے، وہاں عبادت وریاضت اور مراقبہ میں مصروف رہتے، کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جاتے، جب ختم ہوجاتا تو کبھی کبھار حضرت خدیجہؓ بھی پہنچادیتی تھی۔

حسبِ معمول آپ ﷺ غارِ حرا میں مشغول عبادت تھے، کہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جس وقت آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف چالیس سال ایک دن تھی، وحی کا آغاز ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقْ'' سے ہوا، اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز اور ثقلِ وحی سے کانپ رہے تھے، حتٰی کے حضرت خدیجہؓ کے پاس آ کر فرمایا مجھے کپڑا اُڑھا دو، چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے کپڑا اُڑھا دیا، کچھ دیر کے بعد جب آپ ﷺ کا خوف جاتا رہا تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا؛ آپ ﷺ کو کیا خوف ہے؟ آپ ﷺ کیلئے تو بشارت ہے! خدا کی قسم خدا آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا اور آپ کی مدح سرائی میں بڑے ہی وقیع الفاظ فرمائے ''اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُقْرِى الضَّيفَ'' اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو تورات وانجیل کے ماہر تھے، انہوں نے ساری بات سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس ہے جو سیدنا موسیٰؑ پر اترا کرتا تھا۔ (ناموس خیر کے راز دار کو کہتے ہیں)

ورقہ نے بڑی حیرت آمیز لہجہ میں کہا، کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا جب قریش آپ ﷺ کو مکہ سے نکالتے تو میں آپ ﷺ کی پوری پوری مدد کرتا، یہ بات نبی علیہ السلام کے لئے بے حد حیران کن تھی کہ میرا معاملہ قوم کے ساتھ سچائی اور صفائی کا ہے اور قوم بھی مجھے صادق وامین مانتی ہے! تو پھر وہ مجھے کیوں نکالے گی؟ ورقہ نے کہا کہ آپ جس توحیدِ خداوندی کے علم بردار بنائے گئے ہے، یہ چیز جسے بھی ملی، قوم اس کی جانی دشمن بن گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو نبوت حاصل ہوتی ہے اس میں کمالات اور صفات بھی اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ صفات اور کمالات میں سب سے بڑی صفت اور سب سے بڑا کمال طہارتِ قلب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب نہایت ہی مزکیٰ ومصفیٰ تھا، اسلئے آپ مصطفے، مجتبے بن گئے اور آپ ﷺ کو نبوت کے اعلیٰ درجہ سے نوازا گیا۔

دعوت وتبلیغ: نبوت عطا ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال آپ کا قیام رہا، اس مدت میں آپ ﷺ لوگوں کے پاس ان کے مکانات اور خیموں میں اور عکاظ، مجنہ جاتے (یہ دونوں عرب کی مشہور منڈیاں تھی، جو عرفات کے قریب ایام حج میں لگتی تھی اور اکثر قبائل عرب ان میں شریک ہوتے تھے۔) اور فرماتے کہ کوئی مجھے جگہ دینے والا ہے؟ کوئی میری مدد کرنے والا ہے؟ تا کہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچاؤں اور تبلیغ کروں اور اس کو جنت ملے، اس طرح آپ ﷺ لوگوں کے پاس جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تو وہ انگلیوں کے اشارے کے ذریعہ آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، حالانکہ مکہ میں حضور ﷺ کی دیانت اور شرافت مشہور تھی، آپ ﷺ کی صداقت وامانت کی وجہ سے ہر شخص آپ کا احترام کرتا تھا، مگر جب آپ ﷺ نے توحید کی طرف بلایا تو خود آپ ﷺ کے گھر اور خاندان والے بھی آپ ﷺ کے دشمن بن گئے، آپ ﷺ کو کربناک اذیتیں پہنچائی گئیں، آپ ﷺ کو گلیوں کوچوں میں ستایا گیا، مجمعوں اور خلوتوں میں ایذا دی گئیں، آپ ﷺ کی عبادتوں اور آپ ﷺ کی دعوت الی التوحید میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔

دشمنانِ اسلام کی ان رکاوٹوں اور انتھک کوششوں کے باوجود فرزندانِ توحید کا قافلہ روز افزوں ترقی کرتا گیا، جس کی ابتدا سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے ہوئی۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دریافت کیا گیا کہ

آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد سب سے پہلے کس نے ایمان قبول کیا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ جنہوں نے بعثت کے دن ہی ایمان قبول کیا اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے، بعثت کے اگلے دن، صرف دس سال کی عمر میں ایمان قبول کیا اور دوستوں میں حضرت ابو بکرؓ نے اور غلاموں میں زیدؓ بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳/ص ۲۹/ دلائل ابی نعیم ج ۱/ص ۷۰/)

معراج : جب آپ ﷺ کی عمر اکاون برس نو ماہ کی ہوئی تو آپ ﷺ کو معراج ہوئی۔ مشہور قول کے مطابق ہجرت سے ایک سال قبل ۲۷/ رجب کی شب کو معراج ہوئی۔

اصطلاحِ علماء میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اِسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کو معراج کہتے ہیں، معراج کو معراج اس لئے کہتے ہیں کہ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے برآمد ہونے کے بعد حضور ﷺ کے لئے جنّت سے ایک سیڑھی لائی گئی، جس کے ذریعہ حضور ﷺ آسمان پر چڑھے، جیسا کہ ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں اس سیڑھی کا ذکر آیا ہے۔ (زرقانی: ج ۶/ ص ۳۳، ۵۵)

اس واقعہ کو قرآن کریم میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، البتہ احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، جس کا خلاصہ یہ کہ ایک شب نبی کریم ﷺ حضرت امّ ہانیؓ کے مکان میں آرام فرما رہے تھے، کہ یکا یک چھت پھٹی اور چھت سے جبرئیل امین اترے، اور آپ کے ہمراہ اور بھی فرشتے تھے، آپ ﷺ کو جگایا اور مسجد حرام کی طرف لے گئے۔

شق صدر کی حکمت : پہلی مرتبہ شق صدر کی حکمت یہ تھی کہ بچپن میں کھیل کود اور فضول ولایعنی کاموں کی جو دلچسپی ہوتی ہے، وہ آپ ﷺ میں نہ رہے، اس وقت ایک جما ہوا خون یہ کہکر نکالا گیا ''ھٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ'' گویا لڑکپن میں شیطانی اثرات سے حفاظت کیلئے شق صدر ہوا۔

دوسری مرتبہ شق صدر کی علت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ بلوغ کے قریب ہوئے اور جوانی کے لوازمات میں سے یہ ہے کہ شہوت کی طرف میلان ہوتا ہے اور غضب جوش مارتا ہے، سو ان گناہوں سے معصوم رکھنے کیلئے آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔

تیسری مرتبہ نزول وحی کے قریب، تا کہ آپ کے سینۂ مبارک میں وحئ خداوندی کے برکات وانوارات کو برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے۔

چوتھی مرتبہ کی حکمت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے قلب میں عالم ملکوت کی سیر کی قوت پیدا ہو جائے اور انوار وتجلیات کے مشاہدہ کی قوت پیدا ہو سکے، اس لئے معراج میں آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا گیا۔

اور قلب مبارک کو نکال کر زم زم کے پانی سے دھویا گیا۔ ابن جمرہ نے کہا کہ جنت کے پانی سے قلب اطہر اس لئے نہیں دھویا گیا کہ زم زم کے پانی میں ایک خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق جنت سے بھی ہے اور زمین سے بھی اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آں حضور کی برکت زمین میں باقی رہے اور مزید یہ کہ اس پانی کو حضرت جبرئیل امینؑ کے پر اور اسماعیلؑ کے قدم مبارک سے نسبت ہے۔

اور ایک سونے کا طشت لایا گیا، جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، اس ایمان وحکمت کو آپ ﷺ کے دل میں بھر کر سینۂ مبارک کو ٹھیک کر دیا گیا اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت لگائی گئی، بعد ازاں براق لایا گیا، آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچے۔

معراج میں فرضیت نماز کی حکمت :حافظ ابن حجرؒ نے لیلۃ المعراج میں نماز کی فرضیت کی وجہ اور حکمت یہ بتلائی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے زمزم سے آپ ﷺ کے قلب اطہر کو دھو کر پاک صاف کر دیا اور ایمان وحکمت سے آپ ﷺ کے دل کو معمور

فرما دیا، تو نماز کا ضابطہ ہی یہ ہے کہ اس سے طہارت ہو، لہٰذا اس کے بعد نماز کی فرضیت قرین قیاس ہے اور اس سے آپ ﷺ کی بزرگی اور عظمت حضرات ملائکہ پر ظاہر کرنا ہے، گویا اب ترتیب اس طرح ہوئی کہ پہلے ظاہر و باطن کو مزکّی کیا گیا، اور معراج میں بلا کر راز و نیاز کی باتیں ہوئی، نماز بھی اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ موقع تمام مسلمانوں کو دیا گیا کہ ہر دن باوضو نماز میں اللہ سے سرگوشی کر کے خاص مقام اور تقرب حاصل کرلیں۔

اور نماز کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ براہ راست آپ ﷺ کو اپنے پاس بلا کر فرض کیا، فرشتہ کا واسطہ نہیں رکھا گیا اور بار بار مراجعت کے بعد پچاس کو پانچ کیا گیا، مگر ثواب پچاس کا ہی رکھا گیا! گویا کہ نماز ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' کے ضابطۂ خداوندی کا استحضار ہے۔

الغرض مکی زندگی میں معراج سے قبل اور بعد مسلسل نبی کریم ﷺ لوگوں کو عقائد کی درستگی کی دعوت دیتے رہے، قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ۸۲ سورتیں مکی زندگی میں ہی نازل ہوئی، ان سورتوں کا خلاصہ اور نچوڑ تصحیح عقائد ہے، اسی مقصد سے آپ کا شوال ۱۰ھ نبوی میں زید بن حارثہؓ کے ہمراہ طائف کا سفر بھی ہوا، چونکہ طائف والے بھی خاندان قریش سے ہی تعلق رکھتے تھے، اس لئے آپ ﷺ کو امید تھی کہ مکہ والوں نے ساتھ نہیں دیا تو طائف والے تو ضرور ساتھ دیں گے، لیکن معاملہ برعکس ثابت ہوا اور وہاں سے بھی سخت مایوسی اور دردناک اذیت کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔

بعدہٗ ۱۱ھ نبوی میں، موسم حج میں، حجاج کے مجمع میں آپ ﷺ کی ملاقات انصار مدینہ سے ہوئی اور آپ ﷺ کی دعوت پر چھ انصار مشرف باسلام ہو گئے اور اگلے سال ۱۲/ انصار نے اسلام قبول کیا اور احکام اسلام اور اطاعتِ رسول ﷺ پر بیعت کی، جو ''بیعت عقبۂ اولیٰ''

کہلاتی ہے، اس کے بعد سن ۱۱/ نبوی میں شرفاء انصار کی جماعت کے ۷۵ آدمیوں نے آپ ﷺ کے دست مبارک پر اسی گھاٹی میں بیعت کی جس میں پہلے کی تھی، اس بیعت کا نام ''بیعت عقبۂ ثانیہ'' ہے، اس بیعت میں انصار مدینہ نے آپ ﷺ کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز مدینہ کو بنانے کی دعوت اور پیشکش کی، چنانچہ چند ماہ بعد ہی آپ ﷺ نے باذن خداوندی مدینہ کی جانب ہجرت فرمایا۔

مقالہ نگار: محمد کامران بمبئی　　　　مقالہ نمبر : ۲۳
متعلم: مدنی دار التربیت، کرمالی

وحی کا نزول: جس مہتم بالشان مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کے لئے محمد ﷺ دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس کے ظہور و اعلان کا زمانہ قریب آتا جا رہا تھا، انسانیت کی تاریخ کا آخری اور سب سے زیادہ روشن ورق الٹنے کے لئے قدرت کے ہاتھ جنبش میں آنے والے تھے، اندھیرا آپ ہی آپ کپکپاتا اور سمٹتا جا رہا تھا، جیسے اجالے کے لیے جگہ خالی کرنی ہے، برائیاں پسینہ پسینہ ہوئی جا رہی تھیں کہ نیکیوں کا دور شروع ہونے والا ہے، گمراہی کی جان لبوں پر آ گئی تھی کہ ہدایت کا ستارہ انقلاب کے جھروکے سے جھانک رہا تھا۔ کائنات کا ایک ایک ذرہ تبدیلی محسوس کر رہا تھا، حق وصداقت کا پیام فضا میں گونج رہا تھا، محمد ﷺ پر غور و فکر اور استغراق کی کیفیت جاری رہنے لگی تھی، مکہ سے تھوڑی دور حرا نام کا ایک غار تھا، آپ ﷺ ستو اور پانی لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک ریاضت و عبادت اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔ نفس کا یہ مجاہدہ اور استغراق کی یہ کیفیت کسی ''غیبی نمود'' کی منتظر تھی۔ دل و نگاہ کو نہایت بے چینی کے ساتھ کسی پیغام کا انتظار تھا۔ طبیعت میں بہت بے قراری رہتی۔ اسی تلاش، حیرانی اور بے قراری کو قرآن نے ضالٌّ سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا: ''وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى'' (سورۃ الضحی: ۷ آیت) ہے۔ قلب مبارک کی بے چینی دن رات بڑھتی جا رہی تھی۔ حقیقت منتظر چالیس سال سے جھانک رہی تھی، انتظار اور مسلسل انتظار یہاں تک کہ غار حرا کے

اندھیرے میں یکایک روشنی نمودار ہوئی۔ناموس اکبر خدا کا پیغام لے کر حاضر ہوا۔

یہ صورت حال عجیب تھی، عقل کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے والی، دماغوں کو حیران اور ششدر بنانے والی، عالم وراء الوراء کو آھستہ آھستہ مشاہدہ میں لانے والی اوراللہ العالمین کی عظمت ورفعت کو بتلانے والی۔اس منظر سے محمد ﷺ غار سے گھر تشریف لائے، پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ہیبت الٰہی سے چہرہ متغیر تھا، گھر آتے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا: ”زمّلونی زمّلونی“ چناں چہ آپ ﷺ کو چادر اڑھادی گئی، پھر پورا واقعہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے سامنے اظہر من الشمس کردیا۔حضرت خدیجہؓ کی فطرت سلیمہ نے اس واقعہ میں ذرا بھی شک وشبہ محسوس نہیں کیا؛ بلکہ تسلی دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ یوں تھا:

(واللہ لا یخزیك اللہ أبداً،إنّك لتصل الرحِمَ،وتحمل الكلَّ، وتكسب المعدوم،وتعین علی نوائب الحق) (التربیة الاسلامیه ص۱۳۸)

پھر وہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ایک خدا شناس بزرگ تھے، انہوں نے تفصیلی واقعہ سن کر فرمایا: یہ وہی ناموس اکبر ہے جو سابقہ انبیاء پر دربار ایزدی سے پیام حق وصداقت لایا کرتا تھا، اورفرمانے لگے جس وقت آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کے بارے میں تشکیک وتذبذب کا دروازہ کھولنے والی ہونگی، اس وقت میں ضرور بالضرور آپ ﷺ کی نصرت وحمایت کروں گا۔

اعلان حق : اعلان حق، اظہار صداقت اور تبلیغ خیر وہدایت پر منصب نبوت اور فریضۂ رسالت کی بنیاد ہے۔محمد ﷺ اسی کام پر مامور کیے گیے۔یہ فرض جس قدر اہم اور برتر وعالی ہے اسی قدر نازک اور دشوار بھی ہے۔یہاں قدم قدم پر مصیبتوں،

رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔تاج دار نبوت کی راہ میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں، سر پر خاک بھی ڈالی جاتی ہے، اظہار حق کی پاداش میں گالیاں بھی سننی پڑتی ہیں اور پتھروں کی بارش سے بدن بھی لہولہان ہوجاتا ہے۔ کوئی دنیا پرست اور بندۂ ہواوہوس ہو تو ان مصائب سے گھبرا کر جی چھوڑ جائے۔ کہ میں بیٹھے بیٹھائے اپنی جان مصیبت میں کیوں ڈالوں؟ لوگ راہ حق پر نہ آئیں تو اپنی بلا سے میں آخر تکلیفیں کس لیے اٹھاؤں؟ مگر نبی اور رسول کو اللہ تعالیٰ صبر واستقامت اور عزیمت وتوکل کی خاص قابلیت اور طاقت عطا فرماتا ہے۔کوئی مخالفت اسے اعلان حق سے باز نہیں رکھ سکتی۔ وہ اپنے پائے استقامت سے اسے ریزہ ریزہ کرتا ہوا گذرتا چلا جاتا ہے۔تلواروں کی جھنکاریں، برچھیوں کی دھاریں اور تیروں کے سوفار بھی رسول کو تبلیغ وتذکیر سے روک نہیں سکتے۔

چناں چہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کوہ صفا پر چڑھ گیے اور لوگوں کو آواز دی جیسے کوئی خاص اعلان اور اہم واقعہ کی خبر دینا ہے۔جس نے اس آواز کو سنا صفا کی طرف چل پڑا۔ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھئی محمد ابن عبداللہ ﷺ آج نہ جانے کیوں کوہ صفا سے لوگوں کو پکار رہا ہے چلو چل کر دیکھیں آخر معاملہ کیا ہے؟ یہ وہی محمد ﷺ ہے، جو صداقت وامانت اور متانت وسنجیدگی میں اپنا جواب نہیں رکھتے، انہوں نے کسی خاص بات کی اطلاع دینے کے لیے بلایا ہوگا حتیٰ کہ ایک اچھا خاصہ مجمع جمع ہوگیا۔حضرت دانائے سبل مولائے کل ﷺ نے توحید کا غلغلہ بلند کیا۔جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

أرأيتم لو أخبر تكم أنّ خيلا بالوادى تريد أن تغير عليكم،أكنتم مصدقى ؟

جواب میں قوم نے یوں فرمایا: نعم ماجرّبنا عليك كذبًا، آپ ﷺ نے

دیکھا کہ لوہا گرم ہے چوٹ لگا دینا چاہئے، چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: فإنّی نذیرلکم بیـن یـديْ عـذاب شـديـد، إن الـلـه أمـرنی أن انذِرُ عشيرتك الأقربين، وإنی لااملك لکم من الدنيا منفعةً، ولا من الأخرة نصيبا إلا أن تقولوا: لا إله إلا الله .(التربية الإسلاميه ص ١٤٨)

بتوں کے پوجنے والوں کے لیے یہ بالکل انوکھا اور عجیب سا پیام تھا، ان کے دل ودماغ میں کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے اور دنیوی زندگی کے اعمال پر عاقبت میں محاسبہ بھی ہوگا، ان کے شاعروں نے تو ان کے ذہن میں یہ بات اتار دی تھی:

مٹی میں مل کر اور پھر زندگی ہونا ہے کیا　　　خرافات ہے ؟ دیوانوں کی سی باتیں

ابولہب گدھے پر سوار تھا، کھجور کی چھڑی سے خاک اڑا کر کہنے لگا: ”تبًا لك یا محمد الهذا جمعتنا؟“ کوہ صفا پر اعلان حق کے بعد رسول ﷺ نے حلقۂ تبلیغ کو وسیع فرمادیا، گلی کوچوں اور بازاروں میں، سڑکوں اور چوراہوں پر خدا کا پیغام پہنچانے کی کوشش کی۔ مکہ ہی کیا سارے عرب ملک کے لیے یہ پیام بالکل اجنبی اور ناموس تھا۔ لوگ نیکی اور ہدایت کی باتوں سے بدکتے تھے، روایتی عصبیت اور کھوکھلے عقائد قبول حق سے روکتے تھے، لیکن چند روشن ضمیر حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ اور عقل وفراست کا پیکر بنایا تھا جیسے: حضرت ابوبکر بن قحافہ، علی بن ابی طالب، خدیجہ بنت خویلد، زید بن حارثہ، بلال حبشی رضی اللہ عنھم مشرف باسلام ہوئے

(جامع السیرۃ ص۲۴)

ہجرت: وہ اب سچ مچ حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے خون کے پیاسے ہو گئے، ان سب نے عزم مصمم کرلیا تھا اور اپنے جھوٹے خداؤں کی قسمیں کھا کھا کر اس بات میں متفق ہو گئے تھے کہ جیسے بن پڑے گا مکہ سے اسلام کے شیدائیوں کا نام ونشان مٹا کر دم لیں گے۔ کانٹے کی نوک سے لے کر نیزے کی انی تک، ہر چیز مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جائے گی، جہاں تک ہمارے دم میں دم ہے، یہ نیا دین عرب میں نہیں چل سکتا، لات وہبل کی عظمت پر ہم حرف نہ آنے دیں گے۔ اسلام دشمنی پر ضروری ہتھیار سے لیس ہو کر مخالفت میدان میں آ گئی، مشورہ نہیں بلکہ عہد و پیمان ہوئے کہ مکہ کی زمین محمد ﷺ بن عبداللہ اور آپ کے ساتھیوں اور معاونین ومددگار پر تنگ کر دی جائے گی، کھل کر، چھپ کر جس طرح ممکن ہوگا مسلمانوں کو ستایا جائے گا، کیوں کہ کوئی بت پرست اپنے مسلمان رشتہ دار کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کریگا، قومی سربلندی اور آبائی عظمت ہر چیز سے قیمتی اور عزیز تر ہوتی ہے، ابوطالب اور خدیجہ کی یکے بعد دیگرے وفات نے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو دل شکستہ کر دیا ہے۔

ہماری غیرتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ گنتی کے چند آدمیوں کو ہم تباہ نہیں کر سکتے، گلیوں اور بازاروں میں اپنے معبودوں کی ہم برائی سنتے ہیں، اور کہنے والے کے جسم میں ایک سوئی بھی ہم سے نہیں چبھوئی جاتی۔ حالاں کہ لات ومنات کو برا کہنے والی زبان تالو سے کھینچ کر پھینک دیئے جانے کے قابل ہے۔ کفار قریش کے دل پہلے ہی سے سخت تھے، اسلام دشمنی نے اس سختی کو اور پتھر بنا دیا۔ ان میں شرافت اور انسانیت کی رمق ومروت اور اخلاق کا جوہر ہی باقی نہ رہا تھا، ان کے پاس سمع قبول تھا، نہ گوش شنوا اور نہ

دیدۂ حقیقت، مگر حق شناسوں کا ایک بے لگام گروہ تھا، جو سچائی کے مقابل ہر امکانی قوت کے ساتھ پنجہ آزماتھا، اسی پر آشوب دور میں حضرت محمد ﷺ نے خدا کا حکم پاکر اپنے چند صحابہؓ سے فرمایا کہ تم حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا، اوراس خطہ میں تمہیں امن مل سکے گا۔ صحابہ کرامؓ کا ایک مختصر کارواں حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اللہ کی راہ میں یہ پہلی ہجرت تھی، جس کی بدولت عرب سے باہر اسلام کی آواز پہنچ گئی، کفارقریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ چند مسلمان صحیح سلامت حبشہ پہنچ گئے ہیں، تو ان کا ایک وفد بھی حبشہ کی طرف روانہ ہوگیا، عداوت اوراذیت کی کونسی انتہاہے کہ وطن چھوڑ دینے کے بعد بھی قریش کے کلیجہ میں ٹھنڈک نہ پڑی۔ وہ چاہتے تھے کہ مکہ کی طرح حبشہ کی زمین بھی مسلمانوں پر تنگ کردی جائے، اس حق پرست جماعت کو دنیا کے پردے پر کہیں بھی امان نہ ملے، عافیت کے تمام دروازے ان پر بند ہوجائیں، چناں چہ نئی سطر سے کفارقریش بڑے چالاک فتنہ گراورسازشی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شاہ حبشہ کو بھڑکانا مشکل اوردشوار کام ہے چناں چہ بادشاہ کے مصاحبوں اوردرباریوں کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا کہ یہ لوگ ایک نیا دین لے کر تمہارے ملک میں آئے ہیں۔ انہوں نے جوانوں کو بہکا کر غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ دیکھنا کہیں یہ جادو تمہارے زیرنگیں پر بھی نہ چل جائے، اسلام عیسائی مذہب کا سخت مخالف ہے، یہ لوگ تو بس توحید کے نشہ میں سرشار ہیں۔ درباریوں نے شاہ حبشہ سے ان کی شکایت کی، قصہ مختصر حضرت جعفر طیارؓ نے ایک نہایت ہی دل نشیں انداز میں تقریر کی، وہاں کے حجروشجر اس کی مہک سے لہلہا اٹھے اور معطر ہوگئے، تو محمد ﷺ نے اپنے یارغار صدیق لأمت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ کا رخت سفر باندھا، خدائی مدد ساتھ رہی اور کئی جگہ

گرفتاری کے تمام آثار کے باوجود آپ ﷺ بچ گیے، حتی کہ مقام قبا پہونچ گئے، اہل یثرب نے جب سے سنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ چھوڑ دیا ہے روز صبح سے سر راہ ہمہ چشم بن کر بیٹھ جاتے، اور جب تک ٹھیک دو پہر نہ ہوجاتی، بیٹھے رہتے، یہ بزرگوار ایک دین ابھی واپس ہی گیے تھے کہ حضور ﷺ پہونچ گیے، اور ایک شخص کے پکارنے سے سب جمع ہوگئے اور خیر مقدم اللہ اکبر کے ترانے گاتے ہوئے آفتاب رسالت کے گرداگرد نور خیز شعاؤں کی طرح جمع ہوگئے، اکثر مسلمان ایسے تھے جنھوں نے ہنوز دیدار پرانوار سے چشم ظاہر کو روشن نہ کیا تھا، انھیں نبی اللہ اور حضور ﷺ کے رفیق ابوبکرؓ صدیق کی شناخت میں اشتباہ ہوجاتا ہے، حضرت صدیقؓ اس ضرورت کو تاڑ گیے اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر سایہ کر کہ کھڑے ہوگئے۔

شــــر البــــدرعـــلـيـــنـــا	ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
مـــن ثـــنـيــــات الـــوداع	چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
وجــب الشـــكـــرعـــلـيـــنـــا	کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
مـــــادعـــــالـــلـــــه داع	شکرواجب ہے ہمیں اللہ کا
أيهـــاالـــمبـعــوث فيـنــــا	ہے اطاعت فرض ترے حکم کی
جـئـت بـــالأمـــر الـمـطـــاع	بھیجنے والا ہے ترا کبریا

یہ اشعار بطور خراج عقیدت وتحسینا آپ ﷺ کی شان میں کہے گئے۔

(رحمۃ للعالمین:۹۱ تا ۹۵)

خلاصۂ بحث: نبی اکرم ﷺ نے پوری مکی زندگی میں اس بات کی کدو کاوش کی کہ ملت ابراھیم میں پیداشدہ تمام اوھام باطلہ، خیالات زائقہ اور روایتی عصبیت، اندھی

تقلیدیں تلبسیات ابلیس اور موروثی پوجا کو ملت ابراھیمی سے منقح ومنزہ کریں، رسول اللہ ﷺ ان میں سے بعض کے دلوں کو کدورتوں اور گندگیوں سے پاک کرنے میں کامیاب وکامران رہے۔

پوری مکی زندگی افراد سازی میں صرف فرمائی تاکہ اسلام سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مستحکم ومضبوط ہو جائے، اور آئندہ کے لیے اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ بنے کسی بھی قسم کے اعتراضات اسلام کے پیروکار کے عقیدہ کو متزلزل نہ کر سکے، وحدانیت کا بول بالا رہے اور پوری دنیا امن وسکون کا گھوارہ بن جائے۔

مقالہ نگار: سہیل بن مولانا ثناء اللہ بڑودوی　　　　مقالہ نمبر : ۲۴
متعلم: جامعہ حقانیہ، کٹھور

نحمده ونصلي على رسوله الكريم،أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

هُوَالـذِّیُ بَعَثَ فِی الُأمِّیِّیـنَ رَسُـوُلًامِّـنُهُـمُ یَتُلُوُعَلَیُهِمُ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیُهِمُ وَیُعَلِّمُهُمُ الُکِتَابَ وَالُحِکُمَة ،وَ إِنُ کَانُوُامِنُ قَبُلُ لَفِیُ ضَلَالٍ مُّبِیُن۔

قابل قدر حضرات سامعین کرام! آقائے نامدار، سید الکونین، نبی امی، فدَاہُ ابی وامی ﷺ جب اپنی عمر مبارک کے اکتالیسویں سال میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کو دوشنبہ کے روز ۱۷ رمضان، مطابق ٦ اگست ٦١٠ء نبوت ورسالت کے زریں خلعت سے سرفراز کیا گیا، اس وقت آپ ﷺ غارِ حرا میں خدا سے لولگائے ہوئے تشریف فرما تھے، یہ واقعہ حالتِ بیداری اور شعوری میں پیش آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتہ آپ ﷺ کے سامنے غار حرا میں نمودار ہوا اور کہا کہ پڑھیے، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبایا، یہاں تک کہ میں نے دبائے جانے کی وجہ سے تکلیف محسوس کی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس فرشتہ نے پھر مجھے پکڑ کر اتنی زور سے لپٹایا کہ مجھ پر اس کا شدید دباؤ پڑا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے پھر مجھے پکڑ کر دوبارہ اسی طرح دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا إِقُرَأُ بِـاسُـمِ رَبِّكَ الَّـذِیُ خَـلَقَ خلَقَ

الْـإِنسَـانَ مِـنْ عَلَقٍ إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِا لْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (سورہ علق) (اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے عالم کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھلائیں جن کا اس کو علم نہ تھا، یہ نبوت کا پہلا دن تھا اور یہ آپ ﷺ پر پہلی وحی تھی، اس عجیب واقعہ کے پیش آنے سے رسول اللہ ﷺ خوف زدہ ہو گئے تھے؛ لیکن حضرت خدیجہؓ جیسی عقل منداور ذی شعور خاتون نے آپ ﷺ کے خصائلِ حمیدہ اور ستودہ صفات کو حکیمانہ اسلوب میں بیان کر کے آپ ﷺ کی اضطرابی کیفیت کو مضمحل کر دیا، جس کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں مکمل طور پر موجود ہے۔ اس واقعۂ جانفزا کے بعد نبی اکرم ﷺ نے پیغام نبوت کی ضیا پاشیاں شروع کر دی اور سب سے پہلے جن نفوس قدسیہ نے دعوت نبوی پر لبیک کہہ کر دولت اسلام کا اعزاز حاصل کیا وہ حضرت خدیجہؓ، حضرت علی بن طالبؓ، حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہؓ اور حضرت ام ایمنؓ ہیں، پھر انہیں حضرات کی جہد مسلسل سے رفتہ رفتہ دائرۂ اسلام میں وسعت پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ قریش مکہ کے بہت سے نامی گرامی افراد قبول اسلام کی سعادت سے بہرور ہو گئے، مگر آپ ﷺ کو ابھی تک علی الاعلان دعوت وتبلیغ کا حکم بارگاہ خداوندی سے نہیں ملا تھا، اس لئے تقریبا تین سال تک اس انقلابی دعوت کا پر کیف سلسلہ مخفی انداز میں بتدریج ترقی کی راہ پر گامزن رہا اور اس دوران حضرت ارقمؓ کا مکان جو کوہ صفا پر واقع تھا، مسلمان ہونے والوں کی آماجگاہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا، جہاں نبی کریم ﷺ اسلام میں داخل شدہ افراد کو دین کی تعلیم سے سرفراز فرماتے، کلام الٰہی سناتے اور جو احکام نازل ہو چکے تھے اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے؛ لیکن بعثت کے تیسرے ہی سال خفیہ دعوت کے بعد اعلانیہ دعوت کا نیا مرحلہ بھی

آ گیااوررب العالمین کی طرف سے حکم ہو’’ فاصدع بما تؤمر وأعرض عن المشرکین‘‘ جوحکم تم کوخدا کی طرف سے ملا ہے وہ لوگوں کوسنا دواور مشرکوں کا بالکل خیال نہ کرو، ’’ وأنذر عشیرتك الأقربین و اخفض جناحك لمن اتّبك من المؤمنین‘‘ (شعراء) اوراپنے قریب کے رشتہ داروں کوڈر سنا دواور جومؤمن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ،’’ وقل اِنّی أناالنذیرالمبین‘‘ (حجر) اور کہہ دوکہ میں تو اعلانیہ ڈرسنانے والا ہوں،ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ کوہ صفا پرتشریف لے گئے ،جومکہ کی قریبی پہاڑی تھی اور بلند آواز سے پکارا ’’یا صَبَاحَاہ، یَاصَبَاحَاہ‘‘ وادئ مکہ میں رہائش پذیرلوگوں میں یہ بات نقش کالحجر تھی کہ یہ آواز انتہائی خطرناک موقع ہی پر بلند کی جاتی ہےاور عام طور پراس میں غلط بیانی ،فریب دہی یا مذاق کا شائبہ نہیں ہوتا ہے،لہٰذا مکہ والوں کے پردہ سماعت سے جیسے ہی یہ پرخطرآوازٹکرائی، بلاتاخیر قریش کا سارا قبیلہ جمع ہوگیا اور جو کسی وجہ سے نہیں آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا، پھر آپ ﷺ نے ان قبائل کا نام لے کر فرمایا؛’’اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، جوتم پرحملہ آور ہونا چاہتا ہےتو کیاتم میری تصدیق کروگے؟‘‘عرب حقیقت پسند لوگ تھے،انہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں صداقت ودیانت کا بارہا تجربہ کیا تھا،جس کی وجہ سےسب نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں ! ہم یقین کریں گے، جب آپ ﷺ نے ان سب کو اپنی سچائی پر گواہ بنالیا توارشادفرمایا’’اِنّی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید‘‘ لوگوں! میں تمہیں ایک سنگین عذاب سے آگاہ کرنے آیا ہوں، جو بالکل تمہارے سامنے ہے، پھرآپ ﷺ نے اسی پہاڑی پردوران وعظ یہ انقلاب انگیز جملہ بھی ارشادفرمایا؛ جواسلامی دعوت وتبلیغ کا خلاصہ ہے: کہ ’’یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا‘‘ اے لوگو! اس بات کوقبول کرلوکہ اللہ کے

علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، فلاح یاب ہو جاؤ گے، اس تاریخ ساز جملے نے مجمع میں آگ لگا دی اور ابولہب جو آپ ﷺ کا چچا تھا، غصہ میں آگ بگولہ ہو کر بکنے لگا ''تبا لك سائر اليوم ألهذا جمعتنا'' ، تم تباہ ہو جاؤ، کیا تم نے اسی لیے ہم کو جمع کیا تھا؟ اسی لیے شور مچایا تھا؟ چنانچہ ابو لہب کی اس نازیبا اور گھناؤنی حرکت پر خداوند قدوس کو جلال آ گیا اور قرآن کریم کی سورہ ''سورۃ اللہب'' اس کی بدبختی کے اعلان کے لیے ابدی طور پر نازل کر دی گئی، اعلانیہ دعوت کا حکم ملنے کے بعد آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ کبھی پہاڑی پر، کبھی کعبۂ مقدسہ کے سامنے، کبھی میلے میں، کبھی بازار میں، کبھی سڑک پر، کبھی خواص میں، کبھی عوام میں، غرض جہاں جہاں بھی انسانی مجمع ہوتا، آپ ﷺ وہاں پہونچ کر لوگوں کو خطاب کر رہے ہیں اور ببانگ دہل پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ بتا رہے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں یہ پیام لے کر آیا ہوں کہ اپنی زندگی کو بالکل نئی کر لو، مال و دولت کی محبت، بخل و کنجوسی ترک کر دو، حرص و ہوس جاہ سے کنارہ کشی اختیار کر لو، اپنی جھوٹی شاعری اور موسیقی سے اجتناب کلی کر لو، رشوت وسود خوری، خیانت و بدمعاملگی، جوا اور شراب نوشی، بے حیائی، بدکاری کو پس پشت ڈال دو ، عورتوں اور غلاموں پر ظلم، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذموم حرکت سے باز آ جاؤ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے معبودان باطلہ کا طوق اپنی گردن سے نکال کر صرف خدائے وحدہ لا شریک لہ کی سچی غلامی قبول کر کے ابدی سعادت کا تمغۂ امتیاز حاصل کر لو، اس انقلابی آواز کا مشرکین مکہ کے کانوں میں پڑنا تھا کہ گویا ایک نازک و لطیف شیشہ کی ٹکر ایک سخت اور ٹھوس چٹان سے ہو گئی، ساری شیطانی اور طاغوتی قوّتوں نے اکٹھے ہو کر اس زمزمہ سرائے توحید پر یلغار کر دی، کنبہ والے بگڑے کہ سارے کنبہ کے خلاف یہ انوکھی بات زبان سے کیسے نکال دی؟ برادری والے روٹھے کہ باپ دادا کی ریت رسم کو کس منہ سے برا ٹھہرایا؟ بستی والے

الجھے کہ امن وچین کی پر بہار زندگی میں یہ خواہ مخواہ ایک تفرقہ اور فساد کھڑا کر دیا۔ غرض خاندان مخالف، برادری مخالف، شہر کی ساری آبادی مخالف، وطن کے در و دیوار مخالف اور چشم ظاہر میں تو یہ نظر آنے لگا کہ وہ جو اس بزم ہستی کا صدر بنا کر بھیجا گیا، زمین کے ذرے اس کے مخالف، آسمان کے تارے اس کے مخالف، مگر ان تمام تر مخالف بادسموم کے باوجود چراغ مصطفوی کی شعائیں پوری تابندگی کے ساتھ پھیلتی رہیں اور کفار مکہ ردعمل کے طور پر مختلف رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے، کبھی آپ ﷺ پر اور آپ پر ایمان لانے والے افراد پر ظلم وستم کے کوہ گراں گراتے، کبھی آپ ﷺ کے مؤثر خطاب کو غیر مؤثر باور کرانے کے لیے آپ ﷺ پر سحر و کہانت اور جنون کی مذموم تہمت لگاتے، کبھی اس انقلابی دعوت کو خاموش کرنے کے لیے مختلف انداز سے آپ پر لالچ کے جال پھینکتے، کبھی دارالندوہ میں جمع ہو کر سرداران قریش آپ ﷺ کے خلاف سماجی مقاطعہ اور قتل وغیرہ جیسی تجاویز پاس کرتے، کبھی ابوطالب کے پاس آ کر بھتیجے کو باز رکھنے کی گوہار لگاتے؛ لیکن سرداران مکہ کا ہر منصوبہ اور حکمت عملی نبی امی ﷺ کے خلاف تار عنکبوت ثابت ہو کر ناکامی کی شکل اختیار کر جاتی اور دعوت نبوی قبول کرنے والوں میں پیہم اضافہ ہی ہوتا رہا ''یریدون لیطفئوا نوراللّٰہ بأفواھھم ویأبی اللّٰہ اِلّاأن یتمّ نورہ ولو کرہ الکافرون'' وہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، مگر اللہ کو تو اس کو مکمل ہی کرنا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مقالہ نگار: ارشد راجستھانی
مقالہ نمبر : ۲۵
متعلم: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی

حَامِدًا وَ مُصَلِّياً وَ مُسَلِّمَا

محترم ومکرم صدرِ اجلاس ومعزز اساتذۂ کرام ومہمانانِ عظام!

اسلام عالمی اور ابدی مذہب ہے، اسلام کی تعلیمات اور اس کا سرمدی پیغام دنیا کے ہر گوشے میں بسے ہوئے انسانی افراد اور معاشرے کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہے، اس عالمی اور آفاقی مذہب کے پیغمبر نبی آخرالزماں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر مرحلہ اور ہر پہلو پوری امتِ مسلمہ کے لیے ایک کامل اسوہ اور مکمل نمونہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (۳۳؛۲۱) آپ ﷺ کی گھریلو زندگی ہو یا سماجی زندگی، مکی زندگی ہو یا مدنی زندگی، عبادات ہو یا معاملات سیاسیّات ہوں یا اخلاقیات ومذہبیات، آپ ﷺ کی زندگی کا عملی نمونہ ہر شعبۂ زندگی میں تمام انسانوں کے لیے قابلِ تقلید ہے، نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جو اس ملک میں اقلیت میں ہیں ایک مکمل عملی نمونہ موجود ہے۔

حضرات! رسول اللہ ﷺ نے جس وقت اپنی عمر کے چالیس سال پورے کئے اس وقت دنیا آگ کی خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لبِ بام کھڑی تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم وبدنصیب دنیا کی قسمت جاگی اور بعثتِ محمدی ﷺ کا مبارک وقت قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ جب تاریکی بہت بڑھ جاتی ہے اور

قلوب سخت اور مردہ ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جاں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آجاتی ہے، ایسے حالات میں اوّلاً آپ ﷺ کو تنہائی اور خلوت زیادہ پسند تھی اور آپ ﷺ کو سب سے علٰحدہ اور تنہا بیٹھنے میں بڑا سکون ملتا تھا، اسی حالت میں آپ ﷺ زیادہ تر غارِ حرا میں قیام فرماتے اور متواتر کئی کئی راتیں وہاں گزرتی، اسی طرح آپ ﷺ ایک بار غارِ حرا میں تشریف فرما تھے کہ منصب نبوت سے آپ ﷺ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آپہونچی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے اِکتالیسویں سال آپ ﷺ کے سامنے غارِ حرا میں ایک فرشتہ آیا اور کہا پڑھئے، آپ ﷺ کا جواب تھا ''مَـــا اَنَـــا بِقَـــارِی''، فرشتہ نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا اور ایسا تین بار ہوا، اور اِقْـرَأْ بِـاسْمِ رَبِّكَ کا نزول ہوا یہ نبوّت کا پہلا دن تھا اور پہلی وحی تھی اور قرآن کا پہلا حصّہ۔

حضرات! رسول اللہ ﷺ اس عجیب واقعہ سے خوف زدہ ہوئے اور آپ ﷺ گھر تشریف لائے، شدّت خوف سے آپ ﷺ کے شانہ مبارک پر کپکپی طاری تھی اور آپ ﷺ نے ''دَثِّـرُونِـی، دَثِّرُونِی'' فرمایا؛ حضرتِ خدیجہؓ نے سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے پورا ماجرا سنایا۔ حضرت خدیجہؓ نے وہ تاریخی کلمات کہے اور دھارس بندھائی جو ایک عقل منداور ذی شعور خاتون ہی کرسکتی ہے۔ خدا کی قسم! اللہ آپ ﷺ کو ہرگز ذلیل ورسوا نہ کریگا، آپ ﷺ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ کرتے ہیں اور دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں اور محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت وخاطر مدارات کرتے ہیں، راہِ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں، پھر آپ ﷺ کو لیکر ورقہ بن نوفل کے پاس آئی، آپ ﷺ نے ورقہ کو پورا قصہ سنایا، سنتے ہی ورقہ نے کہا ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپ اِس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا تھا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا تھا اور ایک زمانہ آئیگا کہ آپ کی قوم آپ کو

جھٹلائیگی اور ایذا پہونچائیگی، آپ کو نکالیگی، آپ سے جنگ کریگی'' آپ ﷺ کو تعجب ہوا کہ میری قوم یہ معاملہ کریگی؟ ورقہ نے کہا؛ ہاں، اگر میں اُس دن رہا، اگر میری زندگی وفا کرے تو میں آپ کی پوری قوت کے ساتھ مدد کروں گا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ مسلمان ہوئی، پھر حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ، حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے، ان کی تبلیغ سے دوسرے شرفاء قریش بھی مسلمان ہوئے جن میں حضرت عثمانؓ، زبیر بن العوّامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ قابلِ ذکر ہیں، ان کے بعد اور شرفاء قریشبھی ایمان لائے، ابوعبیدہ بن الجرّاحؓ، ارقم بن ارقمؓ، عثمان بن مظعونؓ، خباب بن الارتؓ وغیرہ نیز اور بھی بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام زور وشور سے شروع کردیا، جب قریش آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے چچا ابوطالب سے مایوس ہوگئے تو ان کا سارا غصہ ان کے قبیلہ کے اُن افراد پر اترنے لگا جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور ان کا کوئی حمایتی نہ تھا۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سنگدلی و بے رحمی کی انتہا کردی مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کو سخت تکلیفیں پہونچائیں، نہ قرابت داری اور رشتہ کا پاس رکھا، نہ انسانیت کا لحاظ رکھا۔

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں اور ایمان لانے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے تو عتبہ نے یہ تجویز پیش کی اور قریش نے ان کو اجازت دی اور اپنا نمائندہ قرار دیا، اُس نے مال ودولت، حکومت، عورت ساری چیزوں کی لالچ وطمع دی، مگر آپ ﷺ نے اس کے جواب میں صرف سورۃ فُصِّلَتْ کی چند آیات ہی پڑھ کر سنائی اور وہ ہکّابکّا ششدر رہ گیا، اور جا کر قریش سے کہا؛ اے قریشیوں! نہ وہ شعر ہے، نہ سحر

ہے، نہ کہانت اور نہ ہی علم نجوم ہے، میری بات مانو اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو تو اس کو بھی ملامت کرنے لگے، اس نے پھر کہا میری یہی رائے ہے اب جو تم چاہو کرو۔

پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دیا، اُس موقع پر حبشہ کے مسلمانوں نے جو طریقۂ کار اختیار کیا وہ ہمارے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے روشن نمونہ رکھتا ہے، مسلمانوں نے سب سے پہلے اجتماعیت اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت جعفر طیارؓ کو اپنا امیر بنایا، پھر انہوں نے باہمی مشورہ اور اتفاقِ رائے سے یہ طے کیا کہ جس دین حق کے خاطر ہم نے اپنا وطن عزیز چھوڑا ہے اس کے خلاف ہم کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ حق ہوگا حکمت و بصیرت کے ساتھ معقول و مدلل انداز میں اس کو سامنے رکھینگے۔

حضرات صحابہؓ نے اپنی چھوٹی سی بستی بنا کر تجارت وغیرہ کا پیشہ اختیار کیا، اِس سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ جہاں بھی رہیں، محنت و مشقت اور امانت و دیانت کے ساتھ حلال روزی کے ذرائع اختیار کریں، مسلمانوں نے ملک کی خیر خواہی اور اہل ملک کے ساتھ وفاداری کا برتاؤ کیا، ہم مسلماں کو ہجرتِ حبشہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے، مشکل اور اہم مواقع پر اجتماعیت اختیار کر کے باہمی مشورہ سے کام لینا اور کسی کو اپنا امیر منتخب کر لینا چاہیے۔ مسلمانوں کو یہ طے کر لینا چاہیے کہ کسی حال میں بھی حق و صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے اور اپنے ایمان و یقین کا سودا کسی بھی شکل وصورت میں نہیں کریں گے، یہی اُن کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کی اساس ہے، نیز جذباتیت سے گریز کرتے ہوئے حکمت و بصیرت سے کام لینا چاہیے اور مخالف حالات کا صبر و استقامت سے سامنا کرنا چاہیے، دین کی دعوت حکمت، معقول اور مدلل طریقہ سے اپنے ہم وطنوں کو دینی چاہیے اور ہمیشہ طاقت کا مقابلہ حکمت و دانائی سے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے نظام عدل سے واقفیت

حاصل کرنا چاہیے اور اسے اپنے تحفظ کے لئے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ نیز مسلمانوں کو جس ملک میں وہ رہے، وہاں امن پسند شہری کی حیثیت سے رہنا چاہیے اور تخریبی کارروائیوں سے گریز کرنا چاہیے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موقف، مقصدِ حیات اور طرزِ زندگی سے ہم وطنوں کو واقف کرائیں، تاکہ وہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو اور تحفظ کے مسائل پیدا نہ کرے اور اسلام سے اجنبیت کی وجہ سے اس کو حریف نہ سمجھیں۔ نیز مسلمانوں کو ہم وطنوں کے مذہب، مزاج اور مذہبی شعار سے ضروری واقفیت حاصل کرنی چاہیے، تاکہ امن وسکون اور بقائے باہم کی راہ ہموار ہوں۔ ہجرت حبشہ سے قبل سورۂ مریم کا نزول، نجاشی کی عدالت میں حضرت جعفرؓ کی تلاوت اور نجاشی کے دربار میں آپ کی پوری تقریر کا خلاصہ یہی ہے۔

قریش نے مسلمانوں کو وہاں بھی آرام وسکون سے رہنے نہ دیا اور تعاقب میں حبشہ گئے، وہاں کے بادشاہ سے ان کو اپنے ملک سے واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا، پھر اللہ نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے ذریعہ، جس کی حضور ﷺ نے دعا مانگی تھی اسلام کی صفوں کو مضبوط کیا، پھر شعبِ ابی طالب کا مشہور محاصرہ پیش آیا، جہاں شدّتِ بھوک و پیاس سے درخت کے پتے اور چمڑے تک کھانے کی نوبت آئی، پھر دیمک نے اس دستاویز کو کھالیا تب یہ محاصرہ اللہ کے حکم سے ختم ہوا، تین سال سخت محاصرہ میں گزرے۔

عام الحزن: نبوّت کے دسویں سال، ایک ہی سال کے اندر ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ دونوں کا انتقال ہوگیا، اس حادثہ کے بعد حضور ﷺ کو پے در پے کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑا، خواجہ ابوطالب کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کو وہ بہت سی تکلیفیں اور اذیتیں پہونچیں جن کی ہمت ابوطالب کی زندگی میں قریش والے نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ کے سر پر مٹی بھی پھینکی گئی، جب اِن اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور مشرکین و کفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت بڑھ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے طائف کا

قصد فرمایا۔ (خاتم النبین از شیخ ابوزہرۃ: ج-۱صفحہ۵۸۰)

جب رسول اللہ ﷺ طائف تشریف لائے تو سب سے پہلے ثقیف کے سرداروں اور ذمہ دار لوگوں سے ملنے تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کو دین حق کی دعوت دی، لیکن آپ ﷺ کو اس کا بہت برا اور سخت جواب ملا، انہوں نے آپ ﷺ کا مذاق بھی اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کو ستانے پر مامور کر دیا، یہ لوگ آپ ﷺ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ ﷺ پر پتھر پھینکتے، اِسی بے کسی اور کرب کے عالم میں آپ ﷺ پناہ لینے کے لیے ایک کھجور کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ طائف میں آپ ﷺ کو جتنا ستایا گیا، وہ مشرکین مکّہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا اور کیا کیا گزری، کہاں تک اس کی تفصیل بیان کی جائے؟ خلاصہ یہ کہ طائف میں وہ پیش آیا جو کہیں نہیں پیش آیا۔

”کَانَ اَشَدُّ مَالَقِیتُ مِنھُم یَومَ العَقَبَةِ اِذعَرَضتُ نَفسِی عَلیٰ ابنِ عَبدِ یَالَیل“

جب حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ پر احد سے بھی زیادہ سخت دن آیا؟ اس کے جواب میں جس پر گزری اس نے طائف پیش کیا، آپ ﷺ کی مدد کے لئے پہاڑوں کے فرشتے، جبرائیل امین بھی آئے، مگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے بجائے بددعا کرنے کے پتھر کھا کر بھی دعائیں دی۔ ”اَللّٰھُمَّ اھدِ قَومِی فَاِنَّھُم لَایَعلَمُونَ“۔

واقعۂ معراج: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی، راتوں رات آپ ﷺ کو قدرتِ غیبی کے ساتھ مسجدِ حرام لے جایا گیا، وہاں سے مسجدِ اقصیٰ پہونچایا گیا، اس کے بعد ان مقاماتِ قرب واختصاص، ساتوں آسمانوں کی سیر، اللہ کی نشانیوں کے مشاہدے اور انبیاء کرام سے ملاقات کے وہ تمام واقعات پیش آئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”مَازَاغَ البَصَرُ وَمَاطَغیٰ لَقَد رَایٰ مِن آیَاتِ رَبِّهِ الکُبریٰ“۔

ترجمہ؛ان کی آنکھ نہ تو اورطرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی ،انہوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی ۔ یہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی ایک ضیافت وعزّت افزائی تھی جو آپ ﷺ کی دل داری اور طائف کے ان زخموں کو مندمل کرنے اور اس توہین و ناقدری اور بے وفائی کی تلافی کے لئے تھی جس کے سخت امتحان سے آپ ﷺ وہا ں گزرے تھے ،معراج میں نماز کا تحفہ ملا اور نماز فرض ہوئی ۔ (صحیح بخاری: باب کیف فرضت الصلوۃ)

مقالہ نگار :فیضان محمود انکلیشوری
مقالہ نمبر: ۲۶
متعلم: دارالعلوم عربیہ اسلامیہ، کنتھاریہ، بھروچ

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم ،أمابعد ،فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ .قُلْ يٰاَ يُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعا نِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَآاِلٰهَ اِلَّاهُوَ يُحْيِىْ وَ يُمِيْتُ ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ . (الأعراف ، رقم الاية : ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت ورسالت کی سرفرازی کے لئے چالیس سال کی عمر تجویز فرمائی، اس لئے کہ انسان کے قوائے جسمانی اور روحانی چالیس ہی سال کی عمر میں حدِ کمال کو پہنچتے ہیں، كما قال اللّٰه تعالیٰ" حتیٰ اِذا بلغ اشدّه و بلغ أربعين سنة". (الاحقاف ، پاره : ٢٦) اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے۔اس کے بعد تو زوال ہے اسی طرح جب آپ ﷺ کی قوائے جسمانی و روحانی حدِ کمال کو پہنچ گئیں اور تجلیاتِ الٰہیّہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمل ہوگئی تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ ﷺ کو نبوّت ورسالت عطا فرمائی۔"وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الفَضْلِ العَظِيم" . (سیرۃ المصطفیٰ:۱۴۵)

معزز سامعین! مؤرخین میں بڑا اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کس مہینے میں شرفِ نبوت اور اعزازِ وحی سے سرفراز ہوئے، بیشتر سیرت نگار کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا، لیکن

زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱؍تاریخ کو دوشنبہ کے دِن پیش آیا، اُس روز اَگست کی دس تاریخ اور ۶۱۰ء تھی، قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے ''زرقانی، ج ۱، ص :۲۰۷، فتح الباری: ج ۱۲، ص:۳۱۳، رحیق المختوم:۱۰۲ -۱۰۳'' کی طرف مراجعت فرمائیں'' روح الامینؑ خدا کا حکم نبوت لے کر تشریف لائے، آپ ﷺ اس وقت غارِ حرا میں تھے، روح الامین نے فرمایا ''اِقْــــرَأْ'' پڑھو آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، روح الامینؑ نے آپ ﷺ کو زور سے بھینچا، دبایا اور چھوڑ کر کہا ''اِقْــــرَأْ'' (پڑھو) آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر بھینچا، دبایا اور چھوڑ دیا، جب تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا پڑھوں؟ اس وقت روح الامین نے سورۃ العلق کی چند آیات پڑھائیں، اس کے بعد آپ ﷺ کو وضو اور نماز سکھا کر اور کچھ راز کی باتیں بتا کر روح الامین غائب ہوگئے۔ (بحوالہ ''محمد عربیؐ'' انسائیکلوپیڈیا:ص:۷۸)

پھر آپ ﷺ گھبراہٹ کی کیفیت میں گھر تشریف لائے اور لیٹ گئے اور آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے ارشاد فرمایا مجھے چادر اُڑھادو، پھر جب ذرا سکون ہوا تو فرمایا میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے، اپنی ہلاکت کا خوف دامن گیر ہوگیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا ''قطعاً نہیں'' اللہ کی قسم! آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کبھی ہلاک نہ کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلّی دی اور یہ کہا کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضے میں خدیجہؓ کی جان ہے، میں قوی اُمید رکھتی ہوں کہ آپ ﷺ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ (الرحیق المختوم:۱۰۸، رحمۃ اللعالمین:۴۷)

پھر حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو ورقۃ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور کہا اے میرے

چچا زاد بھائی! ذرا اپنے بھتیجے کا حال سنئے، ورقہ نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: اے بھتیجے! بتاؤ کیا دیکھا؟ آپ ﷺ نے تمام واقعہ بیان فرمایا۔ ورقہ بن نوفل نے واقعہ سننے کے بعد آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے کی تصدیق کی۔

(طبری ج:۲،ص:۲۰۷،تذکرۃ الحبیب ﷺ:۵۹،سیرۃ المصطفیٰ ﷺ:۱۵۲)

پھر آپ ﷺ گھر واپس آ گئے اور وحی کا آنا چند روز کے لئے رک گیا، تاکہ دل سے خوف دور ہو جائے اور آئندہ وحی کا شوق اور انتظار قلب میں پیدا ہو جائے۔ وحی کے رک جانے سے آں حضرت ﷺ کو اس قدر حزن ہوا کہ بار بار پہاڑ پر جاتے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیں، مگر آپ ﷺ جب ایسا ارادہ فرماتے تو فوراً روح الامینؑ ظاہر ہوتے اور فرماتے اے محمد ﷺ! آپ یقیناً، بلاشبہ اللہ کے رسولِ برحق ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ کے قلب کو سکون ہو جاتا۔ (الرحیق المختوم:۱۰۷)

دوسری وحی سے پہلے آپ ﷺ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ چلے جا رہے تھے کہ اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی، آپ ﷺ نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، آپ ﷺ خوف زدہ ہو گئے اور گھر تشریف لائے، اپنے اہلِ خانہ سے فرمایا مجھے چادر اڑھا دو، انہوں نے چادر اڑھا دی، اس موقعہ پر حضرت جبرئیلؑ نے سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرْ کی آیات سنائیں۔ (الرحیق المختوم:۱۰۸،سیرۃ النبیؐ کامل: ۲۶۲)

پھر آپ ﷺ نے وَ اَنْذِر، ڈرایئے کے حکم کے موافق دعوتِ اسلام شروع کی، مگر پوشیدہ آپ ﷺ تین سال تک لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے۔

(تذکرہ الحبیبؐ:۶۱،سیرۃ المصطفےؐ :۱۷۲)

پھر یہ آیت آئی "وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْن" (پارہ: ۱۹) آپ ﷺ نے حکمِ

خداوندی کے مطابق اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا، ان میں بنی ہاشم کے ساتھ بنو المطلب کی ایک جماعت بھی تھی، کل پینتالیس لوگ تھے، اس روز ابولہب کی بکواس کی وجہ سے آپ ﷺ کو کلام کرنے کا موقع ہی نہ ملا، اس لئے دوسرے روز پھر انہی لوگوں کو جمع کیا اور نصیحت فرمائی، اور اس حکمِ خداوندی کو پورا کیا۔ (رحمۃ للعالمین:۵۲)

پھر اس حکمِ خداوندی کو پورا کرنے کے بعد سورۃ الحجر کی یہ آیت ''فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَأَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ'' نازل ہوئی، جس میں حکم دیا گیا ''پس آپ کھول کر بیان کریں جس بات کا آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے'' پھر آپ ﷺ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کے قبیلوں کو نام لے کر پکارا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے بعض خود آئے، بعض نے اپنے نمائندے بھیجے، آپ ﷺ نے فرمایا؛ اے عبدالمطلب کی اولاد! اگر میں کہوں کہ اس طرف پہاڑ کے دامن میں دشمن کی فوج جمع ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا میری تصدیق کروگے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہاں! اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر میں تمہیں ایک شدید ترین عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان حاضرین کو حق تعالیٰ کا پیغام سنایا، جس پر ابولہب نے غضب ناک ہو کر آپ ﷺ کو ''تَبًّا لَكَ'' کہا، اُس وقت ابولہب کے متعلق یہ آیت: ''تبّت یدآ أبی لھب وتبّ''. (پارہ : ۳۰) نازل ہوئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ:۲/۱۷۱، سیرۃ خاتم الانبیاء:۳۱، تذکرۃ الحبیب:۱۲۲)

اس کے بعد کفار نے دشمنی اور تکلیف دینا شروع کیا تو آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی زمین پر کہیں چلے جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا، صحابہؓ نے عرض کیا، کہاں جائیں؟ آپ ﷺ نے ملک حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا، چنانچہ ماہ رجب ۵ھ نبوی میں حضرات صحابہؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی، پھر رجب سے لے کر شوال تک حبشہ میں مقیم رہے۔ شوال میں یہ خبر سن کر کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے، حبشہ سے

مکہ واپس آ گئے ، مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے ، اب حضراتِ صحابہؓ سخت کشمکش میں پڑ گئے ، چنانچہ کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گیا ، اب مشرکین مکہ نے پہلے سے زیادہ ستانا شروع کیا ، اس لئے آپ ﷺ نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی ، اس وقت حضراتِ صحابہؓ نے ہجرت فرمائی۔

(نبی رحمتؐ: ۱۳۳، سیرۃ المصطفیٰ: ۱۴۰ تا ۱۴۳)

پھر ۶ نبوی میں حضرت حمزہؓ مسلمان ہوئے ، تین دن بعد حضرت عمر بن خطابؓ مسلمان ہوئے ، اس وقت تک مسلمان اپنے گھروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے ، اب کعبہ میں جا کر پڑھنے لگے ، کافر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ تکلیف دینے لگے ، کفار نے آپ ﷺ سے اور بنو ہاشم و بنی مطلب سے تعلق توڑ لیا اور ایک کاغذ اس تعلق توڑنے کے عہد کا لکھ کر خانۂ کعبہ میں بماہِ محرم ۷ نبوی کو لٹکا دیا ، تین سال تک آپ ﷺ اور بنو ہاشم و بنی مطلب اس گھاٹی میں نہایت تکلیف میں رہے ، آخر کار آپ ﷺ کو وحی الٰہی سے اس بات کی اطلاع ہوئی کہ کیڑے نے اس عہد نامہ کو بالکل کھا لیا سوائے اللہ کے نام کے جو اس میں کہیں کہیں تھا ، ایک حرف بھی نہیں چھوڑا ، آپ ﷺ نے یہ بات ابو طالب کو بتائی ، انہوں نے گھاٹی سے نکل کر یہ بات قریش کو بتائی اور کہا اس کاغذ کو دیکھو ، اگر محمد کا بیان غلط نکلے تو ہم انہیں تمہارے حوالہ کر دیں گے اور اگر صحیح نکلے تو اتنا کرو کہ تم اس قطعِ رحمی اور برے عہد سے باز آ جاؤ ، قریش نے کعبہ سے اتار کر اس کاغذ کو دیکھا تو واقعۃً ایسا ہی تھا ، اس وقت قریش اس ظلم سے باز آئے اور عہد نامہ کو پھاڑ ڈالا ، ابو طالب آپ ﷺ کو اور بنی مطلب کو لے کر گھاٹی سے نکل آئے۔ (نبی رحمت: ۱۴۰ تا ۱۴۲، تذکرۃ الحبیب: ۶۲)

گھاٹی سے نکلنے کے آٹھ مہینے بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا اور اس کے تین دن بعد

حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی ،اس لئے اس سال کا نام خود آپ ﷺ نے ''عام الحزن'' رکھا۔ابو طالب کے انتقال کے بعد کفار نے آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ گستاخیاں شروع کردی۔قریش کے بعد دوسرا زبردست قبیلہ،ثقیف کا طائف میں تھا،آپ ﷺ نے خیال کیا کہ شاید یہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں اور خدا کے دین کی حمایت کریں،اس لئے زید بن حارثؓ کو ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔پھر آپ ﷺ طائف کے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک کو دین کی دعوت دی،لیکن سب کا ایک جواب تھا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ!جب آپ ﷺ نے واپس ہونے کا قصد کیا تو گالیاں دیتے،تالیاں پیٹتے آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے اور آپ ﷺ پر پتھر چلانے لگے،آپ ﷺ شدید زخمی ہوگئے اور نعلین مبارک خون سے تر ہوگئے،طائف سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ احسان فرمایا کہ نخلہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت بھیج دی،انہوں نے قرآن سنا اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔(سیرۃ المصطفیٰ:۲۷۱ تا ۲۸۰، الرحیق المختوم:۱۸۱ تا ۲۰۵)

پھر جب آپ ﷺ مکہ آئے اسی عرصہ میں خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے سبع سماوات تک اسی جسم کے ساتھ بحالت بیداری ایک ہی شب میں سیر کرائی،جس کو''اسراء''اور'معراج' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(الرحیق المختوم:۲۱۹ تا ۲۲۷،سیرۃ المصطفیٰ: ۲۸۷)

پھر آپ ﷺ مسلسل اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے کام میں مصروف ہوگئے،حتیٰ کہ دس سال تک برابر آپ ﷺ قبائلِ عرب کو علی الاعلان دعوتِ اسلام دیتے رہے،موسم حج میں آپ ﷺ عربوں کے بازار''عکاظ''اور''ذوالمجاز''میں جاتے اور دعوت دیتے،مگر کوئی قبیلہ متوجہ نہ ہوتا،یہاں تک کہ نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں آپ ﷺ اسلام

کی دعوت دے رہے تھے کہ انصار کے کچھ لوگ آپ ﷺ کو ملے، آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے یہودِ مدینہ سے سنا تھا کہ ایک پیغمبر عن قریب پیدا ہوں گے، یہود انصار سے مغلوب رہتے تھے اور کہتے تھے کہ جب وہ پیغمبر پیدا ہوں گے ہم ان کے ساتھ ہو کر تم کو قتل کر دیں گے۔ انصار نے آپ ﷺ کی دعوت سن کر کہا یہ وہی پیغمبر معلوم ہوتے ہیں جن کا ذکر یہود کرتے ہیں، لیکن ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے پہلے ان سے آملیں، چنانچہ ان میں سے چھ آدمی ایمان لے آئے اور اقرار کیا کہ آئندہ سال ہم پھر آئیں گے۔ مدینہ جا کر انہوں نے آپ ﷺ کا ذکر کیا اور ہر گھر میں آپ ﷺ کا ذکر پہنچایا۔

(تذکرۃ الحبیبؐ:۶۳)

پھر دوسرے سال جو نبوت کا بارہواں سال تھا، بارہ آدمیوں نے آکر آپ ﷺ سے ملاقات کی، جن میں پانچ پہلے والے اور سات نئے تھے، انہوں نے احکامِ اسلام اور اطاعت پر بیعت کی اور اس کا نام ''بیعت عقبۂ اولیٰ'' ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیرؓ کو شرائعِ اسلام کی تعلیم کے لئے مدینہ بھیجا، مصعبؓ نے قرآن و شرائع کی تعلیم اور اسلام کی دعوت شروع کی تو انصار کے اکثر آدمی مسلمان ہو گئے۔

(نبی رحمت:۱۵۳، تذکرۃ الحبیب:۶۳-۶۴، رحمۃ اللعالمین:۷۷)

پھر اگلے سال جو نبوت کا تیرہواں سال تھا، ستر آدمی انصار کے شرفا میں سے آئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کیا کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائیں گے ہم خدمت گزاری میں کوتاہی نہ کریں گے۔ آپ ﷺ کا دشمن مدینہ پر چڑھ آئے گا ہم اس سے لڑیں گے۔ اس کا نام ''بیعت عقبۂ ثانیہ'' ہے، اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ ہجرت کر جائیں۔ (تذکرۃ الحبیب:۶۴، نبی رحمت:۱۶۰)

مدینہ ہجرت کر کے آنے والوں کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوسلمہؓ یہ بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال پہلے ہجرت کر گئے تھے، پھر حکم کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ، پھر حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ، پھر حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ ہجرت کی اور پھر آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہجرت فرمائی اور سب کے بعد حضرت علیؓ نے ہجرت کی۔

(سیرت سرورِ عالم: ۱۳۰۷ تا ۳۸۷، تاریخِ اسلام کامل)

مقالہ نگار: حافظ سعید شیر پوری
متعلم: جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

مقالہ نمبر: ۲۷

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم، أمابعد !

فقال تعالیٰ "هوالذی بعث فی الأمّیّن رسولا منهم" .. الآیة

و قال تعالی: یاعبادی الذین آمنوا اِنّ أرضی واسعة فاِیّای فاعبدون۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات مقدسہ کا چالیسواں سال شروع ہوا تو اچانک آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں ایک نیا انقلاب رونما ہوگیا، ایک دم آپ ﷺ خلوت پسند ہوگئے، اور اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگے، اس طرح کی خلوت گزینی سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے ضعف کا احساس ہوتا ہے اور وہ کائنات کے مظاہر میں غور وفکر کرتا ہے، اپنے نفس کے احوال پر مطلع ہوتا ہے اور رب کا ہوکر رہ جاتا ہے، اس خلوت سے مقصود طاعتِ الٰہی کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرنا اور اس عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے۔

جناب نبیٔ کریم ﷺ زیادہ تر غارِ حرا میں قیام فرماتے اور متواتر کئی کئی راتیں گزارتے، یہاں آپ ابراہیمی طریقہ پر اور فطرتِ سلیمہ کی رہنمائی سے اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ اسی طرح عبادت میں مشغول تھے کہ منصبِ نبوت سے آپ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آ پہنچی۔

ابن کثیرؒ " البدایۃ والنہایۃ" میں فرماتے ہیں، کہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی ولادت کے ۴۱ ویں سال ۱۷/ رمضان المبارک، مطابق ۶/ اگست ۶۱۰ء میں بیداری اور شعور کے عالم میں پیش آیا۔ اس طرح جب حضرت عیسیٰؑ کے بعد پہلی بار آسمان و زمین کا رشتہ قائم ہوا

اورآپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا تو عرصہ تک آپ ﷺ شدت سے دوچار رہے، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ شروعات کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے روک دیا جائے، تا کہ آپ ﷺ نبوت کے اس بارِ گراں مایاں کو اٹھانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو جائیں، کیوں کہ وحیٔ الٰہی آپ ﷺ کی رسالت کا سر چشمہ اور آپ ﷺ کی دعوت کی طاقت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں سے اسلام کے بارے میں گفتگو شروع کی اور خدا کے نازل کردہ اس دین کو اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے، مکّہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں ان عقائد واعمال کو واضح کیا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے اور اپنے رسول ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ اس پر عمل کریں اور انہیں فروغ دیں۔ مطلق وحدانیت، آخرت، تزکیۂ نفس، اسلامی جماعت کے وجود کا تحفظ۔ چنانچہ اسلام کی آواز مکّہ میں پھیلنے لگی، لوگ جلد ہی اپنی پرانی جاہلیت سے کنارہ کشی کر کے نیا دین قبول کرنے کی طرف مائل ہونے لگے، اس لئے کہ ایمان خود ایک سحر انگیز قوت ہے، جو دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو کر اس میں صالح تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، آپ ﷺ کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ، آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ اور آپ ﷺ کے دوست حضرت ابوبکرؓ تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی دعوت دینے میں سرگرمی دکھانی شروع فرمائی اور ان کے قابل اعتماد دوست حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور سعد بن وقاصؓ ایمان لے آئے۔

اس دوران حضرت ورقہ بن نوفلؓ ایمان لائے، اسی طرح حضرز بیر بن عوامؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، عمرو بن عبسہؓ اور سعید بن عاصؓ اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ گویا کہ مکّہ میں اسلام ان لوگوں کے دلوں میں پھیلنے لگا جن کے ساتھ توفیق الٰہی شامل تھی، گرچہ اسلام کی دعوت خاموشی سے دی جارہی تھی اور کھل کر اس کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا تھا اور پوشیدہ طور پر تین برسوں تک چلتا رہا۔ پھر وحی نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اس دعوت کا اعلان کر

دیں،ابوبکر جزائری ’’ھذا الحبیب یا محبّ ص ۹۹ میں‘‘ فرماتے ہیں کہ خفیہ دعوت اس وقت تھی جب اسلام کی شان وشوکت کمزور تھی، آج جب شان وشوکت بڑھ گئی تو جہراً اور علانیۃً دعوت دی جائے اور اصل دعوت میں اعلان ہی ہے جہاں تک تعلق ہے پوشیدہ دعوت کا تو بقدر ضرورت اہل علم اس کو اختیار کر سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’لایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسعَھَا‘‘ آپ ﷺ نے اوّلا جو خفیہ دعوت دی تو نتائج میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں فرمایا، اس لئے کہ جلد بازی سے بہت سے کام بگڑ جاتے، اس لئے موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے داعی کو بھی اس طرح کرنا چاہئے اور فطرت سلیمہ تو اس حدیث کی رو سے ’’کلّ مولود یولدعلی الفطرۃ‘‘ ہر ایک میں پائی ہی جاتی ہے، لہذا اس فطرت کے وصول کے لئے انتظار اور صبر ضروری ہے۔ صفا کی چوٹی سے ایک صبح حضور ﷺ کی صدا مکّہ کی وادی میں گونج رہی تھی، جبل صفا کی بلندی سے خطاب مقام نبوت کی رفعت ہے، کھلے عام تبلیغ کے ساتھ ہی اسلامی تحریک کش مکش سے دو چار ہو چکی تھی، آنے والے انقلاب کی آہٹیں مشرکین کی نیند حرام کر رہی تھیں، ہر کمزور مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ تھا، خود حضور ﷺ کو ہاتھ اور زبان سے ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں، جسمانی اور ذہنی اذیتوں اور ہر طرح کی لالچ دینے کے باوجود آپ ﷺ بندگی رب کی دعوت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے، لیکن جب آپ ﷺ نے اپنے رفقاء کو سخت حالات کا شکار دیکھا تو ہجرتِ حبشہ کی اجازت دے دی۔

اس سے پتہ چلا کہ دین کے خاطر اہل وعیال اور مکان و وطن کو بھی چھوڑنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے، مسلمان ہر وقت اپنا معاشرہ اسلامی بنائے، خدا کے ساتھ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اسی وجہ سے جعفر طیارؓ نے منہیات کی فہرست میں اشراک باللہ کو مقدم کیا تھا۔

۷ھ میں غیر معینہ میعاد کے لئے پورے بنی ہاشم سے مقاطعہ کیا گیا، مصیبت کے یہ دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے۔ اس گھاٹی میں اہل

ایمان تو تسلیم ورضا کے پیکر بنے ہی رہے، مگر کافر قرابت داروں نے بھی ان صعوبتوں کو بے جگری سے جھیل لیا۔ اعلیٰ اقدار کے خاطر قربانی کا جذبہ اہل عرب کی وہ نادر صفت ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کا اپنے آخری اور دائمی پیغام کے لئے انتخاب کیا، پھر طائف، معراج اور ہجرتِ مدینہ سب واقعات اپنی ذات میں ایک تاریخ رکھتے ہیں۔ ہجرت کے واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان اس مقام کو چھوڑ کر جہاں اس کے لئے دین پر قائم رہنا دشوار ہو جائے ایک ایسے مقام کی طرف منتقل ہو جائے جہاں وہ آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہو سکے۔

ہجرت کی صفت یہ ہے کہ اس میں جسم ہی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ روح بھی حرام سے حلال، منکر سے معروف اور شر سے خیر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مہاجر وہ سب کچھ چھوڑ رہا ہے جو اس کے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہے۔

اعداد وتقديم :مشتاق فالنفورى رقم المقاله : ٢٨

طالب: دار العلوم ، تارافور

ألحمد لله الذى قال فى شأن حبيبه محمد ﷺ انّك لعلى خلق عظيم، و جعله سيّد الكونين من فضله الكريم ، وزيّنه بالشمائل الحميدة الفريدة المتّصفة بصفة الوسيم والقسيم، والصلاة والسلام على سيّدالأنبياء والمرسلين، الذى قال الشاعرحسّان بن ثابت رضى الله عنه فى بيان حقيقة وصفه قولاً،ماقاله احدمن الشعراء والفصحاء والأدباء۔

وأحسن منك لم ترقطّ عينى وأجمل منك لم تلد النساء
خُلقت مبّرءا من كلّ عيب كأنّك قد خلقت كما تشاء

فهذاالشعرأجمع للجمال والكمال ممتلىء من الحكم، وأوضح بيان للشيم
وعلى آله وأصحابه الذين صبغوا نفوسهم بصبغة حبّ الله ورسوله ﷺوألقواحياتهم وأموالهم بين يدى سلطان السلاطين، رئيس الرؤساء، محمد بن عبد الله المصطفى ﷺحبّاخالصاله، حينما اتّسعت صدورهم لدولة الإيمان بتوجّه رسول الله ﷺ ، فهذاأول جماعة إختاره الله سبحانه وتعالى أسوة حسنة للدين الحنيف إلى يوم الدين، ولذاقال النبى ﷺ فيهم أصحابى كالنّجوم فبأيّهم اقتديتم اهتديتم أوكماقال ﷺ ۔

أمابعد : أيهاالمستمعون الكرام والعلماء العظام والضيوف القادمون من نواحى القريب والبعيد والمساهمون فى هذه الحفلة الميمونة المشتملة على تصويرحياةالنبىﷺ،أولا أهنّئكم تهنية من أعماق قلبى على اجتماعكم للهدف

العظيم الظاهرلديكم وأحيّيكم تحية الإسلام ۔ السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

الآن أنافى مجال واسع عميق لاأكاد أستطيع أن أنزل فيه نزولاً غيرخائف لشىء متحمّلاماأشغل منه شىء من بيان سيرة النبى ﷺ بمراعات مايلزمه هذاوهوالذى مااحاطه أحد من المتقدمين ومن المتأخرين من الصحابة والتابعين، ولايحيطه محيط الى يوم الدين، فكانه بحرخالٍ من الابتداء والانتهاء ۔

ومع ذلك لم يلحق تعب ولانصب لمن اجتنى اللئالى والجواهرمن هذاالبحرالعظيم، ومازال يخرج منه اللؤلوؤالمرجان حتى يوضع الميزان، بل ازداد شوق الغواصين الراغبين السياحين المتعمقين بعد وضع اقدامهم فيه، فكانهم تذوقوا لذة هذه السياحة حق اللذة۔

فكذلك أنااقل قليل منهم حظا فى رحاب حبّ النبىﷺومصداق قول من قال وماأحسن قوله۔

أحب الصّالحين ولست منهم لعلّ الله يرزقنى صلاحاً

فليس لى اليوم الا رجاء منكم أن تدعولى من أن احفط من الزّلة والخطأالفحش فى بيان سيرة الشخصية المقدسة المطهرة المنزهة عن العيوب الظاهرة والنقائص الباطنة،كمالايخفى هذا الشان المبارك على العادل المنصف بين الحق والباطل۔

فيارب صل وسلم دائماً ابدا عَلٰى حَبِيبِکَ خَيرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم !

مامن شئ بأبين واوضح واظهرمن ضوء الشمس والقمرالاكون النبىﷺنبياآخرمتصفابصفات فذة وخصال فريدة وخلق حسنة متلحيابحسن الظاهروالباطن منذنعومةاظفارهﷺقداعترفها الحبيب والعدوالقريب والبعيد

مـن اهـل الزمان ومن بعدهم ايضا وهذامشهوراالفضيلة لمن شهدت به الاعداء حتـى اضطراهل الحرب عامتهم وخاصتهم الى ان يقول فى ذاته ﷺ انه صادق اميـن عـفيف ولذاسلمواامورهم الى النبىﷺللقضاء فيما كانوافيه يختلفون فى ابتـداء شـابـه ﷺ وهـلـم جـرا حتـى قـام بالبعثةبامر الله وحكمه واعان به بين عشـائـروالـحرب قبائلهم اذاانقلب الامرعليهم و انعكس الحال لديهم وتركوه قـائـمـابذلك واعتزلواعنه جميعا وتفرقوابامرهم من هذه الدعوة الصالحة الامن قـدرالـلـه لـه الايـمـان فـاشتـدواعـلـى الـنبـىﷺواصـحـابـه المعدودين اشـداشتداداوآذوهم غاية الِايذاء والقوهم تحت المصائب والآلام حتى ضاقت عليهم الارض بمارحبت دون ذنب جنوه الاانهم قالواربناالله۔

لـكـن لـم يتـخـلف رسـول اللهﷺواصحابه عن دعوةالايمان واِشاعة الحق وتـمسـكوابحبل الله المتين وعملوابما امرهم الله به فى هذا ولم يزل يتحملون اذى قـريـش بـغيـرجـرم ارتكبوه لانهم كانوا يعملون علم اليقين ان طريق الجنة مـحـاط بـالمصاعب محنوف بالمكارم والشدائد من غيرمبالاة مايحل ويحيط بهـم مـن الـمـوارث بسبـب اعـلان الـحـق ولاجتهـادهم ان يخرجواالكفارمن الـظـلـمات الى النورقصص أذى الكفار على النبىﷺ والمؤمنين به قدامتلئت بهـا اوراق كتـاب الـلـه وسـنة رسـول اللهﷺوكتب التاريخ ومن شاء التفصيل فـليـراجع اليها،نعم اريدان القى لديكم علة ذلك وهى قيام النبىﷺبالحق حين غـلـبـت عـليهـم ظـلـمـات التـفـاليـد البـاطـلة فـى كـل امـورهـم الدينيةوالدنيويةلاتجدفيهم من يعرف الحق فى حقه فيشبعه ويحفظه ويعلمه فى التـدبـربسـنـن الـلـه وآيـاتـه الـواضحات القرآنية بل الناس فيه بأسرطبقاتهم فى التـقـاليـدالأعـمـى زاعمون انه الدين الحق والهداية الصحيحية من طوال سنين

لایخطرعلی قلب احدمنهم ان ینظرالی ماجاء به رسول الله ﷺ وعقائده ودینه نظرۃنقدوفحص وبحث هل هم یدینون دین الحق من الاسلام الصحیح ام یدینون دین الجاهلیةالباطل وزال عنهم التفکروالتدبرفی قبول الحق فکانهم صم بکم عمی فی ذلك بعدم انتفاعهم من هذه الجوارفیماینفعهم فی الدنیاوالآخرۃبل تثبتواعلی الظلمات الجاهلیة والصفات البهیمة والشرك والکفروالظلم والطغیان والتباغض والتقاطع والتفاخر بالاموال والبنین ولحسب والنسب والی فذارات التقلیدا لفاسدبالانکارمن آیات الله فأخلدواالی الاهواء والشهوات واکثروافی نفوسهم الفسادوخصائص الحیوانیة فغفلت قلوبهم عن اتباع ماانزل الله الیهم من الحق فکانوامن الغاوین وکان امرهم فی کل شئ فرطافهذاهوالذی حملهم علی الجوروالظلم والشدائد التکالیف لکن النبیﷺ واصحابه لم یزل یقیمون الحق وأخذوا یشبعونه ولم یتبعواعن اقامة الدین وإشاعة الحق المتین الی أن ینتهی امرهم غایةالانتهاء وتجاوزایذاهم المسلمین عن حدالبشریة وتکلفوافی ذلك تکلفاشدیداوهم یعلمون انهم علی الحق وماوجداحد من الکفار والمشرکین دقیقة وساعة الاجارجائر منهم جوراشدیداعلی من صبغواصبغة الله واتصفوانفوسهم بالایمان بالله ورسولهﷺوبدت وظهرت حوادث وواقعات من ظلمهم وجورهم واعتداء هم علی مؤمنین الموحدین المخلصین فی الایمان من بعد البعثة الی الهجرة خارجة عن قوۃ البیان ولاوسعة فی الوقت لبیانها ایضالعل یکفی عبرۃلأولی الالباب قصة اهل الایمان الذین اذا اضطرواعلی ترك وطنهم من معاندین للاسلام ولهم حتی ضاقت الحیاۃعلیهم بمارحبت وهذه القصة تدل ایضاعلی سیرۃ النبی ﷺ وخلقه الحسنة التی

اعترفها من سمعهاحق السماع ومارآها وتدبرفيهاتدبرالحق ونظرفيهانظرة العدل وكان هوالملك الصالح العال النجاشي۔

فتصوير القصة للهجرة الأولىٰ بعد البعثة من حياة المسلمين أن قريشاً نزلت بهم السنة المجدية التى اهلكت الضرع وحرضت الناس على أن يأكلوا العظام البالية وازدادت أحوالهم سواءا على سوء وتغيرت الوانهم بسبب تلك السنة التى انقطع مطرها وزلزلتهم زلزالاً شديداً وبلغت القلوب الحناجر ولم يكن فى بنى هاشم ليؤمئذ أيسر وأغنى من محمد بن عبدالله وعمه العباس فحرض رسول الله ﷺ عمه على أن يترحماًبذوى القربىٰ ومن مستهم فاقة شديدة فقال النبى ﷺ لعمه يا عم أن أخاك أبا طالب كثير العيال وقد مس الناس ما ترى من شدة القحط فقال العباس لقد دعوت إلى خير وحملت على بر ثم ذهب إلى ابى طالب فقالا له إنانجد عليك حملاً ما تحمله من ثقل عيالك نريد أن نخفف عنك بعضه حتى يزول مالحق الناس فقال لهما لوأخذتماعليا وجعفراً فاضعاً ماشئتما فاخذ النبى ﷺ عليا وأخذ العباس جعفرا وضمه إليه وجعله فى عياله فتربى وتكون علىٌّ مع النبى ﷺ حتى بعثه الله بدين الهدى والحق فكان أول من آمن من الفتيان ونشأ جعفر فى بيت عمه العباس حتى شبّ وأسلم واستغنى عنه.

فانضم جعفر أبى طالب إلى ركب النور هو وزوجه أسماء بنت عميس منذ اول الطريق فقد أسلما على يد الصديق رضى الله عنه قبل أن يدخل الرسول ﷺ دارالأرقم أرأيت ماهى الدار هذه؟ هى الدار التى تسمى دارالإسلام كانت للأرقم بن عبد مناف المخزومى وفيها كان الرسول ﷺ يدعوا الناس إلى الإسلام نعمت دارهى! فلقى الفتى الهاشمى وزوجه الشابة من أذى قريش ونكالها مالقيه المسلمون الأولون تحرمهم من أن يتذوقوا لذة العبادة وحلاوة

الإیـمـان و تـحـصـی علیهم الأنفاس عند ذلك إستأذن جعفر بن أبی طالب بأن یهـاجر مع زوجه و نفر من الصحابة إلی أرض الحبشة فأذن لهم وهو حزین لأنه ﷺ لـم یـکـن یـمـلك مـن الـقـوـة والحول مایدفع به عنهم اذی قریش فذهب ومـضی رَکَبُ المهاجرین الأولین إلی أرض الحبشة وعلی رأسهم جعفر بن أبی طـالـب رضـی الله عنه فاستقروا فی حمایة النجاشی ورعایته وتذوقوا لأول مرة منذاسلموا طعم الأمن واستمتعوا بحلاوة الإیمان۔

مقالہ نگار :انور حافظ غلام پارکھیتی
متعلم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مقالہ نمبر: ۲۹

عیسی ابن مریم کے آسمان پر اٹھالئے جانے کو تقریبا ۶۰۰ سال کا طویل عرصہ ہو چکا ہے، اشرف المخلوقات کا اپنے مالک حقیقی سے ربط و تعلق تقریبا منقطع ہو چکا ہے، ساری انسانیت لادینیت ولا مذہبیت کی خاردار وادی میں سرگرداں و سرگشتاں ٹھوکریں کھارہی ہے، روحِ انسانیت مجروح ہوکر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے، ضلالت وگمراہی نے اپنے وسیع دامن کی اندھیری کوٹھری میں حاکم ومحکوم، امیر وفقیر، عرب وعجم غرضیکہ تمام عالم کو محبوس کر رکھا ہے؛ مگر ایسے ماحول میں بھی بعض اشخاص وہ تھے جن کے سروں پر سعادت مندی کا سہرا سجا ہوا تھا، جنہوں نے حق طلبی ہی کو اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا اور تسکین قلب وجگر کے لئے جستجوئے حق میں برابر سرگرم ومشغول تھے۔

انہیں طالبانِ حق وصداقت میں ایک نہایت ہی سنجیدہ ومتین اور اخلاق کا پیکر مجسم شخص وہ بھی تھا، جو اپنی تسکین دل کے خاطر کوہ وصحرا اور دشت ودمن میں سرگرداں اور جستجوئے حق کی راہ میں محوسفر تھا کیونکہ اس کے اردگرد بسنے والے انسان پتھروں کے سامنے جھکے جارہے تھے، ان کی جبینِ نیاز سراپا محتاج بتوں کے سامنے خمیدگی اختیار کرچکی تھی، ضلالت وگمراہی نے اس ماحول میں ڈیرے ڈال دیئے تھے؛ جس کی بنا پر یہ پاک نفس گھٹن محسوس کررہا تھا، اس کا جی اکتا رہا تھا اور وہ شہر اور اطراف شہر میں تسکین قلب کی تلاش میں سرگرم عمل تھا۔

اسی دوران حق کا یہ متوالا شہر سے تین میل دور پہنچ جاتا ہے اور وہاں سر بفلک پہاڑ کو آسمان سے محو گفتگو پاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ تاحدّ نگاہ ریگ کا ایک سامراج ہے، دھوپ سے

سراب اٹھ رہی ہے، یہ منظر دیکھتے ہی وہ جویائے حق اس پہاڑ پر چڑھنے لگتا ہے، اسے ایک غار نظر آتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ اندر داخل ہوتا ہے اور دوزانو بیٹھ جاتا ہے، پھر تو کیا تھا؟ آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون کا احساس ہونے لگا اور آخر ایک دل بے قرار نے دامن تسکین کو تھام کر قرار پالیا، اور گھر آکر شریکِ حیات کو مژدۂ فرحت وانبساط سنایا کہ اب فکر کی بات نہیں ہے، سامان تسکین مہیا ہو چکا ہے، پھر تو یہ شخص روزانہ صبح کو اس تسکین کدہ میں پہنچ جاتا، اور پورا دن گذار کر شام کو واپس چلا آتا، چند روز کے بعد شریک حیات سے کہتا ہے کہ اب چند ایام کا توشہ دے دیا کرو۔ آہستہ آہستہ یہ ایام ہفتوں کی شکل اختیار کر گئے اور ہفتوں نے مہینوں کا لباس پہن لیا، اور مہینے سالوں کی صورت میں تبدیل ہو گئے، اور یہ شکستہ دل شخص اپنی عمر کے تینتیسویں یا چونتیسویں مرحلہ سے لگاتار پانچ سال تک نگاہیں قلب کی طرف اور قلب مالک حقیقی کی طرف متوجہ کئے عبادت میں مصروف رہا۔

محترم ناظرین! میں آپ کی پیشانی کی سلوٹوں کو سمجھتا ہوں، آپ کے شکوۂ دل کو بھی سن رہا ہوں اور آپ کے ذہنوں میں اٹھتے سوالوں کے طوفانِ تیز وتند کو بھی محسوس کر رہا ہوں اسی لئے اب آپ کے سامنے تحفۂ وضاحت پیش کرتا ہوں کہ وہ جویائے حق، صاحب دلِ مضطر کوئی اور نہیں؛ آقائے نامدار تاجدار مدینہ محمد عربی ﷺ ہیں، وہ شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں، وہ شہر ام القری مکۃ المکرّمۃ ہے، وہ پہاڑ جبل نور ہے، اور وہ غار غار حرا ہے اور یہ وہ سلسلہ عبادت ہے جس کو محدثین نے ''تحنث'' یا ''تحنف'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

ہر شام کا انجام بالآخر صبح کی شکل میں رونما ہوتا ہے، ہر کلی پھول میں تبدیل ہو جاتی ہے، بعینہ اسی طرح ہر محنت ومجاہدہ اپنے تئیں ایک ثمرہ رکھتا ہے، چنانچہ ان پانچ سالوں کے مجاہدہ کا ثمرہ جب رونما ہوا تو زمین وآسمان نے ایک ایسا منظر دیکھا جس کا اس سے پہلے مشاہدہ تو کیا وہم بھی نہ گذرا تھا، رمضان المبارک کا مہینہ اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہے، رحمت خداوندی کا سیل رواں امنڈ پڑا ہے، نزول برکات کے تواتر نے موسلا دھار

بارش کو بھی شرمادیا ہے،سورج پورے دن کی مسافت طے کر کے تھکان سے چکنا چور شب باشی کے لئے روانہ ہونے کی تیاری میں ہے،آسمان دنیا پر قدرت کی رنگریزی نے سونے کا ملمع چڑھادیا ہے،اندھیریاں اس عالم پر ہلہ بولنے کو بے چین ہیں،ستارے جگمگانے کو بے قابو ہیں،چرندوپرند،مردوزن اپنی اپنی قیام گاہ کو لوٹ رہے ہیں،چرواہوں کی حدی خوانی اونٹوں کو اور تیز چلاکر جلد از جلد گھر پہنچانے کی فکر میں ہے،غرضیکہ پوری کائنات سکون وخاموشی کی چادر میں چھپنے کی تیاری میں مگن ہے،یکا یک اس عالم ناسوت کی قسمت کا ستارا چمک اٹھتا ہے،اس امت کے لئے آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔

آپ ﷺ جبل نور پر غار حرا میں مالک حقیقی سے لو لگائے ہوئے ہیں کہ دفعۃً جبریل امینؑ کی تشریف آوری سے پورا غار نور ملکوتی سے روشن ہوجاتا ہے اور پھر چند ہی لمحوں میں فرشتہ کی ''تلقین اِقرأ''لوح قلب پر منقش ہوجاتی ہے،غنچۂ دل نسیم وحی سے کھل اٹھتا ہے،خدائے برتر کا وہ کلام جو تمام علوم کا منبع ومخزن ہے،ساری حقیقتوں کا خزینہ ہے،اس کی وحیِ اولین سے غار حرا جگمگا اٹھتا ہے،مکہ کی پہاڑیاں آج اپنی قسمت پہ نازاں وفرحاں ہیں اور جبل نور پر حقیقۃً ''نورعلیٰ نور'' کا سماں چھاجاتا ہے۔

مگر روح الامینؑ کے اس مژدۂ نبوت اور تلقین اِقرأ سے آپ ﷺ متحیر وحیران گھر تشریف لے آئے اور حضرت خدیجہؓ سے''زمّلونی زمّلونی'' کہتے ہوئے لیٹ گئے،اس رفیقۂ حیات وغمگسار نے وہ تاریخی اور تسلی بخش الفاظ کا مینہ برسایا جو حزن وملال کی وادیٔ غیر ذی زرع میں سرگرداں کسی بھی شخص کے لئے چاہ زمزم کی حیثیت رکھتا ہے،وہ فرماتی ہیں،کہ آپ کو کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ خوش ہوجایئے،اللہ آپ کو کبھی رسوانہیں کرے گا؛ میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا سے نیک سلوک وصلہ رحمی کرتے ہیں،بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں،ناداروں کو اپنی کمائی سے دیتے ہیں،مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں،نیک کاموں میں

مدد کرتے ہیں، آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں، اللہ آپ کو کبھی اندوہ گیں نہیں فرمائیگا۔

بعد ازاں آپ ﷺ تین سال تک خفیہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اس دوران کافی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہ وہ حضرات تھے جن کی فطرت میں پہلے ہی سے حق پسندی کا مادہ موجود تھا، اور اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تبلیغ بھی یہی رہا کہ جو بھی سلیم الفطرت شخص نظر آتا اس سے نہایت ہی نرمی وخوش اخلاقی سے گفتگو فرماتے، نتیجۃً وہ شخص دامن اسلام میں پناہ گزیں ہوجاتا۔ اس وقت ان مسلمانوں کو''مصدِّق'' کہا جاتا تھا، اور ان کا نصاب تعلیم ایمان مفصل تھا۔ تین سال گذر جانے کے بعد علانیہ دعوت اسلام کے لئے ''وأنذر عشيرتك الأقربين'' کا امر الٰہی آیا، اس پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دے کر دو مرتبہ اپنے قبیلہ کی مہمان نوازی فرمائی؛ مگر حضرت علیؓ کے علاوہ کوئی آپ کا حامی ومددگار نہ بنا، ابولہب نے''تبّا لك يامحمد'' کہا تو اس کا جواب آسمان سے''تبّت يداأبی لَهَب وَتَبّ'' سے دیا گیا۔

دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی برملا دعوت اور کوہِ صفا کا وعظ، صرف وعظ وخطبہ کی حد تک محدود نہ تھا؛ بلکہ اپنے اندر بنیادی صداقتوں کو سموئے ہوئے تھا کہ آل نبی ہونا یا اقربائے نبی ہونا کچھ بھی سودمند نہ ہوگا جب تک کہ ایمان ویقین اور اعمال صالحہ نہ ہوں۔ اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے.....

ابوطالب کے قصہ نے حقیقت کھول کر رکھ دی ۔ نہ ہوں آنکھیں تو گھر کی روشنی سے کچھ نہیں ہوتا

حق کی اس للکار کا فضا میں گونجنا ہی تھا کہ مخالفت کی تیز وتند ہواؤں نے ام القری میں تہلکہ مچادیا، اور جو لوگ آج تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو''صادق وامین'' کے القابات سے پکارتے تھے آج وہی آپ ﷺ کو شاعر ومجنون کا طعنہ دینے لگے، جو قلوب اب تک محبت محمدی ﷺ سے سرشار تھے آج وہی قلوب عداوت ودشمنی کی غلاظت میں غرقاب نظر آرہے ہیں، جو

حضرات آج تک آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کے قائل ہوکر زمرۂ معتقدین میں نظر آتے تھے آج وہی مخالفین کی صف اوّل میں سرگرم تخریب کار کی شکل میں موجود ہیں، اورحق وباطل میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی۔لسان نبوی سے نکلی ہوئی اس صداقت کی پکارنے جوانقلاب برپا کیا تھااس کی عکاسی کرتے ہوئے حالی مرحوم کیا ہی خوب کہہ گئے:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ۔ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

پھرتو تمام کفار مکہ نے مسلمانوں کوظلم بربریت کا تختۂ مشق بنالیا،آگ میں لٹا کر، کانٹے بچھا کر،کوڑے مار کر،زخم میں نمک بھر بھر کر،زنجیروں میں جکڑ کرغرض یہ کہ جوجوحربہ وہ استعمال کرسکتے تھے کرڈالا؛مگران مظلوم مسلمانوں کے پائے ثبات میں تزلزل کا شائبہ تک نہ آیا، اورآتا بھی کیسے؟ کہ انہوں نے اس شخص سے استقامت سیکھی تھی جس پر خود استقامت کوناز ہے۔

خوداس ذاتِ ہادئ اعظم اورسراپا رشد وہدایت کوبھی کفار مکہ نے ظلم وتشدد کا ہدف بنائے رکھا تھا، جوجسمانی قلبی دونوں قسم کی تکالیف پر مشتمل تھا؛اسی بناپرآپ ﷺ طائف تشریف لے گئے؛لیکن طائف میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ یہی ناروا سلوک کیا گیا، کہ ایک طرف تو سنگ باری سے آپ ﷺ کے جسد اطہر کوچھلنی کیا جارہا تھا تو دوسری طرف دشنام طرازیاں کرکے اورتالیاں پیٹ کرآپ ﷺ کے قلب مطہر کومجروح کیا جارہا تھا؛مگران مظالم کے باوجود وہ سراپا رحمت وشفقت ملائکہ کی درخواست کے برخلاف ان ظالم وجابرلوگوں کےحق میں دعائے ہدایت کرتا ہوانظر آتا ہے۔

غرض شیدائیان اسلام کی مکی زندگی مصائب وآلام سے بھرپورتھی مگراس کے باوجود اس میں درس وعبرت کے گوہر بکھرے پڑے ہیں،مسلمانوں کی یہ زندگی آج کی اصطلاح میں عدم تشدد کی حکمت عملی تھی، کہ جسم وبدن پرتو وہ ہرظلم کوخندہ پیشانی سے جھیل رہے تھے؛

مگر دل اندر سے مغموم تھے اس بات سے کہ دشمنوں نے ان کے فرائض مذہبی پر بھی پہرے بٹھا رکھے ہیں ،مسلمانوں کی اس کشمکش اوراضطرابی کیفیت کے نتیجہ میں آیت ہجرت "یاعبادی الذین امنو إِنّ أرضی واسعة" نازل ہوئی،تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کے استفسار پر حبشہ کی طرف کوچ کا حکم دیا اور دو مرتبہ میں تقریباً سو آدمیوں نے ہجرت کی؛ چونکہ یہ ہجرت آپ ﷺ کے ایماء پر ہی کی گئی تھی ؛اسی لئے آپ ﷺ کی سیرت پاک کا ایک اہم جز وشمار ہوتی ہے۔

اس ہجرت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ایک نئی سرزمین پر دعوت اسلام پہنچے اور نیک وصالح مسلمانوں کی جماعت ہرطرح کے خطرات سے محفوظ رہ کر چین وسکون کی زندگی بسر کرسکے۔اس ہجرت سے اس بات کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی جگہ ظلم اتنا بڑھ جائے کہ خدا کا نام لینے کی بھی آزادی نہ ہوتو وہاں سے ہجرت کر کے کسی مامون ومحفوظ مقام پر اپنی تنظیم کرنی چاہئے اوراس ہجرت کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام اور مسلمانوں کو ایک طرح قوت اورتائید مل گئی اور کھل کر تبلیغِ اسلام کا موقعہ ہاتھ لگ گیا کہ...

ایک جگہ بیٹھ کے پی لوں مجھے منظور نہیں ۔ میکدہ تنگ بنادوں مجھے منظور نہیں

یہاں تک کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوگیا،اکثر صحابہؓ مدینہ پہنچ چکے تھے،آپ ﷺ نے بھی وحیِ الٰہی کے نزول پر مدینہ کا عزم کیا اور اپنے اس عزم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی مطلع فرمادیا،صدیق اکبرؓ نے اس سفر کے لئے تقریبا چار ماہ سے دواونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں ،آخر رات کی تاریکی نے صحرا،شہر،آبادی ،ویرانہ،قصبہ اورقریہ ہر ایک کو اپنے سیاہ پنجوں میں مضبوطی سے جکڑ لیا،چرندو پرند اپنی اپنی جائے قیام میں قرار پاچکے، ہرطرف خموشی نے اپنی چادر پھیلادی، پوری دنیا گہری نیند کی آغوش میں چھپ گئی؛مگر جو لگاتار تیرہ سال سے ہرطرح کے درد ومصیبت جھیل کر سارے عالم کو چین وسکون امن

وسلامتی کا پیغام سنا رہا تھا، جو انسانیت کو صحیح رخ پر گامزن کرنے کو سالوں سے مسلسل پگھل رہا تھا، اسی کے گھر کے ارد گرد سرداران قریش اور کفار کے طاقتور اور جنگجو نوجوانوں کا ہجوم تھا، ان کے ہاتھوں میں صیقل شدہ تلواریں تھیں کہ صبح پو پھٹتے ہی یکبارگی حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر ڈالیں؛ مگر مالک ارض وسماء ''جو کہ آپ کی ذات مقدس کا محافظ ونگہبان تھا'' آپ کو اس صورت حال سے واقف کر چکا تھا؛ لہذا آپ ﷺ **'فأغشيناهم فهم لا يبصرون'** کا ورد کرتے ہوئے مٹی ڈال کر نکل گئے، انسان کے ابدی دشمن شیطان اور اس کے پرستاروں کے مکر وفریب اور ان کے مکائدِ خسیسہ سے بچا کر حقیقی نگہبان نے آپ ﷺ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ کیا کوئی بھی سلیم الفطرت آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ شجاعت وبہادری کا یہ پیکر مجسم مکہ سے راہِ فرار اختیار کر گیا تھا، نہیں نہیں ہرگز نہیں! تیرہ سال تک غم والم کے زہریلے پیالے پینے والے پر یہ صریح بہتان اور بے بنیاد اتہام ہے کہ وہ مکہ والوں کے جبر وتشدد سے گھبرا کر بھاگ گیا تھا؛ بلکہ اِس عظیم ہجرت کا مقصد مسلمانوں کو یہ پیغام دینا تھا کہ......

وفا کے پھول ہر ایک گام پہ بچھاتے چلو　　لہو کے دیپ ہر اک موڑ پہ جلاتے چلو
تمہارے پاس جو دولت ہے وہ لٹاتے چلو　　جہاں میں نغمۂ توحید گنگناتے چلو

خداوند قدوس نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو شیطانی حملوں کے دفاعی طریقہ کی تعلیم کے لئے براہِ راست اپنے رسول اور مسلمانوں کو آزمائش وامتحان کے ان مراحل سے گذارا؛ تاکہ ان کی یہ خونچکاں داستان ان کے لئے روشنی کا بلند مینار بنے اور حالات کی دشوار گذار گھاٹیوں میں بھی مسلمان اپنے دین وایمان پر استقامت کے ساتھ نہ صرف قائم ودائم رہیں؛ بلکہ حکمت ودانشمندی کا دامن تھام کر خیر امت کی حیثیت سے اس پیغام کو تمام اہل دنیا تک پہنچائیں۔

اس حیثیت سے ہجرت مدینہ تمام مؤمنین کے لئے اپنے اندر ایک پیام جاوداں لئے ہوئے ہے کہ دین وایمان ایک مسلمان کی وہ گراں مایہ پونجی اور سرمایہ ہے جس سے وہ کبھی بھی روگردانی نہیں کرسکتا، وہ موت کو گلے لگا سکتا ہے، اپنے آپ کو قتل کروا سکتا ہے ؛مگر دین وایمان کے سہرے کو اپنے رخ زیبا سے نہیں اتار سکتا۔

محترم سامعین! رسول ﷺ کی ہجرت کے اجزائے ترکیبی دو ہیں، اول: تو یہ کہ دعوت وعقیدہ کے خاطر ہر مرغوب ومحبوب شئ کو بے دریغ قربان کیا جاسکتا ہے اور ہر اس شئ کو جس سے محبت رکھنے اور ترجیح دینے کا جذبہ انسان کی فطرت سلیمہ میں موجود ہوتا ہے قربان کیا جاسکتا ہے؛ مگر دعوت وعقیدہ کو ان میں سے کسی بھی چیز کے لئے ترک نہیں کیا جاسکتا۔

ثانی: یہ کہ مکہ آپ ﷺ کی جائے ولادت تھی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے لئے مرکز ومحور ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب کے لئے مقناطیسی کشش رکھتا تھا ؛ کیونکہ اسی شہر میں بیت اللہ ہے جس کی محبت ان تمام کے دلوں کا جز ولا ینفک تھی؛ مگر ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کو اپنے وطن وجائے پیدائش کو خیر باد کہنے سے مانع نہ بن سکی۔ یہ جز ہمیں اس بات کا درس دیتا ہے کہ حق وصداقت کے لئے اپنے ملک ووطن کو تو کیا اگر اس عالم رنگ وبو کو بھی خیر باد کہنا پڑے تو تأمل نہ کرنا چاہئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مسلمانوں کی مکی زندگی ظلمت کدۂ کفر میں آنے والے تاریک حالات کے لئے مشعل راہ ہے اور قیام حبشہ اس بات کا نمونہ ہے کہ غیر مسلم حکومت میں کس طرح زندگی بسر کی جائے۔

آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ اور بطور خاص مکی زندگی میں جہاں ہمیں ایک طرف ثبات قدمی واستقامت کا کوہ ہمالیہ نظر آتا ہے تو دوسری طرف شفقت ومحبت کا بحر ناپیدا کنار موجزن دکھائی دیتا ہے، جہاں ہم غمگساری وہمدردی کے شگفتہ پھولوں سے محظوظ ہوتے ہیں تو وہیں اخلاق فاضلہ اور صفات محمودہ کی خوشبو ہمارے دل ودماغ کو سکون

وفرحت اور تازگی وشگفتگی بخشتی ہے، بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ مسلمانوں کے لئے درس عبرت وموعظت کے ہزار سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔اسی لئے تو علامہ اقبالؒ کو کہنا پڑا.

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ۔ یہ جہاں چیز ہے کیا ؟ لوح قلم تیرے ہیں

مقالہ نگار: عبادالرحمٰن جھاڑکھنڈی
متعلم: دارالعلوم صوفی باغ، سورت

مقال نمبر : ۳۰

ألحمد لله و كفى، و سلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد؛
صدر ذی وقار، قابلِ احترام علمائے کرام اور گرامی قدر سامعین!
آج کی مجلس میں میرے مقالہ کا موضوع ہے، ''حضور ﷺ کی مکی زندگی: از بعثت تا ہجرت''
محترم حضرات! خیابانِ ہستی اجڑا پڑا تھا، خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلوں کی نکہت افشانیاں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک گلدستۂ طاقِ نسیاں بن چکی تھی، روشیں ویراں اور آب جوئیں خشک، جہاں کبھی سبزۂ نو دمیدہ جنت نگاہ ہوا کرتا تھا، وہاں خاک اڑ رہی تھی، یاس وقنوط کی ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے ایک گھنگھور گھٹا اٹھی، جس کا ہر قطرہ بہار آفریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوس بداماں تھا، یہ گھٹا برسی اور دل کھول کر برسی یہاں تک کہ گلزار عالم میں پھر آثارِ حیات نمودار ہونے لگے، انسانیت کے پژ مردہ چہرہ پر پھر شباب وقوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں، خودداری، عزت نفس، شجاعت وایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو ازسرِ نو خلعت برگ وبار عطا ہوئی، قمریوں نے پھر عفت قلب کا نغمہ چھیڑا، توہمات وعقائد باطلہ کے قفس کی تتلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں اور ہمائے بشریت کو توحید کی مقدس ومطہر رفعتوں سے پھر دعوتِ پرواز آنے لگی۔ دنیا والوں نے اس خیر وبرکات سے بھرپور گھٹا کو محمد ﷺ کے نام سے پکارا اور عالم بالا کے مکینوں نے اسے احمد کہا۔

مختصر حالات از ولادت تا بعثت: آں حضرت ﷺ کی ولادت دوشنبہ ۹/ربیع الاول،۲۲/اپریل ۵۷۱ء واقعۂ فیل کے پچاس روز بعد ہوئی، ابولہب کی لونڈی ثوبیہ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، ایک ہفتہ بعد حلیمہ سعدیہؓ نے دودھ پلایا اور قبیلۂ ہوازن میں پانچ برس تک قیام رہا، چھ برس کی عمر ہوئی تو والدہ کی وفات ہوئی،اس کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے کفالت کی،دوسال بعد عبدالمطلب کے فوت ہونے پر آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے کفالت کی، تیرہ سال کی عمر میں ابوطالب کے ہمراہ ملک شام کا تجارتی سفر کیا، جس میں مقام تیماء میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہوئی، ملک شام کا دوسرا سفر حضرت خدیجہؓ کا تجارتی مال لے کر بعمر پچیس سال کیا، جس میں نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی،آپ ﷺ کی امانت داری دیکھ کر اور تعریف سن کر حضرت خدیجہؓ نے نکاح کا پیغام دیا اور حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوا۔ پینتیس سال کی عمر میں تعمیرِ کعبہ کے موقع پر ''حکم'' کی حیثیت سے حجر اسود نصب کر کے آپ ﷺ نے بڑا جھگڑا دور کیا۔

وحی کی ابتدا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ پہلے پہل وحی کی ابتدا سچے اور پاکیزہ خوابوں کی صورت میں ہوئی، چناں چہ جو خواب آپ ﷺ دیکھتے وہ روز روشن کی طرح سچے ثابت ہوتے،اس کے بعد آپ ﷺ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہو گئے،آپ ﷺ غار حرا کی تنہائیوں میں قیام فرما کر کئی کئی راتیں عبادت میں مصروف رہتے، جب آپ ﷺ کو توشہ کی ضروت ہوتی تو گھر تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ ایک دن جبکہ آپ ﷺ غار حرا میں مصروف عبادت تھے، اللہ کا فرستادہ پیغام حق لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:''

إقرأباسم ربّك الذی خلق، خلق الانسان من علق،إقرأو ربّك الأکرم الذی علّم بالقلم،علّم الانسان مالم یعلم'' ۔

جب آپ ﷺ واپس لوٹے،تو تھر تھر کانپ رہے تھے،حضرت خدیجہؓ کے ہاں پہنچ کر

فرمایا ’’خدیجہ مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو۔‘‘ جب قلب مبارک کو ذرا سکون ہوا تو حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنا دیا، حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ کو بشارت ہو، آپ ہرگز خوف نہ کھائیں، خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، امین ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، حق کا ساتھ دیتے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں خدیجہؓ کی جان ہے! مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہوں گے، پھر حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ عہدِ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے، عبرانی زبان میں انجیل لکھتے اور پڑھتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا، ورقہ نے کہا : یہ تو وہی ناموس اعظم ہے جس کو اللہ نے موسیٰؑ کے پاس بھیجا تھا، کاش اس وقت میں تندرست وتوانا ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کردے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا میری قوم مجھے وطن سے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا؛ ہاں، جب کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا، جو آپ لائے ہیں تو لوگ اس کے دشمن بن گئے، اگر میں آپ کے اس کڑے وقت تک زندہ رہا تو آپ کا ساتھ دوں گا۔ چند روز کے بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی کا سلسلہ بھی تھوڑے عرصہ کے لیے منقطع ہوگیا، پھر یہ سلسلہ شروع ہوگیا، اس کی بابت آپ ﷺ نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے فرمایا؛ ایک روز میں جا رہا تھا، کہ راستہ میں مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی، آنکھیں اوپر اٹھائیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا، زمین اور آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، مجھ پر رعب سا طاری ہوگیا، فوراً گھر واپس گیا اور کہا کہ مجھے کمبل اوڑھادو، کمبل اڑھادو۔ اسی حالت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ’’یا ایھا المدّثر، قم فانذر وربّك فكبّر، وثيابك فطهّر، والرّجز فاهجر‘‘۔

(صحیح بخاری؛ جلد اول۔ کتاب الوحی ص ۸ تا ۱۱/ سیرۃ ابن ہشام؛ ص: ۲۶۱-۲۶۴)

سابقین اولین: یہ بالکل فطری بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر اسلام پیش کرتے جن سے آپ کا گہرا تعلق وربط تھا، چنانچہ سب سے پہلے ایمان لانے والے مرد حضرت علی ابن ابی طالبؓ تھے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے غلام زید بن حارثہؓ، پھر ابوبکر ابن قحافہؓ نے اسلام اختیار کیا، ابوبکرؓ کے تعلقات اپنی قوم میں وسیع تھے، ان کی دعوت پر ایک جمّ غفیر نے لبیک کہا، وہ انہیں ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان لوگوں نے اسلام اختیار کیا اور نماز پڑھیں، آٹھ آدمی تھے جنھوں نے اسلام لانے میں سب لوگوں سے سبقت کی اور نماز پڑھیں: (سیرت ابن ہشام: ص/۲۱۹)

کوہِ صفا پر اعلانِ حق: تین برس تک آں حضرتؐ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا: ''فاصدع بما تؤمر'' (حجر , ٦)'' وأنذر عشيرتك الاقربين'' (شعراء . ١١)

چنانچہ آں حضرت ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارا، یا معشر قریش ! لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟'' سب نے کہا؛ ہاں، کیوں کہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں یہ کہتا ہوں؛ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا، ابولہب نے کہا؛ ''تبّالك سائر اليوم ألهذ اجمعتنا؟ '' پھر سب لوگ سخت برہم ہوکر واپس چلے گئے۔ (سیرت النبی: ۱۳۰)

قریش کی دشمنی اور مختلف ایذا رسانی:

اب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہوگئی تھی، جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا، جس کو سن کر ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آں حضرت ﷺ کے ربیب حضرت حارث بن ابی ہالہ دوڑے ہوئے آئے

اورآں حضرت ﷺ کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ شہید ہو گئے، اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا۔

آں حضرت ﷺ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے، قریش اگر چہ آں حضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے، لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھائے جاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام:

نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا اور ان کے قبول اسلام کے دو چار روز بعد ہی حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے، حضرت عمرؓ کے ایمان نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، صحیح بخاری میں ہے؛ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا، اس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے؟ لوگوں نے کہا عمرؓ مرتد ہو گئے، عاص بن وائل نے کہا؛ میں نے عمرؓ کو پناہ دی۔

تعذیب مسلمین:

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول ﷺ اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلے نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش وغضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، چنانچہ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو غریب مسلمانوں کو پکڑتے ''عرب کی تیز دھوپ، ریتیلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے'' ان غریبوں کو اس توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، گرم پانی میں ڈبکیاں

دیتے، لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بے رحمیاں، یہ عبرت خیز سفا کیاں ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کرسکیں.　　(سیرۃ النبی ج ۱ص:۱۳۹)

ہجرتِ حبش: ۵ ھ نبوی میں حضور ﷺ نے حالات کی تنگی کے پیش نظر اپنے اصحاب ؓ سے فرمایا: اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ، وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے، جب تک اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو رفع کرنے کی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہنا۔

اس موقع پر مسلمانوں میں سے جو بہت پریشان ہوگئے تھے، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی، وہ دس آدمی تھے، انہوں نے اپنا امیر حضرت عثمان بن مظعون ؓ کو مقرر کیا تھا، اس کے بعد حضرت جعفر ؓ بن ابی طالب نے ہجرت کی، پھر بہت سے مسلمان یکے بعد دیگرے وہاں پہونچے، ان کی تعداد تراسی بتائی گئی ہے۔

(رہبرِ انسانیت: ص ۱۷۳)

کفارِ قریش نے ان کا تعاقب کیا، لیکن یہ پہلے ہی نکل چکے تھے، اس کے بعد قریش نے شاہِ حبشہ کی طرف سفارت بھیجی، لیکن حضرت جعفر ؓ کی بصیرت افروز تقریر سن کر بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو ان کے حوالہ کرنے سے صاف انکار کردیا اور قریش کی سفارت ناکام ہوگئی۔

شعبِ ابی طالب: جب قریش نے دیکھا کہ ہزارہا اذیتوں اور مخالفتوں کے باوجود اسلام کا شہرہ بڑھتا جارہا ہے تو ایک خطرناک تدبیر سوچی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خاندان کو پہاڑ کے درے کے اندر محصور کرکے مجبور کردیا جائے اور ان کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کیا جائے، چنانچہ خاندان بنوہاشم کے خلاف ایک معاہدہ مرتب کرکے در کعبہ پر آویزاں کردیا گیا۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ محصور مسلمان طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے،

بچے بھوک سے بلبلاتے ،لوگ چمڑے اور پتے کھانے پر مجبور ہوئے ، تین سال کے بعد چند بامروت اشخاص نے اسے چاک کرنے کا ارادہ کیا، لیکن اس سے پہلے وہ دستاویز دیمک کے نذر ہوگئی ،جس کی اطلاع وحی کے ذریعہ حضور ﷺ کو ہوئی ،اس کے بعد اس حصار سے گلو خلاصی ہوئی۔ (رہبرِ انسانیت:ص/۱۷۷تا۱۷۹)

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات: شعب ابی طالب سے رہائی پانے کے بعد آپ ﷺ کے بڑے بااثر حامی چچا ابوطالب اور آپ ﷺ کی بڑی دلداری اور ہمدردی کرنے والی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی ،ان کی وفات کا آپ ﷺ کے قلب پر نہایت گہرا اثر پڑا اور اس طرح یہ سال آپ کے لیے عام الحزن ثابت ہوا۔

دعوت اسلام کے لیے طائف کا سفر: ابوطالب کے بعد آپ کا کوئی حامی و مددگار نہ رہا،اور حضرت خدیجہؓ کے رخصت ہوجانے سے کوئی تسلی دینے والا اور غمگسار نہیں بھی رہا،اس لیے آپ ﷺ نے قریش مکہ کی چیرہ دستیوں سے مجبور ہوکر اخیر شوال دس نبوی میں زیدؓ بن حارثہ کو ہمراہ لے کر طائف کا قصد فرمایا، طائف والوں سے آپ ﷺ کو بڑی امید تھی ،لیکن جب وہاں کے سرداروں کے سامنے اسلام پیش کیا گیا تو یہ لوگ بجائے کلمۂ حق کے سننے کے، نہ صرف نہایت سختی سے آپ ﷺ کو جواب دیا، بلکہ اوباش اور بازاری لڑکوں کو اکسا دیا کہ وہ آپ ﷺ پر پتھر برسائیں ،اور آپ ﷺ کی ہنسی اڑائیں ،ظالموں نے اس قدر پتھر برسایا کہ آپ ﷺ زخمی ہوگئے ، جب آپ ﷺ زخموں کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب آپ ﷺ کے بازو پکڑ کر دوبارہ پتھر برسانے کے لیے کھڑا کردیتے اور ہنستے ، آپ ﷺ کے قدم مبارک لہولہان ہوگئے ،اس موقع پر آپ ﷺ نے ایک بہت پراثر دعا کی تو ملک الجبال نے آپ ﷺ سے اس بستی کو پیس ڈالنے کی اجازت چاہی ،آپ ﷺ نے جواب دیا: میں اللہ سے امید کرتا ہوں، اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا، جو صرف اس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ (سیرت المصطفیٰ:ص/۲۷۴تا۲۷۸)

معراج کا سفر: طائف سے واپسی کے بعد آپ ﷺ کی تسلی کے لیے حق جل مجدہ نے آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصی اور مسجد اقصی سے سبع سموات اسی جسم وروح کے ساتھ بحال بیداری ایک ہی شب میں سیر کرائی، جس کو اسراء ومعراج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ (سیرت مصطفیٰ:۲۸۸)

اہل یثرب سے آپ ﷺ کی ملاقات اور بیعت:

حج کے زمانہ میں آں حضرت الوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے، اسی دوران عقبہ میں آپ اکی ملاقات قبیلۂ خزرج کے چند اشخاص سے ہوئی، تھوڑے تردّد کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اس کے بعد دوسرے سال انصار کے بارہ آدمیوں نے آپ اکے ہاتھ پر بیعت کی، آپ انے ان کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم بنا کر مدینہ بھیجا۔ حضرت مصعبؓ کی پیہم سعی اور شب وروز کی محنت کے نتیجے میں اگلے سال ۱۳ر نبوی کو ۷۳ مرد اور دو عورتوں پر مشتمل ایک وفد نے مقام عقبہ میں آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی اور آپ اکو یثرب ہجرت فرمانے کی دعوت دی۔ آپ انے اطمینان فرمانے کے بعد ان کی دعوت قبول کرلی اور صحابہؓ کو اجازت دے دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں ۔(سیرت ابن ہشام ج اص: ۴۲۸ تا ۴۴۴۔ ترجمہ حضرت مولانا رابع ندوی، از رہبرِ انسانیت)

آخر میں خود سب امانتوں کو واپس کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اگرچہ کفار نے ہر ممکن کوشش کی اور ہر طرح کی دسیسہ کاریاں اپنائیں، لیکن اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے جس کا اللہ کارساز و مولیٰ ہو ؟

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

مقالہ نگار: محمد حنیف بن محمد مانگرولی　　　مقالہ نمبر: ۳۱
متعلم: دارالعلوم حسنیہ، مانگرول

ألحمد لوليّه والصّلوة على نبيّه وعلى آله وأصحابه المتأدبين بآدابه،

أمابعد! : فأعوذبالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ،اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ،عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ. صدق الله العظيم.

خالق دوجہاں کا یہ ازلی قانون رہا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے خالق و مالک کو بھلا بیٹھتی ہے تو اللہ تعالیٰ راہِ ضلالت اختیار کردہ قوم کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے اپنے کسی برگزیدہ بندے کا انتخاب کیا کرتے ہیں جو اس بچھڑی ہوئی قوم کو اپنے مالک حقیقی سے ملاتا ہے۔ یہی حال اس ریگستانی زمین پر بسنے والی قوم عرب کا تھا کہ باری تعالیٰ نے ان کے لیے اپنے محبوب ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا، غارحرا میں شہنشاہِ دو عالم ﷺ یادالٰہی میں غوطہ زن تھے کہ حضرت روح القدسؑ وحی لے کر جلوہ افروز ہوئے، عرض کیا ؛یا نبی اللہ! ''اِقرأ'' تو شہنشاہ دوعالم ﷺ نے ان کا جواب ''ما أنا بقاري'' سے دیا، جب اس معاملہ کے تیسرے مرتبے میں بھی شہنشاہ دوعالم ﷺ اپنے جواب ہی پر برقرار رہے تو سردارِ ملائکہ نے سینے سے لگا کر زور سے دبوچا، تو شہنشاہ دوعالم ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں سردار ملائکہ کے پڑھانے سے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھی۔

جیسے ہی آفتابِ رسالت کی کرنیں طلوع ہوئیں تو سب سے پہلے بیوی خدیجہؓ،

حضرت ابوبکرؓ وحضرت علیؓ اور زید بن ثابتؓ ھدایت کی شعاعوں سے منور ہوئے، آقاءِ مکّی ومدنی ﷺ ابتدائی تین سال تک خفیہ طور پر دعوتِ حق دیتے رہے، لیکن ''فاصدع بما تؤمر'' کے پیش نظر کوہِ صفا پر چڑھ کر نبوی خطاب فرمایا تو قوم نے وہی رویہ اختیار کیا جو رویہ امم سابقہ نے اپنے نبیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا، جس منہ سے صادق وامین کی صدائیں گونج رہی تھیں اسی منہ سے شاعر اور مجنون کی صدائیں گونجنے لگیں، وہ ابولہب جس نے آقاءِ مکی ومدنی ﷺ کی تشریف آوری پر اپنی باندی کو غلامی کے پھندے سے نکال کر آزادی کا تاج پہنایا تھا، اسی نے سب سے پہلے سر مبارک پر پتھر مار کر تکلیف دینے کا سلسلہ شروع کیا، لوگوں نے بھی ابولہب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شہنشاہ دوعالم ﷺ کو قسم قسم کی تکالیف پہنچائی، کبھی تو راستے میں کانٹے بچھا کر، کبھی دو بیٹیوں کو طلاق دے کر، تو کبھی اپنوں کی جانب سے تو کبھی اوروں کی جانب سے تکالیف پہونچ کر، پھر بھی شہنشاہ دو عالم ﷺ نے ظلمت کے دلدل میں پھنسے ہوؤں کو کبھی تو عکاظ اور کبھی تو ذو المجاز کے بازاروں میں اور کبھی اور میلوں اور منڈیوں میں جا کر نافرمانوں کو ان کے خطرناک حالات سے آگاہ کیا، انجام بد سے ڈرایا، اعتقاد واعمال واخلاق کی ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک رہنے کی تعلیم دی، تعلیم الٰہی بھی بغیر کسی معاوضہ کے دی اور نہ ہی ان پر احسان جتلایا، اس کے باوجود جب کفار مکہ نے دیکھا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے اخلاق ومعجزوں کے ذریعہ اپنے ہم نشینوں میں اضافہ کرتے جا رہے ہیں تو کفار مکہ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو اور ان کے دلدادہ ہم نشینوں کو زیادہ سے زیادہ تکالیف دینے کی تدبیریں اختیار کیں۔ غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دینی شروع کی کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی، من جملہ اس کے کسی صحابیؓ کو وادیٔ مکہ کی تپتی ریت پر لٹایا جاتا، تو کسی صحابیؓ کو انگاروں پر لٹایا جاتا، جب ان سزاؤں کو آقا عربی ﷺ نے دیکھا تو اپنے دلدادہ ہم نشینوں کے جان وایمان کے تحفظ کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور ایک چھوٹی سی جماعت

۱۲مردوں ،۴عورتوں کی اور چند ہی دنوں کے بعد ایک بڑی جماعت ۸۳مردوں، ۱۸ عورتوں کی حبشہ کی طرف روانہ ہوئی۔

لیکن جب دشمنانِ اسلام کو یہ خیال گزرا کہ ہجرت کردہ گروہ اپنے ایمان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ توحید و رسالت کے پرچم لہرانے کے راستے کو ہموار کرلیں گے، تو ان کا پیچھا کیا گیا اور شاہِ نجاشی سے یہ درخواست کی کہ ان لوگوں کو جو ہمارے شہر سے بھاگ کر یہاں پناہ گزیں ہوئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کردیں، اس پر وفدِ صحابہؓ کو شاہی دربار میں بلایا گیا، مسلمان دربارِ شاہی میں تشرف لائے، ان میں سے میدانِ خطابت کے شہشوار حضرت جعفرؓ نے شاہِ حبشہ نجاشی کی بازپرس پر ایسی فصیح و بلیغ ومؤثر تقریر پیش کی کہ نجاشی یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ آپ قرآن مجید سنائیں، پس حضرت جعفرؓ کا سورۂ مریم کی ابتدائی آیاتِ شریفہ کا پڑھنا ہی تھا کہ نجاشی اور اس کے ساتھی اس قدر روئے کہ داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور نجاشی نے فرمایا کہ یہ قرآن اور عیسیٰؑ پر نازل شدہ کلام ایک ہی شمع دان سے جلوہ افروز ہیں اور حضرت جعفرؓ کی یہ تقریر دشمنانِ اسلام کے باطل سوالوں کے مقابلہ میں دنداں شکن جواب کی صورت میں ظاہر ہوئی اور نجاشی نے کفارِ مکہ کو اپنے دربار سے ہانک نکالا۔ شکست کے بعد بھی کفار مکّہ نے بازی جیتنے کی نت نئی کوششیں کیں، لیکن ''جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے؟'' دوسری مرتبہ بھی ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کفار ِمکّہ کو ہر سازش و پلان میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو بڑے بڑے سردارانِ کفار ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو نیا طریقہ رونما کرنے سے روک دیجئے، جو ہمارے آباؤ اجداد کے طریقہ سے الگ تھلگ ہے، ہاں اگر وہ سرداری اور مال و دولت اور سکون بخش چیزیں چاہتا ہے تو ہم بخوشی دینے کے لئے تیار ہیں۔ جب یہ گفتگو ابوطالب نے درّ یتیم ﷺ کے سامنے پیش کی تو انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ اب تو میرے شفیق چچا بھی ساتھ

چھوڑ دینگے، چنانچہ ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور عرض کیا اے میرے چچا ''قسم بخدا، اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب لاکر رکھ دیں پھر بھی اس کام کو انشاء اللہ پائے تکمیل تک پہنچائے بغیر نہیں رہوں گا''، یہ عرض کر کے وہاں سے چلنے لگے تو ابو طالب نے کہا اے بھتیجے جاؤ اپنے مشن میں برقرار رہو، میں کبھی بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا ۔

پس ہادیٔ عالم ﷺ تو اپنے مشن میں استقامت کے ساتھ رواں دواں تھے جس کا پھل کبھی سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے اور کبھی عدل و انصاف کے پیکر عمر ابن خطابؓ کے قبول اسلام سے نمودار ہوا، مگر وہ لوگ جو ہمہ وقت ترقیٔ اسلام کی بنا پر رنج والم کے سمندر میں ڈوبے رہتے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ابن خطابؓ کے ایمان لانے کی وجہ سے مذہبِ اسلام کو ایک گونہ ترقی ہوئی کہ اب تو حرم میں علانیہ طور پر نماز پڑھی جانے لگی تو کفارِ مکّہ نے مل کر بنو ہاشم سے بائیکاٹ کرنے کا اور خرید و فروخت بند کر دینے کا معاہدہ کرلیا، لیکن ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دواء کی'' تین سال گزرے ہی تھے کہ اللہ نے آقاءِ عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو درد انگیز تکالیف سے نجات دے کر اور ایک مرتبہ کفارِ مکّہ کو شکست کا منہ دکھایا، آقاءِ عربی ﷺ کو شعبِ ابی طالب کی دل دہلانے والی تکالیف سے راحت و آرام فراہم ہوئی تھی کہ عام الحزن کا سامنا کرنا پڑا، بڑے معین و مددگار ابو طالب کا اور بڑی تسلی دینے والی بیوی خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا۔ اب جب کہ مکّہ شریف میں کوئی مددگار اور تسلی دینے والا نہ رہا تو بڑی تمناؤں کے ساتھ طائف کا رخت سفر باندھا، لیکن سرزمین طائف میں آقاءِ عربی ﷺ کے سامنے ''اَمْ لِلاِنْسَانِ مَاتَمَنّٰی'' کا منظر پیش آیا، آقاءِ عربی ﷺ ان قسموں کے رنج والم سے دوچار تھے کہ اللہ جل جلالہ نے '' ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ'' کے شرف سے مشرف فرمایا۔

لیکن چاہے فراوانی کی حالت ہو یا تنگی کی ہے، ہمہ وقت آقاءِ مکّی و مدنی ﷺ ہدایت کے پیاسوں کو توحید و رسالت کے پانی سے سیراب کرتے تھے تاکہ ایمان و یقین کے نور والے پھل نمودار ہوں۔

نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ نبوت کے گیارہویں سال موسم حج میں مدینۃ المنورۃ کے چھ آدمیوں نے ایمان و یقین کی چاشنی کا پیالہ نوش فرمایا اور ان چھ کی محنت یہ رنگ لائی کہ اگلے سال موسمِ حج میں سات اور لوگوں نے رضی اللہ عنہ کا تمغا حاصل کیا۔

اب جیسے ہی اسلام، کفر و جہالت کے لق و دق صحرا میں اپنی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو چکا ،تو آقاء عربی ﷺ نے مسلمانوں کو مدینۃ المنورۃ میں پناہ گزیں ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ بیعت عقبہٗ کبریٰ کے صرف دو ماہ اور چند ہی روز گزرے ہی تھے کہ دشمنانِ اسلام کو سوائے گنے چنے مسلمان اور آقاءِ عربی ﷺ و حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے کوئی دکھائی نہیں دیئے، تو ان کے مابین رنج و الم کے لاوے پھوٹ پڑے اور وہ لوگ ''نعوذ باللہ'' آقاءِ عربی ﷺ کے قتل کے درپے ہو گئے، اس لئے ان لوگوں کے درمیان مکّہ کے دارالندوہ میں قبیلہٗ نجد کے مکّار بوڑھے شیطان کی زیرِ نگرانی سرگوشی ہوئی، ان میں تمام لوگ ابو جہل کی اس رائے پر متفق ہو گئے کہ عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے جوان مرد کا انتخاب کیا جائے کہ وہ لوگ محمد بن عبداللہ پر صبح کے وقت گھر سے باہر آنے پر یک بارگی حملہ آور ہوں، پس منتخب کئے ہوئے لوگ اپنے منصوبہ کی انجام دہی میں مشغول ہو گئے۔

لیکن انسانی تدابیر کے مقابلہ میں خدائی طاقت اور ربّانی حمایت تو دیکھئے کہ باذنِ خداوندی آقاءِ عربی ﷺ رات کی تاریکیوں میں قلبِ قرآنی کی تلاوت کرتے ہوئے بصیرت سے محروم لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر زادِ سفر اور ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لے کر طابہ کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

مقالہ نگار: مستقیم میواتی
مقالہ نمبر: ۳۲
متعلم: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

ألحمد للّٰه و حده، والصلوة والسلام علی من لا نبیّ بعده ؛ أما بعد :

معزّ ز مشفق و مربی مہمانانِ عظام!

ہم تمام حضرات اس بات سے واقف ہیں کہ اللہ تعالی نے دنیا میں انبیاء علیھم السلام کو مبعوث فرما کر عظیم الشان احسان فرمایا اور ان ہی احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ فرمایا کہ سرکارِ دوعالم محمد عربی ﷺ کو اس امت کی طرف مبعوث فرمایا، تا کہ آپ ﷺ لوگوں کو ضلالت و جہالت سے نکال کر سیدھے راستے پر لا کھڑا کرے۔ آپ ﷺ جب اپنی عمر کو گزارتے ہوئے چالیس سال کے قریب قریب پہونچے تو آپ ﷺ پر استغراق اور محویت کا عالم بڑھتا گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ رات کو بھی پہاڑوں کی شعاب میں رہ جاتے تھے، پھر یہ حالت ہوئی کہ آپ ﷺ کا کھانا، پینا بھی کم ہو گیا اور آپ ﷺ کا کھانا کھجور یا جَو کی روٹی اور آپ ﷺ کا پینا ایک کوزہ پانی جس کو لے کر آپ ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے، آپ ﷺ نے عبادت کے لئے غارِ حرا کا انتخاب اس لئے فرمایا کہ وہاں سے بیت اللہ صاف نظر آتا تھا اور غار سے بیت اللہ دو یا تین میل کے فاصلے پر تھا اور آپ ﷺ کی چاہت بھی یہی تھی کہ لوگوں کے شور و شغب سے دور رہے اور غار سے بیت اللہ کی زیارت بھی ہوتی رہے، اس وقت آپ ﷺ کی عبادت غار حرا میں دین ابراہیم کے مطابق ہوتی تھی، آپ ﷺ غار حرا میں کئی دن رہ جاتے تھے، یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ آپ کو کھانا وغیرہ پہونچاتی تھیں اور آپ ﷺ وہاں پر قیام فرماتے تھے، اسی اثناء میں وحی کے کچھ آثار نمایاں

ہوئے، چنانچہ یکا یک ۸ ؍ربیع الاوّل، دوشنبہ کے روز آپ ﷺ غار میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا" إقرأ"، تو آپ ﷺ نے فرمایا: " ماأنا بقارئ" تو فرشتے نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا پھر حضرت جبرئیلؑ نے کہا " إقرأ"، تو آپ ﷺ نے وہی جواب دیا، تو فرشتے نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا، تیسری مرتبہ بھی اسی طرح کا معاملہ ہوا، پھر آپ ﷺ سے کہا: پڑھئے" إقرأ۔إلی۔ علّم الإنسان "پانچ آیتیں پڑھ کر سنائی۔آپ ﷺ ان آیتوں کو لے کر اپنے گھر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ مضطرب تھے اور حضرت خدیجہؓ کے پاس داخل ہوئے اور فرمایا" زمّلونی زمّلونی "چنانچہ آپ ﷺ کو کمبل اوڑھا دیا اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو ایسے الفاظ سے تسلی دی جس میں تمام انواع الخیر کو جمع کر دیا۔ (اصح السیر۔انعام الباری)

بہر حال ابتداءً جب وحی نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے عظیم الشان خدمت سپرد کی گئی تھی، آپ ﷺ نے حکم الٰہی کو خفیہ طور پر پہونچانا شروع کیا، اس لئے کہ ابتداءً آپ ﷺ کو علانیہ طور پر تبلیغ کا مامور نہیں کیا گیا تھا لیکن اصل میں اللہ تعالیٰ کو اپنا پیغام چہار دانگ عالم میں پہونچانا مقصود تھا اور چونکہ آپ ﷺ کو اپنی ہی برادری سے دعوت وتبلیغ کا آغاز کرنا تھا اور یہ انتہائی مشکل کام تھا، اس لئے کہ قریش بت پرستی میں تمام عرب کے پیشوا سمجھے جاتے تھے اور عرب کا غرور تکبر اور ان کی تقلیدِ آبائی انہیں حق کی طرف کان لگانے کی اجازت نہ دیتی تھی، بہر حال ابتداءً آپ ﷺ نے اپنی جان پہچان والے لوگوں میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کا کام شروع کیا، جس کی برکت سے نوجوانوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ اور بچوں میں آپ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ اور غلاموں میں آپ ﷺ کے متبنّیٰ حضرت زید بن ثابتؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت کی وجہ سے اور کچھ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اسی طرح بتدریج آپ ﷺ کا یہ کام چلتا رہا، یہاں تک کہ بعثت کے دوسرے سال حضرت حمزہؓ ابن عبد

المطلب مسلمان ہوئے اور دیگر حضرات بھی اسلام میں داخل ہوئے، جن کی تعداد ۵۲ بتائی جاتی ہے۔ (اصح السیر)

بہر حال یہ حضرات مشرف باسلام ہوئے تو ان کو طرح طرح کی تکالیف دی جانے لگی، من جملہ انہی حضرات میں سے حضرت بلالؓ اور ان کی والدہ، حضرت عمار ابن یاسرؓ، حضرت سمیّہؓ اور دیگر صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے، جن مظالم کو ان حضرات نے غیر معمولی صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔

(اصح السیر ۔سیرت ختم الانبیاء)

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ بعثت کے بعد مکّہ مکرمہ میں تیرہ سال رہے، آپ ﷺ نے تین سال کے بعد علانیہ تبلیغ کا کام شروع کیا، آپ ﷺ اسی علانیہ نشر و اشاعت کے لئے صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دنیا کے سارے انسانوں سے بہتر تحفہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، جس میں تمہارے لئے دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی ہے اور میں تمہاری طرف خصوصاً اور پورے عالم کی طرف عمومی طور پر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (دروس السیر ۃ)

چنانچہ جب آپ ﷺ نے علانیہ تبلیغ شروع کی اور عرب کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پیغامات میں جو آپ ﷺ لوگوں کو سناتے ہیں بتوں کی حقیقت کو منکشف کیا جاتا ہے اور بتوں کی پرستش کو باطل قرار دیا جاتا ہے تو ایک جماعت آپ ﷺ کی مخالفت کے لئے کھڑی ہوگئی اور ابو طالب کے پاس آ کر کہا کہ آپ کے بھتیجے کو اس کام سے باز رکھو، تو ابو طالب نے آپ ﷺ کو سمجھاتے ہوئے بہت ساری باتیں کہی، آپ ﷺ نے اس کے جواب میں وہ جملے ارشاد فرمائے جو قابل تعریف ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ”قسم بخدا اگر وہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھ دیں، تب بھی میں خدا کے بندوں تک اس کا

کلمہ اور پیغام پہنچا کر رہوں گا یا کم از کم اسی جدو جہد میں جان بحق ہو جاؤں'' ان حالات کے پیش نظر آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بھی رچے گئے، لیکن خدا وحدہ لاشریک لہ نے کفار کی ان تمام تر سازشوں کو'' ھباءً منثورا '' کر کے رکھ دیا، جب کفار نے دیکھا کہ ان کی تمام تر کوششیں ناکام ہوگئی تو آپ ﷺ کو مال و متاع کی طمع دینا شروع کیا تاکہ آپ ﷺ اپنی دعوت سے خاموش ہو بیٹھیں۔ (سیرت مغلطائی)

بہر حال جب کفار کے تمام تر حیلے ناکام ہو گئے تو وہ لوگ جو باہر سے آپ ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپ ﷺ کی بات سنتے تھے، کفار مکّہ نے ان کو روکنے کے لئے آپ ﷺ کو ساحر و مجنون کہنا شروع کیا اور ان لوگوں کو آپ ﷺ سے روکنے کے لئے طرح طرح کی گزارشیں کیں، جب وہ ہر چیز سے ہار گئے تو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکا اور اس وقت استہزاء اور شور وغل کا حکم دیا، لیکن کچھ سرداران قریش جیسے کہ ابوسفیان، ابوجہل، اخنس بن شریک آپ ﷺ کی تلاوتِ قرآن کو چپکے چپکے سنتے تھے، یہ قرآن کی کشش کا نتیجہ تھا۔ (اصح السیر)

کفار و مشرکین برابر مسلمانوں کو ستاتے رہے، تکالیف پہنچاتے رہے، تو آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، اس لئے کہ وہاں کا بادشاہ نرم دل تھا، وہاں ان کو سکون رہے گا، چنانچہ مسلمان وہاں پہونچ کر اطمینان سے رہنے لگے تو ان کو کسی طرح اچھا نہ لگا اور اپنے دو آدمی عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو تحائف لے کر بادشاہ کو متنفر کرنے کے لئے بھیجا۔ جب یہ لوگ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہو سکے اور خائب وخاسر مکّہ واپس لوٹ آئے، مکّہ میں چونکہ حضرت عمرؓ ابن خطاب مسلمان ہو چکے تھے تو کفار میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی، آخر سب نے جمع ہو کر بنی ہاشم اور بنی مطلب سے بائیکاٹ کیا، انھیں ایام میں رکانہ بن عبد یزید سے مصارعت کا قصہ بھی پیش آیا۔ (اصح السیر)

بہر حال خواجہ ابوطالب کی وفات کے بعد کفار نے آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ گستاخیاں شروع کیں اور ان کی شرارتیں بہت بڑھ گئیں تو آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کی اشاعت کے لئے طائف کی جانب سفر کیا، اس کے بعد جب آپ ﷺ طائف والوں سے مایوس ہوگئے تو ایک روز خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت مضطربانہ دعا کی، جب وہاں سے واپس لوٹے تو سات جنّ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔

جب آپ ﷺ کی عمر ۵۱/ برس اور ۹/ ماہ کی ہوئی تو آپ ﷺ کو اللہ نے ایک اعجازی جلوس سے سرفراز فرمایا، تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف آپ ﷺ ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے جس میں رات کی رات میں آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور آپ ﷺ ایسے مقام پر پہونچے جہاں کسی مقرب فرشتے کی بھی رسائی نہیں ہوئی، اسی رات میں آپ ﷺ کو انبیاءؑ کی امامت کا شرف حاصل ہوا۔

(اصح السیر)

بہر حال نبی کریم ﷺ نے پیغام خداوندی پہونچانے کی پوری کوشش کی، اس لئے آپ ﷺ عکاز، مجنہ، ذی المجاز کے بازاروں میں بھی تشریف لے گئے اور لوگوں کو دعوت دی اور دینِ اسلام میں دین ودنیا کے جو فوائد ہیں وہ بتائیں، اور موسم حج میں بھی تبلیغ فرماتے رہے، دوسری طرف کفار ومشرکین آپ ﷺ کے راستے میں روڑے اٹکاتے رہے، پھر بھی آپ ﷺ مایوس نہ ہوئے اور تبلیغ نہیں چھوڑی، بلکہ دعا کرتے رہے، ”ألّلھمّ اھد قومی فإنھم لایعلمون“

لیکن جب آپ ﷺ نے مکّہ کے ماحول کو اپنے اس مشن کے لئے سازگار نہ دیکھا تو مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا، جہاں سے مدنی دور کا آغاز ہوا۔

مقالہ نگار: محمد حسان تاجپوری مقالہ نمبر : ۳۳
متعلم: جامعہ اسلامیہ امدادالعلوم، وڈالی

ألحمدلله ربّ العالمين والصلوة والسلام على سيّد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد:

محترم ومکرم جناب صدر جلسہ، حکم حضرات، معزز حاضرین اور سامعین کرام!

اس مبارک و پرنور محفل کو جس عنوان کے تحت سجایا گیا ہے وہ عنوان ہی اس کے تقدّس وعظمت کا پتہ دے رہا ہے، میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ اس میں شرکت کا مجھ کو موقع نصیب ہوا، ساتھ ہی میں معترف ہوں کہ ”ایں سعادت بزورِ بازو نیست“ مشفق اساتذۂ کرام کی عنایتوں اور موقع بموقع ان کے ہمت افزاں کلمات کے طفیل کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے، امید ہے آپ بھی اس شوقِ تقدم میں تائیدی کلمات کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

مقالہ کی ابتدا ہی میں یہ بات واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے مقالہ کی ترتیب میں تمہید واختتام کے لئے مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کچھ عبارتوں کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، کیوں کہ اس سے بہتر، جامع اور مانع منظر کشی کرنا مجھ جیسے بے حیثیت اور بے بضاعت طالب علم کے لئے ناممکن تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جس وقت اپنی عمر کے چالیس ۴۰ سال مکمل فرمائے اس وقت عالم انسانی میں بگاڑ اور اخلاقی پستی اس حدتک پہونچ چکی تھی کہ کسی مصلح، ریفارمر اور معلم اخلاق کے ذریعہ اس کی درستگی ممکن نہ تھی، کیوں کہ مسئلہ کسی ایک عقیدے کی تصحیح، کسی مخصوص عادت کو

تبدیل کرنے یا کسی ایک طریقۂ عبادت کی ترویج یا کسی ایک معاشر کی سماجی اصلاح کا نہ تھا بلکہ مسئلہ جاہلیت کے مشرکانہ، بت پرستانہ، مہلکانہ اور تباہ کن نظریات کے ملبہ تلے دبی ہوئی انبیاءکرامؑ کی صحیح تعلیمات، مصلحین سابقین کی مساعیٔ جمیلہ اور خدماتِ عظیمہ کو پھر سے باہر نکال کر پوری انسانیت کو اس کے سائے تلے پناہ دینے کا تھا۔ نیز مسئلہ فساد کی جڑ کو اور بت پرستی کی بنیاد کو بیخ بُن سے اس طرح اکھاڑ پھینکنے کا تھا کہ دور دور تک اس کا کوئی اثر باقی اور نشان قائم نہ رہے اور پھر اس میں عقیدۂ توحید کا بیج اس طرح لگائے جانے کا مسئلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، عبادت کا رجحان، خدمتِ خلق، حق پرستی کا عام جذبہ پیدا ہو جائے اور پوری نوعِ انسانی میں خواہشاتِ نفس پر لگام کسنے کا ملکہ اور اس کی صلاحیت وقوت پیدا کرنے کا تھا کہ ظاہر و باطن میں ذاتی اغراض کے لئے سوچنے کے بجائے مفادِ عامہ کی فکر و کڑہن دامنگیر ہو۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لئے تاریخ انسانیت کا سب سے روشن اور مبارک دن ۱۷ رمضان المبارک، مطابق ۶ ؍اگست ۶۱۰ء مشیتِ خداوندی میں طے تھا، جس روز رحمۃ للعالمین ﷺ کو انسانیت کے اس خزاں رسیدہ چمن میں بہار لانے کے لئے شرفِ نبوت سے نوازا گیا، ہلاکت کی خندق کے لبِ بام کھڑی انسانیت محرومی و بدنصیبی کی طویل رات کا سفر طے کر کے ایک جاں نواز، راحت بخش اور پُر نور صبح صادق کے حسین منظر سے بالآخر محفوظ ہو ہی گئی، غارِ حرا میں جبرئیل امینؑ کی زبانی کلام الٰہی کا سننا، پہلی وحی اور قرآن کے نزول اور آپ ﷺ کی رسالت کا پہلا دن تھا، بہر کیف رسول اللہ ﷺ کی نشو و نما جس خاص محفوظ و معصوم طریقہ پر ہوئی تھی، جن صفاتِ حمیدہ، عالی ہمتی، حسن اخلاق، حیا و پاکدامنی، امانت داری، راست گذاری اور راست کرداری کے ذریعہ ملکوتی خصائل کا آپ ﷺ کو پیکر جمیل بنایا گیا تھا، اس نے اس ذمہ داری کے اٹھانے اور بالکلیہ اس کو نبھانے میں ساتھ تو دیا لیکن اچانک اس

عجیب واقعہ کے پیش آنے پر آپ ﷺ خوف زدہ ہو گئے، اس نازک موڑ پر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ہمت افزائی نے بڑا کام کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ کارِ نبوت کے عام کرنے میں صنفِ نازک نے بھی ہاتھ بٹایا ہے، ادھر سن رسیدہ بالغ مردوں میں حضرت ابو بکرؓ کا ایمان لانا، بچوں میں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ کے ایمان و اسلام نے انسانی سماج کے ہر طبقہ سے اسلامی قلعہ کی پہلی اینٹ کی سعادت حاصل کی جس پر پوری اسلامی عمارت تا قیامت قائم اور دائم رہے گی، یوماً بعد یوم یہ کارواں آگے کی طرف رواں دواں رہا، افراد بھی بڑھتے گئے، لیکن ابتدا ہی سے مخالفین و معاندین کی ریشہ دوانیوں نے رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کر دیں، ابتدائی تین سال میں آپ ﷺ نے چھپ کر دعوت کا کام انجام دیا، پھر حکم خداوندی سے کوہِ صفا پر چڑھ کر علی الاعلان آپ ﷺ نے " أنا النذیر المبین " ہونے کا پرچم لہرایا، اس دعوت پر تمام کفار قریش نے آپ ﷺ کی تردید و تطعین کی اور آپ ﷺ کی دعوت کو پس پشت ڈال کر کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے دشمنی اور ایذا رسانی کا شیوہ اختیار کیا، لیکن یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور اپنے معبودوں کی مذمت سے دل برداشتہ ہو کر آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آ پہونچے، اس موقع پر مشفق و معاون چچا بھی یہ کہہ اٹھے کہ " اے میرے لختِ جگر، ذرہ میری جان کا بھی کچھ خیال کرو اور اپنی جان کا بھی، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ جس کو میں نہ اٹھا سکوں " اس پر آپ ﷺ نے فرمایا " چچا جان! خدا کی قسم وہ اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور چاہیں کہ میں اس کام کو ترک کر دوں، تب بھی اس سے باز نہ آؤں گا " یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ ﷺ رو دیئے تو اس پر چچا نے بھی تسلی دی اور کہا کہ اے بھتیجے! افعل ماشئت " تو جو چاہے کر، خدا کی قسم میں تمہیں کبھی کسی کے حوالہ نہ کروں گا۔ "

رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا کام پورے زور و شور سے کیا تو قریش نے اپنے غیظ و

غضب کو ان افراد پر اتارا جنہوں نے اپنے ایمان کو اپنے سینے سے لگایا تھا اور معاشرے میں کمزور ثابت ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت بلال حبشیؓ جو اسلام کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، ان کو ان کا آقا امیہ سخت گرمی میں پیٹ کے بل لٹاتا، پھر بہت بڑا پتھر لا کر رکھ دیتا اور کہتا کہ دم نکلنے تک تم کو اسی حال میں رکھوں گا، ان سخت اذیتوں کے باوجود ان کی زبان پر کلمۂ توحید جاری رہتا۔ ایسے ہی حضرت عثمان بن عفانؓ کو ان کے چچا نے بہت مضبوطی سے باندھ دیا اور کہا میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم رسول اللہ ﷺ کی تکذیب نہ کرو، لیکن ان اذیتوں کا ان پر کیا اثر ہوتا؟ مصائب و آلام ان کی ایمانی کیفیتوں میں اور اضافہ کرتے جاتے۔ ادھر آپ ﷺ کی شخصیت کو بھی تختۂ مشق بنایا جاتا، کبھی شاعر کے لقب سے آواز دیتے، کبھی مجنون کہتے، حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں سنگ دلی و بے رحمی کی انتہا کر دی، نہ قرابت کا پاس کیا اور نہ انسانیت کا لحاظ۔ جب آپ ﷺ مسجد حرام میں سربسجود ہوتے تو اونٹ کی اوجھ لا کر پشت مبارک پر رکھ دی جاتی اور اس غلیظ حرکت پر ٹھٹھا بازی کرتے۔ ایک مرتبہ ملعون ابوجہل نے آپ ﷺ کو بہت بُرا بھلا کہا، آپ ﷺ نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا لیکن آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو عبداللہ بن جدعان کی باندی نے جب پورا ماجرا سنایا تو چچا کی حمیت میں جوش آ گیا اور سیدھے مسجد حرام تشریف لے گئے اور ابوجہل کے سر پر کمان مار کر اپنا غیظ و غضب ظاہر کیا اور مشرف باسلام ہو گئے لیکن حالات نے ہفتہ بہ ہفتہ، مہینہ بہ مہینہ، سال بہ سال سنگین صورت اختیار کر لی اور صحابۂ کرامؓ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تو تاجدار مدینہ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، چنانچہ صحابہؓ نے ہجرت کی، جس میں ابتداءً دس حضرات شریک تھے، اس کے باوجود کفارِ مکّہ کے دل و جگر میں ان کی دشمنی و ایذا رسانی کی چنگاری جلتی رہی، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمر بن العاص وائل کو وہاں بھیجا، انہوں نے جا کر صحابہؓ کے خلاف شور و غل تو کیا لیکن نجاشی کی حق شناس شخصیت نے صحابہؓ کے وفد کو اپنے پاس بلایا اور مسئلہ کی تحقیق کی۔ اس

وقت رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی جعفرؓ بن ابی طالب نے دل ہلا دینے والی تقریر کی جس کی وجہ سے بادشاہ کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے اور اس نے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا تو حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں تلاوت کی۔ ان کی یہ تقریر اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تھی جس سے متأثر ہوکر نجاشی نے مسلمانوں کا پورا ساتھ دیا اور اپنے ملک میں رہائش کی اجازت دی۔ حبشہ کی ہجرت ۵ھ نبوی میں ہوئی تھی، وہاں صحابہؓ تقریباً ۱۵ سال تک ایمان واسلام کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جس سے مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت تیار ہوگئی، ادھر مکّہ میں بھی مسلمانوں کی نصرت وحمایت کا عام رجحان بڑھا، جس کا ظاہری سبب حضرت عمرؓ کا قبول اسلام بتایا جاتا ہے، لیکن یہ حمایتیں چھپ کر ہوا کرتی تھیں، کیوں کہ رؤساءِ کفار ومشرکین بہرحال اس کے مخالف تھے، ان کی رضا کے بغیر مکّہ میں کسی پرندے کی بھی مجال نہ تھی کہ پر مار سکے، ان رؤساء کا یہ تسلط صرف مکّہ ہی تک محدود نہ تھا، بلکہ مکہ کے اطراف واکناف بھی ان کے زیرِ نگیں تھے، یہی وجہ ہے کہ جب اسلام قبائلِ عرب میں پھیلنے اور پھولنے لگا اور کفارِ مکہ نے عاجز آکر ایک معاہدہ تحریر کیا؛ جس میں تحریر تھا کہ مسلمانوں اور بنو ہاشم سے نہ کوئی تکلم کرے، نہ ان سے بیع وشراء کرے تو اس انقطاعِ کلی مین تمام قبائل نے قریش کا بھرپور ساتھ دیا، اور آپ ﷺ مسلمان اور بنو ہاشم تین سال کی طویل مدّت تک شعبِ ابی طالب میں محبوس اور محصور رہنے پر مجبور ہوئے، بالآخر معاہدہ کا جو کاغذ بیت اللہ کی دیوار پر آویزاں کیا گیا تھا خدائی فیصلے سے دیمک کی نظر ہوا اور تائیدِ غیبی کے ذریعہ کفار اور مشرکین کا اتحاد ٹوٹ گیا، سن ۱۰ ر نبوی میں سرکار دو عالم ﷺ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوگیا، جس سے آپ ﷺ کو بہت صدمہ اور رنج ہوا، اس لئے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی بچپن سے تربیت کی تھی اور ہمیشہ آپ ﷺ کی پشت پناہی کرتے تھے، لیکن انہی ایام میں جب آپ ﷺ کی زوجۂ طاہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہوا تو آپ ﷺ بے حد مغموم ومحزون رہنے لگے اور اسی لئے زبان مبارک نے اس کو عام الحزن قرار دیا۔

دراصل منشاء خداوندی آپ ﷺ کو یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ کارِنبوت دنیوی تمام اسبابِ ظاہرہ کے بغیر انجام پا رہا ہے، ورنہ اسبابی اعتبار سے اس کی اب کوئی شکل ممکن نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد کفار مکہ نے بڑی خوشیاں منائیں اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اب میدان سر کرنا آسان ہو گیا ہے اور آپ ﷺ کو بہت تکالیف اور اذیت پہونچانی شروع کی، جس کی ہمت قریش والے ابو طالب کی حیات میں نہیں کیا کرتے تھے، لیکن فیصلۂ خداوندی مین کارنبوت کی تکمیل طے تھی، یہ بات اور ہے کہ مصلحتِ خداوندی فوری آسمانی مدد، نصرت کی نہ بنی، بہر کیف بغیر ظاہری کوائف کے کارنبوت کو انجام دینے کے زمانہ کے آغاز میں جب کفار کی طرف سے اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے طائف کا قصد کیا، آپ ﷺ کی نیت یہ تھی کہ قبیلۂ ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں، آپ ﷺ نے وہاں جا کر تین سرداران ثقیف سے ملاقات کی اور ایمان و اسلام کی دعوت دی تو ان تینوں سرداروں نے آپ ﷺ کی تردید کی اور آپ ﷺ کے پیچھے اپنے غلاموں اور خطے کے اوباشوں کو لگا دیا تا کہ وہ آپ ﷺ کی بات اپنے علاقہ میں چلنے نہ دیں، ان ناعاقبت شناسوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، تاریخ اس پر شاہد ہے، انسانی معاونتوں کا یہ ایک ظاہری سبب بھی کام نہ آیا اور اللہ کا لاڈلا خون سے تر بتر اس طرح لوٹا کہ آپ ﷺ کے جوتے مبارک لہوں سے لت پت تھے، اس موقع پر فرشتوں کی مدد و نصرت کی پیش کش پر آپ ﷺ کا انکار کرنا شانِ رسالت کا ایک ایسا انوکھا باب ہے کہ اس پر مسلمان تا قیامت جتنا فخر کریں کم ہے، یہ ایک سبق آموز مقام ہے لیکن اس کے لئے جس کے پاس عقل سلیم ہو۔

سابقہ کاوشوں سے خوش ہو کر اللہ ربّ العزت نے ۲۷؍رجب سن ۱۰ نبوی کو اپنے محبوب بندے کو ملکوت السماوات والارض کی سیر کرائی، آپ ﷺ اس سفر میں اوّل مسجد حرام سے بیت المقدس تک تشریف لے گئے، آپ ﷺ کو وہاں جا کر تمام انبیاءِ کرام علیھم السلام کی

امامت کا شرف حاصل ہوا اور آپ ﷺ کو امام الانبیاء کے لقب سے نوازا گیا، وہاں سے آپ ﷺ نے آسمان کا سفر شروع کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے جنت کے حسین مناظر اور جہنم کی خوفناک کیفیات دیکھیں، اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک بڑا تحفہ عطا فرمایا، جس سے لوگ آج بھی منتفع ہو رہے ہیں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں آکر لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو مسلمان اس کی حقیقت سمجھ گئے کہ کن طویل مجاہدات کا یہ صلہ ہے، البتہ کفار کے لئے یہ امر باعثِ تعجب تھا، لیکن عقلی شواہد کی وجہ سے وہ بھی کچھ کہہ سن کر خاموش ہونے پر مجبور تھے۔

سنہ ۱۱ نبوی میں موسمِ حج کے موقع پر آپ ﷺ مکہ معظّمہ سے چند میل دور تشریف لے جاتے اور حج کے لئے آنے والوں سے ملاقات کر کے ان کے سامنے ایمان کی دولت کو پیش کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مکہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع مقام عقبہ کا قصد کیا، وہاں یثرب کے چھ ۶ آدمیوں سے ملاقات کی، آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایمان واسلام کو پیش کیا، انہوں نے اس کو فوراً قبول ہی نہ کیا، بلکہ یثرب جا کر آپ ﷺ کا ذکرِ خیر اہل یثرب کے سامنے بھی کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سن ۱۲ نبوی میں یثرب کے بارہ ۱۲ باشندے مکہ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے فیض یاب ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے ان باتوں کی بیعت لی کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے، چوری اور زنا نہیں کریں گے، ہم اپنی اولاد کو زندہ در گور نہیں کریں گے......وغیرہ وغیرہ۔ اسی کو تاریخِ اسلام میں ''بیعت عقبۂ اولیٰ'' کہتے ہیں، ان حضرات کی خواہش پر حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کا معلم بنا کر ان کے ساتھ روانہ کیا، جن کی مسلسل کاوش سے سن ۱۳ نبوی میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں پر مشتمل ایک پورا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس یثرب سے مکہ کی طرف آیا اور آپ ﷺ سے بیعت کی جس کو ''بیعت عقبۂ ثانیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہی بیعت

مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی آمدِ بابرکت کا اوّل زینہ بنی اور آپ ﷺ نے ہجرت فرما کر اسلام کی مستقل پناہ گاہ کی بنیاد رکھی، جو آج تک دشمنوں کی پہونچ سے دور ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک دور رہے گی۔

وماعلینا الا البلاغ

مقالہ نگار: محمد سلیم بن عبداللہ آچھودی　　　　مقالہ نمبر: ۳۴
متعلم: دارالعلوم بڑودا، تاندلجا

ألحمد لله البرّ الجوار الكريم ، والقابض الباسط الرحمن الرحيم،نحمده تعالى على فضله العظيم، وادّبنا بالقرآن الكريم،وهذّب اخلاقنابسنة صاحب الخلق العظيم، ونشهدان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهدوا ان سيدنا وحبيبنا ومولنامحمداًعبده ورسوله سيّد الخلق طُرّاً، واشهرهم ذكراه وارفعهم قدراًواعظهم فخراًاكثرهم تحملا وصبراً ﷺ الذى اُوذى فى الله ما اوذى احدامن العالمين۔ وعلى اله واصحابه القائمين بنصرة دينه والصابرين بمصائب الكفرة الفجرة والتابعين بهم باحسان فى العادت والعبادات، أمابعد

عزت مآب صدر محترم، علماء وفضلاءِ کرام، تمام علمی چمنوں کے پروانوں و حضرات سامعین کرام!

نبیِ کریم، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین ﷺ کی بعثت ایسے دور میں ہوئی جس سے قبل دنیا میں انتہا ابتذال، نہایت ذلت و رسوائی، جہالت کا اندھیرا، کفر وشرک کی بربریت اور ظلم و جور کے سبب افراتفری مچی ہوئی تھی کہ اللہ ربّ العزّت نے ایک ماہِ تمام و بدر کامل پیغمبر ﷺ کی بعثت فرما کر تمام ظلمتوں اور تاریکیوں کو یک لخت نیست نابود فرمانے کا تہیّا کرلیا۔ جس کو شاعر نے خوب کہا ہے،

سارا جہاں تھا نور سے خالی　　　گہرا سمندر موج بلا کی
کفر کی ظلمت کالی کالی　　　سارا عالم ہوگیا روشنا یک تھی

کشتی ڈوب نے والی پٹہ پٹہ ڈالی ڈالی
بھیجا خدانے ایک نبی کو ڈوبتی کشتی جس نے بچالی

آپ ﷺ کے مبعوث ہوتے ہی سب سے پہلی صدا مکۃ المکرّمہ سے یَاایُّھَاالنَّاسُ قُولُوالَا اِلٰہ الا الله، تُفلِحُون کی جوصدا گونجی وہ صدائے بازگشت نہیں بلکہ ایک پیغامِ حقیقی، ایک مکمل دستورِ حیات اور اطمنان وفرحت بخش نظام لانے والی صدا تھی، نیز وہ ایسا نور تھا جس کی روشنی اور فاران کی بلندی سے ابھرنے والی کرنوں نے صرف حجاز مقدس ہی کو نہیں بلکہ دنیائے عرب وعجم کے ہر ہر خطے کو منور کر دیا، انقلاب عظیم ہوا، وہی کعبہ جس میں لات وعزیٰ کو معبود سمجھا جاتا تھا ھُبل کے نعرے بلند کئے جاتے تھے، نیاز ونذرانہ سربسجود کئے جاتے تھے، بھیٹ چرہائی جاتی تھی، وہاں اللہ اکبر کی صدائیں گونجنے لگی، توحید ورسالت کے نغمے سنائے جانے لگے، جو لوگ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے وہی لوگ اب لڑکیوں کو میراث دینے لگے، کل تک ماں کو بیٹا کہتا تھا ’’کتیہ کی طرح مت بھونک‘‘ اور ماں کو جوتے مارے جاتے، ذلیل کیا جاتا، آقاءِ مکی سرتاجِ مدینہ ﷺ نے ’’الا ان الجنّة تحت أقدام الامّهات‘‘ کا مژدہ سنا کر عزتِ دائمی بخشی، کل تک ننگے طواف کرنے کو شرافت سمجھا جاتا تھا، پیغمبر اسلام ﷺ نے ’’الحياء من الإيمان‘‘ فرما کر حیا کی قدر ومنزلت سے شناسا کیا۔

بزرگانِ محترم! تاجدار انبیاء، خاتم المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ مبعوث ہوئے تو بزدل بہادر بن گئے، رذیل شریف بن گئے، راہزن رہبر بن گئے، مسجد کی طرف دوڑے نمازی بن گئے! پیارے نبی ﷺ کے جھنڈے کے تحت آئے غازی بن گئے، مکۃ المکرّمۃ کے حلقہ بگوش شرافت کے پیکر بن گئے، جنت کے وارث بن گئے۔

پیغمبر محبوب ﷺ کو مکی زندگی میں خوب ستایا گیا، پیٹا گیا، بائیکاٹ کر کے تمام قوم و

سماج سے علحیدہ کر کے اکل وشرب کے سارے راستے بند کر دیئے، یسجدُ محمد کے بجائے یُعفِّر محمدٌ کیہ کر اونٹ کی اوجھ ڈالی گئی، آپ ﷺ کی راہ میں کانٹیں بچھائے گئے، اپنے چچا ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ کے نکاح والی دونوں صاحبزادیوں ''حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دلوائی گئی، چنانچہ یہاں مکہ سے عاجز ہو کر طائف تشریف لے گئے، وہاں بھی آپ ﷺ ستائے گئے، آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، پھر بھی آپ ﷺ صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر کے 'کلمة اللّٰه هِيَ العُليا' میں مشغول و مصروف ہے، لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر توحید کی طرف کیسے لائے جائیں؟ اس کڑھن اور غم میں رہنے کے سبب اللہ رب العزّت کو ترس آ گیا، ادھر یہ ظلم وستم کے پہاڑ آپ ﷺ کے ماننے والوں کے ساتھ بھی مصائب اور آلام، مگر پھر بھی یہ ساری تکالیف خوش بختوں کو اسلام لانے سے نہ روک سکی۔

درفشانی سے تیری قطروں کو دریا کر دیا　　　دل کو روشن کر دیا آنکھوں بینا کر دیا

ادھر اللہ ربّ العزت اپنے لاڈلے نبی اور پیغمبر ﷺ، عبداللہ کے دلیر، آمنہ کے فرزند، تمام مخلوق اور جملہ کائنات میں ارجمند، دل پسند، دانشمند ﷺ کو آسمانوں کی شیر کے لیے خصوصاً اپنی ملاقات کے لیے بلاتے ہیں، بلانے کا کیسا انداز؟ پہلے سواری کا انتظام، حضرت جبرئیلؑ اور ان کے رفقاء ملائکہ کی جماعت استقبال کے لئے حاضر ہے، سواری بھی جنت کی، جنت سنواری گئی، جہنم کے دروازے بند کئے گئے، حوروں کو متعین کیا گیا، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کو استقبال کے لیے متعین کیا گیا، پوری امت کے اعمال نامے سامنے رکھے گئے، جنت وجہنم کے مناظر دکھلانے کا بندوبست کیا، پھر سارے کام مختصر وقت میں کیئے گئے، نیز محمد ﷺ کے انوار کی تجلی کی گئی یہ امور کوئی انسان نہیں رحمٰن ہی کر سکتا ہے۔

اس قدر شرف عظیم حاصل ہونے کے بعد اور مکہ کے کفار کے جاننے کے بعد بھی آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے میں اور معراج کے انکار کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ''وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ، وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ،وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ'' آیت نازل فرما کر ہجرت مدینہ کا حکم نازل فرمایا، الغرض پیغمبر اسلام ﷺ کو دینا کا سب سے کامل انسان کیوں تسلیم نہ کیا جائے جب کہ آپ ﷺ کو نہ ماننے والا ایک مشرک کہتا ہے کہ آپ کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آئے ہیں جو کسی ایک انسانی تاریخ نے کبھی جمع نہیں کئے، کہتا ہے وہ بادشاہ ایسا کہ پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لادے ہوئے اس کی دارالحکومت میں آرہے ہو اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولھا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے گذرتے ہو، سپہسالار ایسا کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں کی غرق آھن موج سے کامیاب لڑائی لڑ رہا ہو، اور صلح پسند ایسا کہ باوجود ہزاروں پرجوش جاں نثاروں کی ہمرکالی کے صلح نامے پر دستخط کردیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنہا کھڑا ہو، نرم دل ایسا کہ اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے بہایا نہ ہو، باتعلق ایسا کہ عرب کے ذرّہ ذرّہ کی فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولی ہوئی دینا کی اصلاح کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی فکر اور بے تعلق ایسا کہ خدا کے سوا کسی کی اس کو یاد نہیں، اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش، اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے برُا کہنے والوں سے انتقام نہیں لیا، اپنے جانی دوشمنوں کے حق میں ہمیشہ دعا کی اور ان کا بھلا چاہا۔

عزیزانِ مکرم! ہم اپنے آپ کوخوش نصیب سمجھیں کہ اتنے زبردست نبی ملے جنہوں نے ساری صعوبتوں کو برداشت کرکے ہم تک دین پہنچایا۔

دعا کریں کہ اللہ ربّ العزت ہم تمام کو آپ کی شریعت پر مکمل عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمين

والصّلوة والسّلام على أفضل الرسل الكرام سيّدنا ومولانامحمّد واله وصحبه اجعمين

مقالات فرع ثالث

”جاہلی دور“

مقالہ نگار: محمد پرویز دیناچپوی　　　　مقالہ نمبر : ۳۵
متعلم: مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت　　　　فرع ثالث میں پہلا انعام یافتہ مقالہ

الحمد لله کفی، و سلام علی عباده الذين الصطفی؛ أمابعد!

صدر ذی وقار، قابلِ احترام حضراتِ حکم اور گرامی قدر سامعین!

آج کی مجلس میں میرے مقالہ کا موضوع ہے، عہدِ جاہلیت تا بعثتِ نبوی ﷺ

محترم حضرات!

چھٹی صدی مسیحی انسانی تاریخ کا تاریک ترین وپست ترین دور تھا۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہوکر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوادب چکی تھی، رومی وایرانی اس وقت مغرب ومشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لیے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علم بردار و ذمہ دار تھے، بادشاہ وحکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشۂ سلطنت میں سرشار تھے، متوسط طبقہ کے لوگ اس اعلی طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے، باقی رہے عوام، تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محصولات میں ایسے دبے ہوئے تھے، کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی۔　　(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص ۱۳۱ تا ۱۳۳)

مذہب پر ایک نظر: حضرات! آیئے اب بعثت سے قبل کے تمام مذاہب کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہوئے چلیں، اس وقت دنیا میں موجود بڑے مذاہب (خواہ وہ آسمانی ہو یا غیر آسمانی)، مثلا عیسائیت، یہودیت، ہندومت، مجوسیت اور بدھ مت اور

ان کے احکام وقوانین بازیچۂ اطفال بن چکے تھے، ہر مذہب کے علم بردار کلامی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے، دنیا خودکشی کی راہ پر گامزن تھی اور مذہب کے علم بردار کو اس کی کوئی فکر نہیں تھی۔

یہود (جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے میں پھیلے ہوئے تھے) خالص دنیا پرستی میں مبتلا تھے، وہ ایک ضدی طبیعت رکھتے تھے اور ہمیشہ اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کرتے تھے، ان کے مذہبی رہنما اپنی مقدس کتابوں کی غلط سلط تاویلات کرتے تھے، وہ نسل اور قوم کے پرستار تھے، اور اپنے آپ کو تمام قوموں اور نسلوں سے افضل سمجھتے تھے۔

عیسائیت اپنے دور اول ہی میں انتہا پسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل اور رومی نصرانیوں کی بت پرستی کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کے پیروکار مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے، ان میں سے ہر ایک فرقہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش وتخلیق کے متعلق مختلف خیالات رکھتا تھا، ان کلامی مباحث کے نتیجے میں بڑے پیمانہ پر خونریزیاں ہوئیں۔

(نقوش رسول ﷺ ج:۱، ص۱۹)

ہندومت نے مذہبی طور پر ذات پات کے نظام کو جنم دے کر ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا تھا، جو مصنوعی عدم مساوات سے معمور تھا، برہمن سب سے اعلی ذات سمجھی جاتی تھی، یہ لوگ مذہب اور علم کے اجارہ دار تھے، کھتری دوسرے درجہ کی ذات تھی، یہ لوگ سپاہی تھے اور صرف فنون جنگ کے ماہر تھے، ویش، زراعت وکھیتی باڑی کے ذمہ دار تھے، سب سے نیچی ذات شودروں کی تھی جن سے روزمرہ کے کاموں کی خدمت لی جاتی تھی، ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ طبقہ واریت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر بت پرستی پورے شباب پر تھی۔ وید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ تھی، اس صدی میں ۳۳ کروڑ ہوگئی۔ اور حد تو یہ تھی کہ ان دیوتاؤں اور قابل پرستش اشیاء میں

معدنیات و جمادات، اشجار و نباتات پہاڑ اور دریا، حیوانات حتی کہ آلات تناسل سبھی شامل تھے۔ (نقوشِ رسول ج:۱ص:۲۰، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۴۹)

بدھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلا ہوا تھا، وہ بھی ایک ایسے بت پرستانہ مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا کہ بت ان کے جلو میں چلتے تھے۔ جہاں ان کے قافلہ کا پڑاؤ ہوتا تھا وہاں گوتم بدھ کا مجسمہ نصب کرتے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک معبد تیار ہو جاتا۔

مجوسی قدیم زمانہ سے عناصر اربعہ میں سے بڑا عنصر آگ کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جب تک آتش کدوں اور عبادت گاہوں میں ہوتے تب تک مذہب کے پابند ہوتے اور باہر وہ بالکل آزاد تھے جہاں وہ ا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، نبی رحمت، پیغمبر انقلاب ﷺ از مولانا کوثر نیازی، ہندوستانی تمدن وغیرہ)

حضرات! اس سرسری جائزہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ تمام باطل ادیان و ملل کے مذہبی رہنما مذہب کی آڑ میں خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کرتے تھے، دین میں بیجا تشدد اور نسبی تفاخر و امتیازات کا دور دورہ تھا۔ یہ مذاہب اور ان کے رہنما کسی بھی حیثیت سے اس قابل نہ تھے کہ انسانیت کی رہنمائی کریں، اور دنیا و اخرت میں اس کی فلاح کے ضامن بن سکیں۔

جزیرۃ العرب: جہاں تک عربوں کا تعلق ہے، تو ان کے اخلاق بہت بگڑ چکے تھے، وہ شراب اور جوئے کے رسیا تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے، عورتوں کی ان کے یہاں کوئی عزت نہیں تھی۔ بعض لوگ اپنی اولاد کو افلاس اور معاشی پریشانی کے خوف سے قتل کر ڈالتے تھے۔ جنگ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ایک معمولی واقعہ جنگ کی

آگ کو بھڑکا دیتا، بعض جنگیں ۴۰ سال تک چلتی رہی، جن میں ہزاروں آدمی تہِ تیغ ہو گئے۔ (نبی رحمت ﷺ، ص ۵۵)

ایک نبی کی ضرورت: ان حالات میں جبکہ انسانیت خودکشی کی راہ پر گامزن تھی، اور خدا فراموشی اور خودفراموشی کی انتہا ہوگئی تھی ایک ایسی اولوالعزم شخصیت کی ضرورت تھی جو انسانوں کو انسانوں کی بندگی، شرک و بت پرستی کی تاریکی اور ضلالت وگمراہی کی کھائی سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی روشنی کی طرف لائے اور مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عدل کا راستہ دکھائے۔ جو دنیا اور آخرت کی بھلائی بہم پہنچائے، چناں چہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو جزیرۃ العرب میں مبعوث فرمایا۔

جزیرۃ العرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟: اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کام کے لیے عربوں کا انتخاب اس لیے کیا کہ ان کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی، اس میں پہلے سے خود ساختہ اور اپنے اپنے ذہن کے ایجاد کردہ نظریات کے نقش ونگار موجود نہ تھے، جن کو مٹا کر صاف ستھرے اور انسانیت کے اعلی افکار وکردار کو ان میں بٹھانا دیر طلب اور موثر نہ ہوتا۔ مزید یہ کہ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کا وہ مقدس گھر موجود تھا، جو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا مرکز اور محور تھا۔ جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ۔

(رہبر انسانیت ﷺ ص:۸۶)

جزیرۃ العرب کی جائے وقوع: قبل اس کے کہ پیغمبر انقلاب ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے ۔مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس خطہ کی جائے وقوع بتا دی جائے، جہاں سے دعوت حق کا آغاز ہوا۔ اور جہاں کے باشندوں کو اسلام کے اولین مخاطب

ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ مقدس خطہ عرب ہے، جس کے مغرب میں بحر احمر، جنوب میں بحر ہند، مشرق میں خلیج فارس اور شمال میں ملک شام ہے، وہ شہر جس میں ہادی عالم ﷺ کی بعثت ہوئی مکۃ المکرّمہ ہے، مکہ دو پہاڑی سلسلہ کی وادی میں واقع ہے۔ (جزیرۃ العرب ص۲۲)

اس وادی میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو لے جا کر ٹھہرایا، اور ان کے بڑے ہونے پر بیت اللہ کی تعمیر کی، جو کرۂ زمین پر اللہ کا پہلا گھر تھا، اس خطۂ ارض کو اللہ نے ابراہیمؑ کی دعا کی وجہ سے شرف دوام بخش دیا۔ اور اسی سرزمین میں ایسے وقت میں جبکہ دنیا پر نزاع کا عالم طاری تھا۔ دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ، ہلاکت کے مہیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی، دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سن عام الفیل مطابق ۲۲/اپریل ۵۷۱ء کو بعد صبح صادق وقبل از طلوع اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ اس جاں بلب انسانیت کو زندگی بخشیں، لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ آپ ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب، عبداللہ کے اس یادگار کے پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی گھر میں آئے اور بچے کو خانہ کعبہ میں لے گئے، اور دعا مانگ کر واپس لے آئے، ساتویں دن قربانی کی اور تمام قریش کی دعوت دی، اور آپ ﷺ کا نام محمد رکھا، لوگوں کو اس نام سے تعجب ہوا تو عبدالمطلب نے فرمایا، کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر میں ستائش وتعریف کا شایاں قرار پائے۔ (رحمۃ للعالمین ص ۴۱)

رضاعت: چند دن آپ ﷺ کو آپ کے چچا ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا، پھر چوں کہ شرفائے مکہ کا یہ دستور تھا، کہ اپنے بچوں کو جب وہ آٹھ دن کے ہو جاتے تھے، دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر کے کسی اچھی آب ہوا کے مقام پر باہر

بھیج دیا کرتے تھے، چناں چہ اسی دستور کے موافق آپ ﷺ کو بھی حلیمہ سعدیہ کے سپرد کردیا گیا، دو برس کے بعد آپ ﷺ کا دودھ چھڑایا گیا، دائی حلیمہ آپ کو لے حضرت آمنہ کے پاس آئیں، حضرت آمنہ نے اس خیال سے کہ وہاں کی آب ہوا حضور ﷺ کے خوب موافق ہے، اور شاید کہ مکہ کی آب ہوا موافق نہ ہو پھر دائی حلیمہ کے سپرد کردیا۔ (رحمۃ للعالمین ص ۴۱)

جب آپ ﷺ حضرت حلیمہ کے گھر میں تھے تو ایک دن دو فرشتوں نے آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کے سامنے آپ کے پیٹ کو چاک کیا اور قلب اطہر کو نکال کر صاف کیا، اس انوکھے واقعہ کو سن کر حضرت حلیمہ نے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ تک پہنچادیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ۱۶۴)

بچپن کے بقیہ ایام اور تربیت: حضرات! آپ ﷺ چھ سال کے تھے تو آپ کی والدہ مکرمہ آمنہ بنی عدی بن نجار کے قبیلہ میں آئیں، وہاں سے واپسی کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابوا میں انتقال کرگئیں، (سیرۃ بن ہشام ج:۱ص:۱۸۹)

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا عبدالمطلب نے لی، لیکن جب آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبدالمطلب بھی چل بسے، اس کے بعد آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے پاس رہے، جو آپ پر بہت زیادہ شفیق تھے اور اپنی اولاد سے زیادہ آپ سے محبت رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ابوطالب نے تجارت کے لیے ملک شام کا رخت سفر باندھا اور آپ ﷺ نے بھی اشتیاق ظاہر فرمایا، تو ابوطالب کا دل بھر آیا اور انھوں نے آپ کو ساتھ لے لیا، جب یہ قافلہ سرزمین شام کے مقام بصرہ میں اترا، تو بحیرہ نامی راہب نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور ابوطالب سے کہا، کہ ان کو واپس کردیں، ملک شام نہ لے جائیں کیوں کہ یہودیوں

اور رومیوں سے ان کی جان کو خطرہ ہے اس پر ابو طالب نے آپ ﷺ کو مکہ روانہ کر دیا۔

امین کا خطاب: داؤد بن حصین سے مروی ہے، کہ لوگوں کا بیان ہے، کہ آپ ﷺ اس شان سے جوان ہوئے کہ آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ با مروت، نہایت خلیق، ہمسایوں کی بہت زیادہ خبر گیری کرنے والے بہت حلیم و بردبار، سچے اور امانت دار اور دشنام و فحش اور ہر بری بات سے نہایت دور تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کا نام امین رکھا۔ (سیرت مصطفیٰ: جلد ا، ص ۹۵)

حلف الفضول: حضرات! جنگ فجار کے بعد ذی قعدہ کے مہینے میں قریش کے پانچ قبائل (۱) بنو ہاشم (۲) بنو المطلب (۳) بنو اسد (۴) بنو زہرہ (۵) بنو تمیم کے درمیان ایک عہد نامہ طے پایا، کہ مکہ میں جو مظلوم آئے، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب ان کی حمایت میں کھڑے ہوں گے اور اس کا حق دلا کر رہیں گے، اس عہد و پیمان میں رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں عبد اللہ ابن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا، کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر اس کے لیے دورِ اسلام میں بلایا جاتا تو یقیناً قبول کر لیتا۔ (مختصر سیرۃ النبی: ص، ۳۶)

شغل تجارت اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح: حضرات! حضرت خدیجہؓ شرافت اور مال دونوں لحاظ سے قریش کی سب سے زیادہ معزز اور با اثر خاتون تھیں، انہوں نے تجارت کے لیے آپ کو اپنے مال کی پیش کش کی، آپ نے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا، اس تجارت میں خوب برکت ہوئی، واپس مکہ آ کر امانت ادا فرما دی، سیدہ خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی امانت و برکت کا حال دیکھ کر اور اپنے غلام میسرہ

سے آپ ﷺ کے شیریں شمائل اور بلند اخلاق کا بیان سن کر آپ ﷺ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرمایا۔اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی۔

آپ ﷺ کو حکم بنایا جانا: جب آپ ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے میں ہونے والی متوقع لڑائی کا ایک مختصر سی تدبیر سے رکوادی۔

قرب زمانۂ بعثت: حضرات! بعثت سے سات برس پہلے ایک روشنی اور چمک سی آنے لگی تھی اور آپ ﷺ اس روشنی کے معلوم ہونے سے خوش ہوا کرتے تھے اس چمک میں کوئی آواز یا صوت نہ تھی، بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا آں حضرت ﷺ کے مزاج میں خلوت کی عادت پڑتی جاتی تھی، آپ ﷺ اکثر پانی اور ستّو لے کر شہر سے پرے سُنسان جگہ کوہ حرا کے ایک غار میں بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے، اور جب تک پانی اور ستّو ختم نہ ہو جاتے شہر میں نہ آیا کرتے، پھر آپ ﷺ کو خواب آنے لگے، خواب ایسے سچے ہوتے تھے، کہ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے ویسا ہی دن میں ظہور میں آجاتا۔ (رحمۃ للعالمین: ص۴۶)

بعثتِ مبارک: اسی طرح آپ ﷺ ایک بار غار حرا میں تشریف فرما تھے کہ منصب نبوت سے آپ ﷺ کو سرفراز کرنے کی مبارک ساعت آپہونچی، یہ ۱۷/رمضان آپ ﷺ کی ولادت کے اکتالیسواں سال کا واقعہ ہے۔آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

”اقرأباسم رب الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الأكرم الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم“۔

اس کے بعد دھیرے دھیرے اللہ کا دین غالب ہوگیا اور باطل کو صرف صومعوں، خانقاہوں اور معبودوں میں ہی نہیں حکومت کے ایوانوں میں بھی شکشت کھانا پڑی۔ جھوٹے خداؤں کی خدائی کے تخت اوندھے ہوگئے، اور حقیت پوری قوت کے ساتھ دنیا میں ابھر آئی ۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

مقالہ نگار :محمد حسان خیر آبادی
مقالہ نمبر: ۳۶
متعلم :مدنی دار التربیت، کرمالی
فرع ثالث میں دوسرا انعام یافتہ مقالہ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم ، أما بعد :

عرب کی سیاسی صورت حال : اسلام سے پہلے عرب میں کبھی کوئی با قاعدہ حکومت نہیں تھی ،ظہور اسلام کے وقت اس کے سرحدی علاقے غیروں کے قبضہ میں تھے،عربوں کا سیاسی اور معاشرتی نظام قبائلی طرز کا تھا، وہ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے،اور ہر قبیلہ کا ایک الگ سردار ہوتا تھا، پہاروں اور صحراؤں میں خودمختار، جرائم ہمیشہ قبائل کی ٹکڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، رہ زنی اور غارت گری ان کا ذریعۂ معاش تھا۔

مذہبی حالت : مذہب کے معاملے میں عام رجحان بت پرستی کی طرف تھا، ارواح خبیشہ سے لے کر چاند سورج تک سبھی کی پرستش ہوتی تھی ،اوران کے ناموں پر حضرت انسان تک کی قربانی بلاترّدد پیش کردی جاتی تھی ، زراعت میں زمین کا بہترین حصہ ان کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا،خود خانۂ کعبہ تین سوساٹھ دیویوں اور دیوتاؤں کا استھان بن گیا تھا، یوں تو عربوں میں ایک مدت سے یہودیت ، مجوسیت اور مسیحیت کا چرچہ تھا،لیکن ان کا کوئی مفید اثر ان کے عادات واخلاق پر نہیں پڑ سکا تھا۔

عرب کے باہر کی دنیا بھی کچھ اچھی نہ تھی ، روم اور فارس یہی اس زمانہ کی دو بڑی طاقتیں تھیں،

فارس : فارس میں بعثت سے قبل قباد اول بن ضیروز کی حکومت تھی اس کی نا اہلی

سے تنگ آکر رعایا نے اسے قید کرلیا، قباد نے بھاگ کر تاتاریوں کی پناہ لی اوران کی مدد سے دوبارہ تخت وتاج حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، چھٹی صدی کے وسط میں قباد کی جگہ نوشیرواں نے لی۔

روم: رومیوں کی عالم گیر سلطنت: جو یونانیوں کے زوال کے بعد قائم ہوئی تھی، چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں مشرقی ومغربی دوحصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

ولادت باسعادت :رات کے بطن سے دن، تاریکی کے بطن سے نور پیدا ہوتا ہے، دنیا کی یہ زبوں حالی درحقیقت اس کی حیات نو کا پیش خیمہ تھی، چنانچہ چھٹی صدی عیسوی کے آخری ثلث مین موسم بہار میں دوشنبہ کے دن، ۹؍ربیع الاول عام الفیل، مطابق ۲۲؍اپریل ۵۷۱ھ ءاور یکم جیٹھ ۶۲۸ھ بکرمی کودار عبدالمطلب کے گھرانے میں ہوئی۔

والد ماجد کا انتقال: آپ ﷺ کی ولادت سے تقریباً دو مہینے پہلے آپ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا انتقال ہوگیا، وہ شام سے واپس آرہے تھے، راستہ میں علیل ہوئے، جب یثرب پہنچے تو وہیں جوانی کی حالت میں وفات پائی، صاحب ''نبی رحمت'' نے بحوالہ واقدی ۲۵ سال کی عمر بتلائی ہے، حضرت آمنہ کو آپ ﷺ کی ولادت سے قبل ایسی بہت سی نشانیاں اورآثار نظر آئے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے فرزند کی مستقبل میں بڑی شان ہونے والی ہے۔(سیرت پاک اسلمی:۲۲)

ولادت کے وقت کی خوشی : جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو آمنہ نے عبد المطلب کواس کی خبر پہنچائی، وہ آئے اور محبت سے آپ ﷺ کو دیکھا، گود میں لے کر کعبہ کے اندر داخل ہوئے، اللہ کی حمد بیان کی اوردعا کی۔

آپ ﷺ کی ولادت سے پورا عالم ہی مسرتوں اورخوشیوں کے شادیانے بجارہا

تھا، کیا شجر، کیا حجر، سب خوشی کے ترانے گا رہے تھے، دنیا کے کونے کونے میں خوشی ہی خوشی تھی، آپ ﷺ کی ولادت کے ساتویں دن عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا اور اس تقریب میں پورے قریش کی دعوت کی، ولادت کی صبح کو یثرب میں ایک یہودی عالم ایک ٹیلے پر چڑھا اور پکارنے لگا؛ ''اے یہودیوں ! اے گروہِ یہود ! آج رات پیغمبر آخرالزماں ''احمد'' کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے، اور وہ اس دنیا میں تشریف لا چکے ہیں'' (ملخص از سیرت پاک اسلمی: ۲۲،۲۳)

رضاعت: قریش میں دستور تھا کہ ماں بچے کو خود دودھ نہیں پلاتی تھی، بلکہ دوسرے قبیلوں اور بستیوں سے دودھ پلانے والیاں آ کر اجرت پر بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لے جاتی تھیں، حضور ﷺ نے تقریباً تین دن اپنی والدہ کا دودھ پیا، اس کے بعد ابولہب کی باندی ثویبہ کے حوالے کر دیا، کچھ دنوں بعد قبیلہ بنوسعد کی دودھ پلانے والیاں بچوں کو لینے آئیں اور آ کر قریش سے بچے لینے شروع کر دیئے، لیکن حضرت آمینہ کے گھر سے بچہ ''یتیم ہے'' سن کر واپس ہو جاتی، پھر حلیمہ کی تقدیر جا گی اور انہوں نے آپ ﷺ کو لے لیا اور چلی گئی،

بڑی مایوس تھی دائی حلیمہ جب گئی مکہ ۔ مگر آئی تو لے کر دو جہاں کا تاجدار آئی

حلیمہ دو جہاں قربان ہوں تیرے مقدر پر ۔ تیرے غربت کدہ میں رحمت پروردگار آئی

شق صدر: جب آپ ﷺ کی عمر چار سال سے متجاوز ہوئی تو ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سے اجازت لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بکریاں چرانے گئے، سب بچے کھیل کود میں مشغول ہو گئے، آپ ایک طرف بیٹھ کر بکریوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے، جب دوپہر کا وقت ہوا، تو دو فرشتے آئے، آپ کو لٹایا اور سینۂ مبارک چاک کیا اور قلب مبارک سے گوشت کے ٹکڑے یا لوتھڑے کے مانند سیاہ چیز نکال کر پھینک دی، پھر قلب کو اچھی

طرح دھو کر اور صاف کر کے اپنی جگہ واپس رکھ دیا اور سینۂ مبارک کو اپنی پہلی حالت پر کر دیا اور واپس چلے گئے، دوسرے بچے یہ منظر دیکھ کر ڈر گئے، اور حلیمہ سعدیہ کو اس کی خبر دی، جیسے ہی یہ بات حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے سنی، سرا سیمگی کی حالت میں حواس باختہ ہو کر جنگل کی جانب دوڑ بڑے اور دیکھا کہ آپ ﷺ ڈورے اور سہمے ہوئے کھڑے ہیں، حلیمہ سعدیہ کے شوہر نے دوڑ کر آپ ﷺ کو سینہ سے لگا لیا اور چمکار کر اصل بات پوچھی، آپ نے پورا واقعہ بتلا دیا۔ (ملخص از نبیٔ رحمت: ۱۳۵)

حضور پُرنور ﷺ کی برکت: ابو طالب اپنے بھائیوں میں غریب و مفلس تھے، ابو طالب اور ان کی اولاد جب کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو ان میں کبھی کسی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا، اس لئے کہ کھانا تھوڑا ہوتا تھا، مگر جب آپ ﷺ ابو طالب کے پاس آئے تو ان سب نے دیکھا کہ جس دن سب کے ساتھ آپ ﷺ کھاتا کھانے بیٹھتے تو ہر ایک کا پیٹ بھر جاتا، اسی لئے ابو طالب نے اپنے بیٹوں کو تاکید کر دی کہ جب کھاتا کھانے بیٹھو، تو اپنے بھائی محمد کو ضرور شریک کر لیا کرو۔ اور دوسری بہت سی باتیں دیکھ کر ابو طالب کی حضور ﷺ سے محبت اور زیادہ بڑھ گئی، وہ ہر وقت حضور ﷺ کا خیال رکھتے تھے، ہر وقت آپ ﷺ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، ابو طالب کے پاس رہتے ہوئے چار سال سے زیادہ گزر گئے، اب آپ ﷺ کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی، آپ ﷺ ایک خوب صورت اور وجیہہ نوجوان معلوم ہوتے تھے، اس تھوڑی سی عمر میں آپ ﷺ ایسی باتیں بولتے تھے اور آپ ﷺ سے ایسے فعل صادر ہوتے تھے کہ ہر ایک عزّت کرنے پر مجبور ہو جائے، آپ ﷺ کی گفتگو، آپ ﷺ کی چال ڈھال اور آپ ﷺ کے طور وطریق ایسے تھے جیسے بڑی عمر والوں کے ہوتے ہیں، جب کہیں بچے کھیلتے تو آپ ﷺ ان سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جاتے اور اکثر خاموش رہتے تھے اور تنہائی میں بیٹھنے کو زیادہ پسند کرتے تھے، ان تمام اوصاف نے ابو طالب کی محبت کو دو آتشہ کر دیا تھا، (ملخص از نبیٔ رحمت)

آسمانی تربیت: رسول اللہ ﷺ کی نشو نما خاص، محفوظ و معصوم طریقے پر ہوئی اور جاہلیت کی نجاستوں اور بری عادتوں سے اللہ نے آپ ﷺ کو ہمیشہ دور رکھا، آپ ﷺ اپنی قوم میں شروع ہی سے سب سے زیادہ ستودہ صفات، عالی صفات، حسن اخلاق سے آراستہ، حیادار، راست گفتار اور امانت دار تھے، بدکلامیوں اور فحش بیانیوں سے بہت دور سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ قوم آپ ﷺ کو ''امین'' کے نام سے یاد کرنے لگی، آپ ﷺ خیر و تقوی کے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے تھے، محنت کر کے روزی حاصل کرتے اور معمولی اور ضرورت بھر غذا پر اکتفا فرماتے تھے۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد آپ ﷺ کی زندگی میں: آپ ﷺ نے اوصاف حمیدہ سے متصف ہو کر انتہائی نیک نامی کے ساتھ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا، آپ ﷺ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح ہوا، حضرت خدیجہؓ قریش کی بہت با اثر اور بارسوخ خاتون تھیں اور فہم و فراست، اخلاق کریمانہ اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی نامور تھیں، ان کے شوہر ابو ہالہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔

حضرت خدیجہؓ کا کاروبار تھا، روپیہ ان کا ہوتا تھا اور دوسرے لوگ محنت کرتے تھے، اور اپنی محنت کا معاوضہ پاتے تھے، حضرت خدیجہؓ کو بھی آپ ﷺ کی راست گفتاری، حسن اخلاق اور جذبۂ خیر خواہی کا علم آپ کے سفر شام سے بخوبی ہو چکا تھا، چنانچہ انہوں نے آپ سے رشتہ کی خواہش کی؛ حالانکہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی شادی کا پیغام آپؓ کو وصول ہوا تھا لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے ہی نکاح کیا، ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور آپ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہو گیا اور آپ ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم کے سوا (جن کا انتقال بچپن میں ہو گیا) آپ ﷺ کی ساری اولاد ان ہی سے ہوئیں۔ (ملخص از نبی رحمت: ۱۴۱/۱۴۲)

کعبہ کی تعمیرِ نو، بڑے فتنہ کاسدّ باب: جب آپ ﷺ کی عمر پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو کا ارادہ کیا اور اس پر چھت ڈالنے کی تجویز کی، کام جب شروع ہوا اور حجرِ اسود کی بلندی تک پہنچا، تو شدید اختلاف ہوا، ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو رکھنے کا شرف وہ حاصل کرے، اختلاف آگے بڑھا، یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آگئی، جنگ کی پوری تیاری بھی ہوگئی۔ لیکن آکر میں یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص صبح سب سے پہلے مسجدِ حرام کے دروازے سے داخل ہوگا، وہ اس بات کا فیصلہ کرے گا، سب اس پر متفق ہوگئے، چناں چہ سب سے پہلے حضرت نبیٔ اکرم ﷺ داخل ہوئے، سب نے آپ ﷺ کو پہلے سے موجود دیکھ کر بیک آواز کہا: ''محمد امین ہیں؛ ہم سب ان پر متفق ہیں'' چنانچہ آپ ﷺ نے چادر منگوائی حجرِ اسود اٹھا کر اپنے دستِ مبارک سے اس میں رکھا اور کہا کہ ہر قبیلہ کا سردار ایک ایک کونہ پکڑے، سب نے ایسا ہی کیا، جب وہ جگہ قریب ہوگئی جہاں اس کو نصب کرنا تھا، آپ ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر رکھ دیا، اس کے بعد باقی عمارت تعمیر ہوئی، اس طرح آپ ﷺ نے قریش کو بڑے کشت وخون سے بچالیا اور حکمت سے کام لے کر بڑے فتنہ کا سدّ باب کر دیا۔

(ملخص از نبیٔ رحمت: ۱۴۲؍۱۴۳؍۱۴۴)

واقعۂ حلف الفضول: آپ ﷺ حلف الفضول میں شریک رہے جو عربوں کا سب سے شریفانہ اور کریمانہ معاہدہ تھا، اس کا قصہ کچھ اس طرح ہے کہ: زبید کا ایک شخص مکہ میں سامانِ تجارت لے کر آیا، تو قریش کے سردار عاص بن وائل نے وہ سب مال خرید لیا اور اس کا ثمن ادا نہیں کیا، زبیدی نے سردارانِ قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت اور وجاہت کی وجہ سے انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اب زبیدی نے اہلِ مکہ سے فریاد کی اور ہر باحوصلہ، صاحب

ہمت اور حق وانصاف کے حامی شخص سے شکایت کی، آخر کار ان میں غیرت نے جوش مارا، اور یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، انہوں نے ان سب کی دعوت وضیافت کی، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلہ میں اور مظلوم کی حمایت ہی میں ایک ساتھ رہیں گے، اور کام کریں گے، جب تک مظلوم کو ظالم سے اپنا حق نہ مل جائے، قریش نے اس معاہدہ کا نام ''حلف الفضول'' رکھا اور کہنے لگے، کہ انہوں نے ایک فالتو کام میں، جو ان کے فرائض میں نہ تھا دخل اندازی کی ہے، پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان واسباب ان سے زبردستی لے کر اس کو واپس کر دیا۔

رسول اکرم ﷺ، اس معاہدہ پر بہت خوش تھے، چونکہ اس میں حمایت اور دوسرے کی مدد تھی جو کہ آپ ﷺ کو بہت پسند تھی اور آپ ﷺ کی طبیعت میں داخل تھی۔

(ملخص از نبی رحمت: ۱۴۴/۱۴۵)

مبہم بے چینی: نبوت سے قبل اکثر آپ ﷺ کھوئے رہتے تھے، ایک مبہم سی بے چینی محسوس کرتے تھے، جس کا سبب اور سرچشمہ معلوم نہ تھا، اس کے مستقبل اور مآل کار سے بے خبر تھے، تاہم اس بے چینی کی وجہ سے آپ ﷺ گوشۂ تنہائی اختیار کرتے تھے، اکثر ستو لے کر غار حرا چلے جاتے اور وہیں ذات باری تعالیٰ میں غور وفکر کرتے رہتے تھے، اس غور فکر میں کبھی آپ ﷺ کو یہ خیال نہیں آتا کہ وحی سے سرفراز کئے جائیں گے اور نبوت کے مقام پر فائز ہوں گے، چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالی نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

''وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِيْ بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَمَا كُنتَ تَرْجُوْ أَنْ يُّلْقٰى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيْراً لِّلْكَافِرِيْن''

نبوت سے قبل ایّام طفولیت سے لے کر جوانی تک آپ ﷺ ہمیشہ نیک کاموں میں مشغول رہتے، جوانی کے ایّام جو بگڑنے کے ہوتے ہیں، خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، ان ایّام میں بھی آپ ﷺ کی صحبت نیک لوگوں کے ساتھ ہوتی تھی، پورے چالیس سالہ دور میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جس پر معترضین کو انگلی رکھنے کی گنجائش ہو۔

مقالہ نگار: فیض الرحمٰن یعقوب وانکانیری
متعلم: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

مقالہ نمبر: ۳۷
فرع ثالث میں تیسرا انعام یافتہ مقالہ

تاریخ کی طویل ومستند کتابوں کی ورق گردانی کر کے تصوّر کی نگاہوں سے جب عہدِ ماقبل نبوت کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو کیا مغرب کیا مشرق؟ کیا عرب کیا عجم؟ کیا روم کیا فارس؟ کیا یہود کیا نصاری؟ کیا یونان کیا ہندوستان؟ سب کے سب ایک ہی کشتی کے سوار، خدا بیزار، ہوا پرستار، جہالت کے شکار، ظلم کے شہہ سوار، شیطان کے اطاعت گذار اور حیوانوں کے ہم پلّہ بلکہ ضلالت میں ان سے بھی پختہ کار نظر آتے ہیں، پیاسی زمین موسلا دھار بارش کی طالب تھی مگر پھوار بھی میسّر نہ تھی، ظلمت شب ماہ تمام کی خواہاں تھی مگر روشنی کی ادنی کرن بھی مفقود تھی، جہالت کو علم کی تلاش تھی مگر علم کے نام پر عرصۂ دراز سے بندش تھی، مرض کو علاج کی ضرورت تھی مگر معالج خود مرضِ لا دوا کا شکار تھا، اللہ کی زمین اللہ والوں کو اپنی آغوش میں لینے کو ترس رہی تھی مگر اس کا سینہ کفر وشرک کے سرغنوں سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا، اندھیرا نور کا متقاضی تھا، یاس آس میں بدلنے کو مشتاق تھی، ظلم عدل کا جویا تھا، اضطراب امن کو دُھائی دیتا تھا اور تلاطم سکون کی بلائیں لیتا تھا مگر امن وسکون ربع مسکون سے روٹھ کر سرّ مکنون بن گیا تھا۔ نہ کوئی یار تھا، نہ غم گسار، نہ کوئی چارہ تھا، نہ چارہ ساز، نہ کوئی آسرا تھا، نہ آسرا نواز، جائے تو جائے کہاں؟ ہاتھ پَسارے تو کس کے آگے؟ امید لگائے تو کس سے؟

کیا اس مغرب سے جو خود قرون مظلمۃ میں زندگی بسر کر رہا تھا اور جس کے پاس

آپ کی آمد سے صدیوں پہلے اور صدیوں بعد تک زندگی گذارنے کا کوئی مستقل نظام ہی نہیں تھا؟ یا اس مشرق سے جس کے بادشاہ خود اپنی بیٹی کو بحیثیت بیوی اپنے حرم میں داخل کر دیتے تھے اور اپنی ہی ہمشیرہ سے ازدواجی تعلق قائم کرنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے؟ کیا ان یہود ونصاریٰ سے جنہوں نے صاف وشفاف دین کی شبیہ بگاڑ کر پہچان دشوار کر دی تھی اور جو احبار ورہبان کو رب کا درجہ دے کر رب کی شان میں گھناونی گستاخی کرتے تھے، یا ان مجوسیوں سے جنہوں نے عناصر اربعہ کی عبادت کرتے کرتے آتش وسورج کو مخصوص دیوتا کے درجے پر فائز کر دیا تھا؟ کیا اس ہندوستان سے جو انسانوں کو ذات پات میں تقسیم کر کے عبادت گاہوں کو عیاشی کا اڈّہ بنا کر کارہائے بدکو مذہب کا تقدس اور عبادت کا درجہ عطا کرتے تھے اور جن کی خداسازی کا عمل ۳۳ کروڑ خدا بنا لینے کے بعد بھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا، یا ان عربوں سے جن کا ہر گھر صنم خانہ تھا؟ جن کی شراب کی محفل جمے تو شام کی صبح ہو جاتی تھی، جوئے کی بازی لگے تو عورتیں حوالے کر دی جاتی تھی؟ اور جنگ کا سلسلہ چلے تو صدیوں کی چھٹی ہو جاتی تھی؟ کیا ان لوگوں سے جو مال ودولت اور عورت کو مشترکہ ملکیت کا درجہ دے کر بلا قید ولحاظ جملہ انسانوں کے لئے جائز قرار دیتے تھے، یا ان سے جن کا مذہب فلسفۂ لذّتیت اور آخری درجہ کی رہبانیت کے درمیان، ہچکولے کھاتا رہتا تھا؟ کیا ان بادشاہوں سے جو آسمانی خداؤں کی نسل سے تسلیم کئے جاتے رہے اور جن کے ناموں کے ساتھ خداؤں میں انسانِ لافانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی لکھا جاتا تھا، یا ان سلاطین سے جن کے ٹیکسوں کی مار رعایا کی کمر دوہری کر دیتی تھی اور جو ان سے تعظیم کا نہیں عبادت کا سجدہ کرواتے تھے؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں! خفتہ را خفتہ کے کند

بیدار؟ راہ گم گشتہ منزل مقصود کا پتہ کیسے دے سکتا ہے؟ اندھیرا اندھیرے کو کیسے دور کرسکتا ہے؟ شب دیجور کی ظلمت تو آفتاب عالم تاب سے دور ہوتی ہے، مردہ زمین کو تو باران رحمت ہی زندہ کرتی ہے، ضلالت کا علاج تو ہادئ برحق ہی کے پاس ہوتا ہے اور ہلاکتی کے غار سے نکال کر نجات کی راہ پر لگانے کا کام صرف اور صرف اللہ کا فرستادہ نبی اور رسول ہی کرسکتا ہے۔

جس طرح مادّی دنیا میں رات کی تاریکی مکمل ہونے پر شمس منیر روشنی کی چادر سے دنیا کو منوّر کرتا ہے اسی طرح روحانی دنیا کی تاریکی سراج منیر بن کر آنے والا رسول؛ ایمان کی روشنی سے دور کرتا ہے، چشم ارض وفلک اور عالم جنّ وملک نے وجہِ تخلیق کائنات کی تشریف آوری کی ساعت سے زیادہ مبارک ساعت نہ پہلے کبھی دیکھی نہ بعد میں کبھی دیکھ سکتی ہے، آپ کی مبارک آمد نے دنیا کا نقشہ بدل دیا، عالم کی کایا پلٹ دی اور زمانے کا رخ موڑ کر صالح انقلاب بپا کردیا، اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ دنیا بے نور تھی مجسّم نور آ گیا، لوگ گمراہ تھے سراپا ہادی آ گیا، جہالت کا ڈیرا تھا معلّم اخلاق آ گیا، عالم ہلاکتی کے دَھانے کھڑا تھا نجات دہندہ آ گیا، شرک وکفر کا دور دورہ تھا، توحید کا علم بردار آ گیا، انسانیت رسوا تھی، معمار انسانیت آ گیا، عورت زندگی سے محروم تھی، حقِ حیات دینے والا آ گیا۔ ملوک مسجودِ عباد تھے، اصلی سجدہ گاہ بتانے والا آ گیا، کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے، امن عالم کا پیغام بر آ گیا، یعنی ملک عرب کے مشہور اور مقدس ترین شہر، مکہ مکرمہ میں جو اس وقت کی مہذب اور متمدن دنیا کا چوراہا اور جغرافیائی اعتبار سے ناف دنیا ہے۔ سن عیسوی ۵۷۰ء میں ایک روز صبح صادق کے وقت قوم کے شریف ترین گھرانے میں ہدایت کا آفتاب، نبوت کا ماہتاب اور ایک جیتا

جاگتا چاند عالم ظہور میں آ گیا۔ جس کی نورانیت سے کہنے والے کہتے ہیں کہ دولت کدہ کے درودیوار جگ مگ کرنے لگے، ارے ایک چھوٹے سے گھر کی کیا بساط! اس بدر کامل کی نورانیت تو اس قوت کی تھی کہ مشرق ومغرب کے سرے اور شمال وجنوب کے خطّے اس سے جگمگانے والے تھے۔

زمان ومکان کے لحاظ سے ایسی باسعادت ولادت اورکونسی ہوگی؟ والد ماجد کا نام عبداللہ، توحیداور عبودیت کی طرف واضح اشارہ، والدہ ماجدہ بی بی آمنہ، امن وامان کے حق میں ایک مستقل فالِ نیک، آنکھ یتیمی میں کھولی، والدنورعین کے دیدار جمال سے قبل ہی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے اور والدہ کے لاڈ پیار سے بھی زیادہ دیر مستفید نہ ہو سکے، دنیا تو اس کو یتیم کہتی ہے جس کا صرف باپ نہ ہو، یہاں تو ماں اور باپ دونوں جانب سے یتیم، جس کو سارے عالم کا سہارا بنایا جانے والا تھا، حق تھا قدرت اس کو بغیر ظاہری سہارے کے وجود میں لائے اور اس کے سہارے میں روز ازل سے بجز ذات حق کے اورکوئی ساجھی نہ بنے، دادا نے نام نامی محمد رکھا، جس کے لفظی معنی، بہت حمد کئے گئے کے، ذات ستودہ صفات کے لئے یقیناً اسم بامسمّٰی، دوسرا نام احمد رکھا گیا، کیونکہ زندگی حمد میں کٹنے والی تھی اور اٹھنا بھی مقام حمد میں تھا اس کے لئے اس سے بہتر نام اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ ایسے ماحول میں جو بُرائی میں اپنی مثال آپ تھا پلے، بڑھے، چلے پھرے، ملے جلے، مگر بچپن یوں گذرا کہ خود معصومیت اس بچپن پر فخر کرنے لگی، جوان ہوئے تو نیکی اور پارسائی، طاعت حق اور خدمت خلق بلائیں لینے لگیں، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا تھا مگر پاک دامنی اس پر وارے جاتی تھی، گھر گھر بے حیائی کے چرچے تھے لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان

ہوہو جاتی تھی، مئے ناب کے ساغر ہر طرف چھلک رہے تھے، پیمانے چاروں طرف گردش میں تھے لیکن اس کے دامن تقوی پر فرشتے نماز پڑھنے کے آرزومند تھے، لوگ لڑ رہے تھے یہ صلح کرا رہا تھا، قوم چھیننے میں مصروف تھی یہ بانٹنے میں، دنیا تحصیل اور فراہمی میں لگی ہوئی تھی یہ عطا و بخشش میں، عالمِ مخلوق، مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی ایک اسی کے دل میں خالق کی لَو لگی ہوئی تھی۔ اسی ماحول اور سِن وسال میں محلّہ اور بستی والوں نے کنبہ اور قبیلہ والوں نے لقب دیا تو کیا دیا؟ امین اور صادق کا، امین وصادق کے معنی کی وسعت لقب دینے والی قوم کی حالت کے پس منظر میں سمجھو، گویا وہ کہہ رہے تھے کہ محمد دیانت دار بھی ہیں اور راست باز بھی، نظر نیچی رکھنے والے بھی ہیں اور خدمت کرنے والے بھی، کتنے ہیں جن کے نصیب کو ہر وقت دیکھنے والوں کی زبان سے ایسی شہادت میسّر ہو؟

حلیمہ کے گھر گئے تو برکات اور شق صدر کے ذریعہ نبوت کا اعلان، ماں آمنہ کے ساتھ مدینہ پہونچے تو یہودیوں کا نئے ستارے کے طلوع کو دیکھکر نبوت کا اعلان، ابو طالب کے ساتھ بُصری میں بَحیرہ کے پاس پہونچے تو بادل کے سایے سے نبوت کا اعلان، شام میں نسطورہ راہب کے پاس پہونچے تو درخت کی شہادت سے نبوت کا اعلان، ورقہ سے ملاقات ہوئی تو ناموس اکبر کے نزول سے نبوت کا اعلان اور طائف سے واپسی پر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں عدّاس کا قبول اسلام اور نبوت کا اعلان، چالیس سال میں ایک دو بار نہیں بار بار اور ایک دو جگہ نہیں مکہ اور اطراف کے ہر ہر دیار، ایک ہی منادی ایک ہی پکار، کہ یہی ہیں نبیِ آخر الزماں جن کی ذات سے ہُویدا ہیں نبی کے انوار، لڑکپن بھر گلّہ بانی کی، جس کے نصیب میں آگے چل کر قوموں اور امتوں کا گلّہ

بان ہونا تھا اس کے لئے کتنی اچھی تعلیم؟ جوان ہوئے تو تجارت کی، جس کا کام آگے چل کر جنّت کے تمسّکات ہلکے پھلکے داموں پر خرید وانا تھا اس کے لئے کتنا موزوں و پُر معنی پیشہ، کاروبار کی دیانت کو دیکھ کر ایک دولت مند بیوہ نے شادی کی درخواست از خود کی، خانگی زندگی شروع ہوئی، صاحب اولاد بھی ہوئے مگر فکر ایک ہی دامن گیر، دھن ایک ہی سوار کہ کیسے ہو قوم کی اصلاح وسدھار؟ حکیم ودانا ایسا کہ قوم کی میان سے نکلی ہوئی تلواروں کو چٹکی بجاتے میان میں کردے اور اکیلا نہیں، قوم کو بھی حجر اسود کو اصلی جگہ گاڑنے کے شرف میں شریک کرے، صلح جو ایسا کہ حلف الفضول کو اپنے خاندان سے تقویت پہونچائے، قوم کے لئے بے چین ایسا کہ حُنفاءِ مکہ سے بار بار ملے اور امت کی اصلاح میں ایسا مضطرب و متفکر کہ خود رب وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے اس کیفیت کا نقشہ کھینچے، تلاش حق میں ایسا سرگرداں کہ جلوت کو چھوڑ کر خلوت کا سہارا لے، اور دنوں نہیں مہینوں تحنّث کرے اور بالآخر فقط قوم کے لئے نہیں، عالم کے لئے نسخہ کیمیا لے آئے۔

اتر کر حرا سے سُوء قوم آیا ۔ اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا ۔ کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا ۔ پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

مقالہ نگار: سرفراز بن سراج اکھروی
متعلم : دارالعلوم سعادت دارین، ستپون
مقالہ نمبر : ۳۸

سیرت طیبہ قبل بعثت کے تناظر میں!

عرب ملک: اللہ رب العالمین کے اس عالمگیر پیغام کو، جسے اسلام کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے آخری عالمگیر نبی، محمد عربی ﷺ لے کر آئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کا فیصلہ ہوا کہ انسانیت کی ہدایت ونجات کا یہ آفتاب، جس سے ساری کائنات میں روشنی پھیلی، جزیرۃ العرب کے افق سے طلوع ہو۔

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ اسلام کے لئے عربوں کا انتخاب کیوں کیا، اوران کو ساری دنیا میں اس کی تبلیغ واشاعت کا ذمہ دار کیوں بنایا؟ اس کے جواب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے کی عرب اقوام اوران کی ثقافتی، مذہبی، سیاسی اوراخلاقی نشو ونما کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان حالات کا خاکہ پیش کیا جائے، جن میں رسول ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی حالت: عرب جغرافیائی اعتبار سے جزیرہ نُما ہے، جس کے تین طرف پانی ہے اور ایک سمت خشکی ہے، ملک کا بڑا حصہ ریگستان اور صحرا پر مشتمل ہے، ملک بھر میں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے محلِ وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا جدا جدا ہے، مگر عموماً گرم خشک ہے۔

مذہبی حالت: نبیء عربی ﷺ کی پیدائش سے پہلے عرب والوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی، جب کہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم دین ابراہیمی پر ہیں، مگر سچ یہ ہے کہ انہیں حضرت

ابراہیمؑ کے دین سے کچھ سروکار نہ تھا، اکثر قبیلے بڑے پکے بت پرست تھے، حتی کہ خدا کے پاک گھر کعبہ میں (جسے ابرہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے نئے سرے سے بنایا تھا) ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔

سیاسی واخلاقی حالات: جزیرۃ العرب کے سرحدی علاقے والوں کی سیاسی حالت سخت اضطراب اور انتہائی زوال وانحطاط کا شکار تھی، حکومتیں اُسے لذتوں، شہوتوں اور ظلم و جور کے لئے استعمال کرتی تھیں، ہر طرف قبائلی جھگڑے، نسبی فسادات اور مذہبی اختلافات کی گرم بازاری تھی، جوا کھیلنے کا عام رواج تھا، شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے، اورلڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا بھی دستور تھا، (البتہ حجاز کی حکومت کو قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اوراس کو مرکز دین کا قائد اور پاسباں بھی تصور کیا جاتا تھا؛ یہ حکومت ایک طرح کی دنیوی قیادت اور دینی پیشوائی کا معجون مرکب تھی) حالی مرحوم نے جس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

عرب کچھ نہ تھا، ایک جزیرہ نما تھا ۔ کہ پیوند ملکوں سے، جس کا جدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پر، چڑھ کر گیا تھا ۔ نہ اس پر کوئی، غیر فرماں روا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا، نہ سایا ۔ ترقی کا تھا، واں قدم تک نہ آیا
نہ آب وہوا ایسی تھی روح پرور ۔ کہ قابل ہی خود، جس سے پیدا ہو جوہر
نہ کچھ ایسے سامان تھے، واں میسر ۔ کنوَل جس سے کھل جائیں، دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا، نہ پانی ۔ فقط آب باراں پہ تھی زندگانی
زمیں سنگلاخ، اورہوا آتش افشاں ۔ لھوٗوں کے لپٹ، بادصرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے، سراب اور بیاباں ۔ کھجوروں کے جھنڈ، اور خار مُغیلاں
نہ کھیتوں میں غلہ، نہ جنگل میں کھیتی ۔ عرب اور کل کائنات، اس کی یہ تھی

رسالت کے لئے خطۂ عرب کا انتخاب: جزیرۃ العرب کا شہر مکہ جغرافیائی اور مذہبی اعتبار سے ''مرکزی حیثیت'' رکھتا ہے، جہاں سے پوری دنیا سے رابطہ بنتا ہے اور خانۂ کعبہ اللہ تعالیٰ کے نام سے تعمیر کیا گیا دنیا کا پہلا گھر ہے ''إِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِی بِبَكَّةَ'' جس کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ نے اس لئے تعمیر کیا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور یہ جگہ ہمیشہ کے لئے توحید کی دعوت کا مرکز بنے، گویا کہ پیغمبر عالم ﷺ کی بعثت کے لئے ہر اعتبار سے دنیا کا مرکزی مقام منتخب کیا گیا۔

نیز ان عربوں کے دل و دماغ کی سادہ تختیاں، صرف ان ہلکی پھلکی تحریروں سے آشنا تھیں، جن کو ان کی جہالت و ناخواندگی اور بدوی زندگی نے ان میں ثبت کر دیا تھا، جبکہ دیگر اقوام عالم کو اپنے علوم وفنون کی ترقی اور اپنی تہذیب وتمدن اور فلسفہ پر بڑا ناز وغرور تھا، جس کا علاج اور تدارک بے حد دشوار تھا، پھر یہ عرب فطرۃً حقیقت پسند، صاف گو، سچی اور پکی بات کے عادی، پختہ ارادہ اور مضبوط آہنی حوصلہ کے مالک تھے، یہ عربی نفسیات اور ذہن، صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے وقت ان الفاظ میں جھلکتا ہے۔ ''هٰذا ماقَاضىٰ عليه محمدٌ رسولُ الله ـ وَاللهِ لو كُنَّا نَعلَمُ اَنَّكَ رَسولُ الله ماصَدَدْناك عن البيت ولَاقاتَلْناك'' . اسی طرح کا ایک واضح نمونہ بیعت عَقَبۂ ثانیہ میں بھی نظر آتا ہے۔

الغرض ان سب وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب اور مکہ مکرّمہ کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت، وحیٔ آسمانی کے نزول اور دنیا میں اسلام کی اشاعت کے عالمگیر مرکز اور نقطۂ آغاز کے طور پر منتخب فرمایا۔ اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ

اہل عرب کے طبقات اور قسمیں: علماء تاریخ نے عرب کے رہنے والوں کو جو حضرت نوحؑ کے بیٹے، سام کی اولاد ہیں، تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے، (۱) عرب بائدہ

(۲) عرب عاربہ (۳) عرب مُستعربہ ۔

۱۔عرب بائدہ: یہ عرب کے وہ پُرانے باشندے ہیں، جن کا اب نام ونشان نہیں رہا اور ان کے متعلق ضروری تفصیلات بھی دستیاب نہیں، ان میں عاد، ثمود، عَمالقہ، جَدِیس اور طَسم وغیرہ شامل ہیں؛ ان میں سے اکثر خدا کے عذاب کا شکار ہوکر ہلاک ہوئے۔

۲۔عرب عاربہ: یہ یمن اور اس کے قرب وجوار کے باشندے ہیں، جو یَعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہونے کی وجہ سے قحطانی عرب کہے جاتے ہیں۔ بنو جُرہُم اور بنو یَعرب انہی کی شاخیں ہیں۔

۳۔عرب مُستَعرِبہ: یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں، اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد و نسل میں سے ہیں، ان میں بہت سے قبیلے ہیں، جن میں ''ربیعہ'' اور ''مضر'' مشہور ہیں۔ ''مضر'' ہی کی ایک شاخ ''قریش'' بھی ہے، جن سے نبی عربیﷺ کا تعلق ہے۔

قبیلۂ قریش: اسماعیلؑ کی اولاد میں بہت برکت ہوئی یہاں تک کہ انہیں میں عدنان پیدا ہوئے، جن کا سلسلۂ نسب انسابِ عرب میں سب سے زیادہ روشن اور ممتاز ہے، عدنان بھی کثیر الاولاد ہوئے، اور ان کی اولاد مین فہر بن مالک نے خاندان کا نام ایسا روشن کیا کہ ان کی اولاد کا نام ''قریش'' پڑ گیا اور یہ نام ان کے سارے ناموں پر اس طرح غالب آ گیا کہ یہ قبیلہ قریش کہلانے لگا، جن کی اعلیٰ صلاحیتوں کے بناء پر کعبہ کے متولی یہی قریش تھے، اور مکہ معظّمہ کی اہم ذمہ داریاں بھی ان میں تقسیم تھیں، قبیلۂ قریش کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں۔ ہاشم، امیہ، مخزوم، جمح، سہم، تیم، عدی، اسد، نوفل، زہرہ۔

طلوعِ سحر: جس طرح آفتاب سے پہلے صبح صادق کی عالمگیر روشنی اور سرخ شفق دنیا کو طلوع آفتاب کی بشارت دیتے ہیں، اسی طرح جب آفتاب نبوت کا طلوع قریب ہوا،

تو اطراف عالم میں بہت سے ایسے واقعات ظاہر کئے گئے، جو آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دیتے تھے، جس کو محدثین و مؤرخین کی اصطلاح میں ''ارھاصات'' کہا جاتا ہے۔

جب آپ ﷺ والدہ ماجدہ کے بطن میں بصورت حمل مستقر ہوئے ،تو انھیں خواب میں بشارت دی گئی کہ'' وہ بچہ جو تمہارے حمل (پیٹ) میں ہے، امت کا سردار ہے، اور پیدا ہونے کے بعد دعا کرنا کہ میں ان کو ایک خدا کی پناہ میں دیتی ہوں، اور ان کا نام محمد ﷺ رکھنا''۔ فرماتی ہیں حمل کے زمانہ میں ایک نور دیکھا جس سے بُصریٰ علاقۂ شام کے محلات ان کے سامنے آ گئے۔

اسی طرح واقعہ اصحابِ فیل بھی (جن کو ربِّ کعبہ نے ابابیل یعنی چند حقیر پرندوں کے ذریعہ سے شکست دی)، آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کی برکات کا مقدمہ تھا، ادھر آفتابِ نبوّت کا ظہور ہوتا ہے اور اِدھر کسریٰ کے محل میں زلزلہ آتا ہے، جس سے اس کے چودہ کُنگُورے گر جاتے ہیں، ملکِ فارس کا دریا دفعۃً خشک ہو جاتا ہے، اور اس کے آتش کدے کی آگ جو ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی، خود بخود سرد ہو جاتی ہے، یہ درحقیقت ہر گمراہی کے خاتمہ کا اعلان اور فارس و روم کی سلطنت کے زوال کی طرف اشارہ تھا۔

ولادت باسعادت: بالآخر دعائے خلیل اور نوید مسیحا کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا کہ واقعہ فیل کے کچھ ہی عرصہ بعد اسی سال ۱۲؍ربیع الاوّل ''سنہ فیل'' مطابق ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء دوشنبہ کے دن مکّہ کے مقدّس شہر، اور قریش کے معزز خاندان میں آپ ﷺ یتیمی کے عالم میں پیدا ہوئے۔

نسب شریف: نسب شریف عبداللہ سے عدنان تک اکیس پشتوں کا باجماع امت ثابت ہے، عدنان کے بعد آدم علیہ السلام تک اختلاف ہے، اور والدہ کا نسب کلاب بن مرہ میں

جا کرمل جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا نسبِ مطہر تمام دنیا سے زیادہ شریف و پاک ہے، اس کا اقرار تمام کفّارِ مکہ اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی تھا۔ ابوسفیانؓ نے بحالتِ کفر شاہِ روم کے سامنے اس کا اقرار کیا، حالانکہ وہ اس وقت چاہتے تھے کہ اگر کوئی گنجائش ملے تو آپ پر عیب لگائے۔ دلائل ابونعیم میں مرفوع روایت ہے، کہ جبرئیلؑ فرماتے ہیں کہ ''میں دنیا کے مشرق و مغرب میں پھرا، مگر بنی ہاشم سے افضل کوئی خاندان نہیں دیکھا''۔

رضاعت و زمانۂ طفولیت: حضور ﷺ اپنی ولادت سے دو مہینے پہلے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ ولادت کے بعد سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ اور چند روز کے بعد ابولہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا، پھر عرب کے شرفاء کے دستور کے مطابق عبدالمطلب نے اپنے پیارے پوتے کو قبیلہ بنوسعد کی ایک بی بی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا، تاکہ دیہات کی صاف و تازہ ہوا میں ان کی صحت بھی اچھی رہے، اور اخلاق بھی درست رہیں، غرض کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ ﷺ کو چار سال تک اپنے گھر کی رونق بنائے رکھا۔ رضاعت کے دوران حضرت حلیمہؓ نے نبی ﷺ کی برکت کے ایسے ایسے مناظر دیکھے کہ سراپا حیرت رہ گئیں۔ (تفصیلات کتب حدیث و تاریخ میں مذکور ہیں) حلیمہؓ کا بیان ہے کہ جس وقت آپ ﷺ کا دودھ چھڑایا تو یہ کلمات آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے ''اللہ اکبر کبیرا۔ والحمد للہ حمدا کثیرا۔ وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا'' یہ آپ ﷺ کا سب سے پہلا کلام تھا۔

واقعۂ شقِ صدر: جب حضور ﷺ اپنی عمر کے چوتھے سال میں تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا؛ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے، یکا یک دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے آ کھڑے ہوئے، انہوں نے آپ ﷺ کو زمین پر لٹا دیا اور سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر

پھینک دی، پھر سینہ اسی طرح جوڑ دیا اور دونوں کاندھوں کے درمیان مُہر نبوت لگا کر غائب ہوگئے۔

یسیری کی حالت: یعنی والدہ محترمہ کے سایۂ عاطفت سے محرومی، جب آپ ﷺ کی عمر شریف چھ برس کی ہوئی تو والدہ محترمہ کے ساتھ مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے مقام ابوا میں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی، اب آپ ﷺ کی پرورش کی سعادت آپ ﷺ کی باندی ام ایمن کے حصہ میں آئی اور سرپرستی کا فخر آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل ہوا۔ آپ ﷺ اپنے ہونہار پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے ''میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے''۔

دادا کا انتقال اور چچا ابوطالب کی سرپرستی: جب آپ ﷺ کی عمر آٹھ برس دو مہینے دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب بھی دنیا سے رحلت فرما گئے، خدائے قدوس کو دکھلانا تھا کہ یہ یتیم ان سب اسباب سے بے نیاز ہے، وہ محض آغوش رحمت میں پرورش پانے والا ہے اور مسبِّب الاسباب اس کی تربیت کا خود کفیل ہو چکا ہے؛ دادا کے بعد آپ ﷺ کے حقیقی چچا آپ ﷺ کے ولی ہوئے۔ مولانا گیلانیؒ ''دعوی نبوت سے پہلے توحید کے تجرباتی دلائل'' کا حکیمانہ بصیرت کے ساتھ انوکھے انداز میں ذکر کرتے ہوئے'' چوتھی دلیل ابوطالب کی جزءِ معاشی'' کا عنوان قائم کرکے خاص اسلوب کے ساتھ رقم طراز ہیں۔ ''حقیقت جتنے بیّن اور شاندار چہرے کے ساتھ اب اس بے مادر و پدر لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی، نہ چمکتی، اگر کہیں بجائے بے مایہ و بے بضاعت عمِّ محترم ابوطالب کے، خدانخواستہ آپ کی نگرانی مکہ کے ساہوکار عبدالعزی المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی؛ لیکن شیر کے بچّے لومڑی کے بھٹّوں میں نہیں پالے جاتے، جس قطرہ کی قسمت میں موتی ہونا ہے، وہ گھنگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا۔

شام کا سفر: بارہ سال کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا، جب قافلہ شہر بصرہ پہنچا تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیریٰ نے آپ ﷺ کو دیکھا۔ بحیریٰ نے آپ ﷺ میں نبوت کی علامتیں پا کر آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپ ﷺ کو لیکر واپس لوٹ جائیں، کیوں کہ اُسے اندیشہ تھا کہیں یہودی آپ ﷺ کو قتل نہ کر دیں، چنانچہ ابو طالب آپ ﷺ کو بحفاظت مکہّ واپس لے آئے۔

جنگ فجار و حلف الفضول: آپ ﷺ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو عرب میں تمام قبیلوں کی ہولناک ہمہ گیر جنگ ''حرب فجار'' ہوئی، لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے قتل و غارت گری میں حصّہ نہ لیا، البتہ قبیلوں کے درمیان ''معاہدۂ حلف الفضول'' میں شرکت فرمائی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دوسرے چچا حضرت زبیرؓ کی تحریک پر قریش کے قبیلوں نے ایک معاہدہ کیا، کہ اگر مکہ میں کوئی مظلوم آئے، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر ہو، اس کی حمایت کریں گے، حضور پرنور ﷺ نے بھی اس معاہدہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

جفاکشی کی زندگی: اب اختصار کے ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کا وہ دور دیکھتے ہیں، جو آغاز شباب سے شروع ہوتا ہے، جس میں کھرے کھوٹے کی پرکھ اچھی طرح ہو جاتی ہے، آپ ﷺ جوان ہوئے تو اپنا آبائی پیشہ تجارت اختیار کیا، تجارت کا پیشہ کئی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے، تجارت انسان کی صداقت، امانت ، وفائے عہد اور حسن اخلاق کی کسوٹی ہے؛ نت نئے تجربے ہوتے ہیں۔ حسن تدبیر، اور عقل فہم کا اندازہ ہوتا ہے، قسم قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، اور حقیقت خوب کھل جاتی ہے کہ یہ انسان کیسا ہے؟

آپ ﷺ گلہ بانی کے علاوہ چھوٹی موٹی تجارت کرنے لگے، دوسروں کے سرمایہ سے شراکت کے انداز میں تجارتی سفر بھی کیئے، اسی دوران مکہ مکرمہ کی ایک معزز، رئیس خاتون حضرت خدیجہؓ کے مال سے شام کا تجارتی کامیاب سفر کیا، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ بھی تھے، اس سفر میں آپ ﷺ کی ملاقات پھر ایک نسطورا

نامی راہب سے ہوئی، بحیریٰ کی طرح نسطورا نے بھی آپ ﷺ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں اورآپ ﷺ کی رسالت کی پیشین گوئی کی۔قدرت کاملہ آپ کی معجزاتی شخصیت کا اظہار بار باراس لئے کرارہی تھی کہ نبوت سے پہلے کی زندگی کوبطور دلیل نبوت پیش کی جائے اورآپ ﷺ کی شخصیت کومرکزِ نگاہ بنایا جائے۔

قِران السّعدین۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح: تجارت میں حضور ﷺ کی شاندار کامیابی دیکھ کر،اورمیسرہ سے آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق وعادات کا تذکرہ سن کر،حضرت خدیجہؓ سرکار کی گرویدہ ہوگئیں، چالیس سالہ بیوہ خاتون، حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی جانب سے ان کی تحریک ودرخواست پرآپ ﷺ کا پہلا نکاح ہوا،اس وقت آپ ﷺ کی عمرمبارک ۲۵ سال تھی،حضرت خدیجہؓ آخری وقت تک حضور ﷺ کی وفاداراوراطاعت گزار بیوی رہیں،اورآپ ﷺ نے بھی جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہ کی۔

دیگرتجارتی اسفار: عمرمبارک کے چھبیس ویں سال سے چونتیس ویں سال کے درمیان مختلف مقامات،شام،بصریٰ،یمن، بحرین وغیرہ کے تجارتی سفراورخدمت خلق کے مختلف کاموں میں حصہ لیا،اورمکارم الاخلاق کی وجہ سے الصادق والامین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

کعبہ کی تعمیرنواورایک مدبرانہ فیصلہ: آقائے نامدار ﷺ کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانۂ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پرانی ہوگئی تھی، نئے سرے سے بنانے کا منصوبہ بنایااورتعمیری کام شروع ہوگیا،مگر جب حجراسودکونصب کرنے کا وقت آیا،تواس شرف کوحاصل کرنے کے لئے مرنے مارنے پرتل گئے،حالات کی نزاکت انتہا کوپہنچ گئی،ہرقبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخراس سے حاصل ہو،آخرکار یہ طے ہوا کہ کل جوشخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو،وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے،اللہ کی مشیت کہ دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے؛ آقائے نامدار ﷺ تھے،آپ ﷺ نے اتنا

فراست مندانہ فیصلہ فرمایا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا اور حجر اسود کو اٹھانے کا اعزاز سب کو مل گیا، جب سب نے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اس کو مل جُل کر اٹھایا اور وہ اپنی جگہ پہنچ گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اسے چادر میں سے اٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا، یوں آپ ﷺ کے اس دانشمندانہ فیصلہ سے ایک زبردست نزاع و اختلاف کا خاتمہ ہو گیا اور کعبہ کی تعمیر کا کام بحسن و بخوبی مکمل ہو گیا۔

غار حرا میں: چالیس برس کے قریب اس طرح پاک صاف اور اعلیٰ درجہ کی شریفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد یہ شخص اس تاریکی سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، گبھرا اٹھتا ہے، آخر وہ آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں جا جا کر تنہائی اور سکون کے عالم میں کئی کئی دن یاد الٰہی میں گزارنے لگتا ہے، فاقے کر کر کے اپنی روح اور اپنے دل و دماغ کو اور زیادہ پاک وصاف کرتا ہے، سوچتا ہے غور و فکر کرتا ہے، جس سے وہ اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی کو دور کر دے، ایسی طاقتور چیز حاصل کرنا چاہتا ہے، جس سے وہ اس بگڑی ہوئی دنیا کو پھر سے سنوار دے۔

یکا یک اس کی حالت میں ایک عظیم الشان تغیر رونما ہوتا ہے کہ جبل نور کی بلندیوں پر غار حرا میں جہاں تشریف فرما تھا؛ وہیں سے دنیا کا آخری پیغمبر ہدایت و رحمت کا پیغامِ کامل بارگاہ رب العزت سے سنتا ہے اور منصب نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

اے طلعتِ تو مظہرللاول والآخر ۔ اے رحمِ جہاں پرور آقائے کرم گستر
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے ۔ نورتوحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مقالہ نگار: عبدالعظیم بن محمود کرناٹکی
متعلم: جامعہ حقانیہ کٹھور
مقالہ نمبر : ۳۹

ألحمد لله وحده، والصلوة والسلام على من لا نبىّ بعده ! أما بعد قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاق، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ،اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا۔ صدق الله العظيم

عرب کچھ نہ تھا ایک جزیرہ نما تھا — کہ پیوند ملکوں سے جس کا جدا تھا
تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ — ترقی کا واں تھا قدم تک نہ آیا
شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی — جوا اس کی دن رات کی دل لگی تھی
نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی — عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

قابل صد تکریم علماء کرام! چھٹی صدی مسیحی میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلوان راستہ پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا، راستہ کا نشیب بڑھتا جا رہا تھا اور رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی، اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قافلہ اور آدمؑ کا پورا کنبہ سوار تھا۔ ہزاروں برس کی تہذیبیں اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں تھیں، گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے، کچھ لوگ کھانے پکانے میں مشغول تھے تو کچھ گانے بجانے میں مصروف مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غار کی طرف جا رہی ہے اور اب وہ کتنا قریب رہ گیا ہے؟ انسانیت خودکشی کے راستہ پر تیزی کے ساتھ گامزن تھی، انسان اپنے خالق و مالک کو بالکل بھول چکا تھا، اس کے اندر بھلائی و برائی، زشت و خوب میں تمیز کرنے کی صلاحیت بھی باقی نہیں تھی۔ بقول انگریزی

مصنف سر ولیم محمد، کے عنفوانِ شباب کے زمانہ میں جزیرہ نما عرب بالکل نا قابل تغیر تھا، شاید اس سے زیادہ ناامیدی کی حالت کسی اور زمانہ میں نہیں تھی۔

انسانیت کا جسم تر و تازہ تھا، مگر دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس و مردہ، نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں، ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ انسانیت محروم ہو چکی تھی، تو ہم پرستی اور بت پرستی کا تیز دھارا ہر سمت سے کعبہ کی جانب اُمڈ کر آ رہا تھا، بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جا رہی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں مل رہی تھی، حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، بے حیائی کی یہ حالت کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرؤ القیس جو شہزادہ بھی تھا اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ اپنے قصیدے میں بڑے مزہ لے لیکر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے، قمار بازی، شراب خوری، زنا کاری کا رواج عام تھا، زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی، کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی، البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس، اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا، پھر آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتا اچھا تھا، اصل مصیبت لونڈیاں ہی تھیں اور ایسا لگتا ہے کہ اہل جاہلیت کی غالب اکثریت، اس برائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کرتی تھی، چنانچہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص میرا بیٹا ہے، میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام میں

ایسے دعوی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زنا کار کے لئے پتھر ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر دینا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا، بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، ان کے کتے موج کرتے اور انسان دانہ دانہ کو ترستے تھے۔ غرض زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے بکریوں اور بھیڑوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رذالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آ چکے تھے؛ لیکن اس صورتِ حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی۔

ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ و وزیر، امیر و غریب اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہرِ انسانیت خریداروں کے حوصلہ سے بلند ہوا اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں ہے۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اگ آیا تھا۔ ہر طرف جھاڑیاں تھیں جن میں خوں خوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے یا دلدلیں تھیں جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کے خوف ناک جانور، ہر طرح کا شکاری پرندہ اور دلدل میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی

تھی؛ لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔

جو آدمی تھے وہ انگلی پر گنے جا سکتے تھے، جن کی حیثیت برسات کی اندھیری اور ٹھٹھری ہوئی رات میں جگنوؤں سے زیادہ نہ تھی، جو نہ کسی گُم گشتہ کو راہ دکھا سکتے ہیں، نہ کسی کو گرمی اور حرارت پہونچا سکتے ہیں۔ غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی.

دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی۔ پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا۔ معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ معاملہ پوری انسانیت کی موت اور زندگی کا تھا۔ سوال ایک خرابی کا نہ تھا بلکہ انسانیت کا بدن داغ داغ تھا اور دامن تار تار۔ اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہکر پیچھے ہٹ گئے۔ تیرے دل میں بہت کام رفو کا نکلا ۔ فلسفی اور حکیم، شاعر و ادیب کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا

سب اس وبا کے شکار تھے، انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا اور کنجی گم تھی، زندگی کی دور الجھ گئی تھی اور سرا نہ ملتا تھا، دنیا آگ کے خندق کے کنارے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ لب بام کھڑی تھی، دفعتہً انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم اور بدقسمت دنیا کی قسمت جاگی، بعثت محمدی ﷺ کا مبارک وقت قریب ہوا، انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی، نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ شاہِ ایران کے محل کے کنگرے گر گئے اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی، انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا، اس کی اس ساکن اور بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے

ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا۔

اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت و مردہ ہونے لگتے ہیں تو اس کی رحمت کا کوئی جاں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر بہار آجاتی ہے۔ آخر کار اس خالق کائنات نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی ایک پیغمبر بھیجا کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی ہوئی دنیا کو کوئی سنوار نہیں سکتا تھا۔ اس پیغمبر کا نام نامی محمد ابن عبد اللہ ہے۔ اللہ کے لاکھوں درود وسلام ہوان پر۔

زبان پہ بارِ خدایہ کس کا نام آیا کہ
میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

مقالہ نگار :ناصر انصاری بمبئی، مقالہ نمبر : ۴۰
متعلم: جامعہ زکریا جوگواڑ،نوساری۔

ألحمدلله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفىٰ،أمابعد:فقد قال الله تبارك وتعالىٰ فى كلامه المجيد و الفرقان الحميد

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔بسم الله الرحمٰن الرحيم ،واذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَاناً۔وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔(پ ٤ /سوره الٰ عمران آيت ١٠٣)

قال النبى ﷺ:اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً۔وَقَالَ:بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی ایک لگن دل میں سب کے لگادی ایک آواز میں سوئی بستی جگادی

خدائے عز وجل نے اس دنیا کو بنایا پھر اس میں انسانوں کو بسایا، پھر انسان کو بسانے اور پیدا کئے جانے کا کیا مقصد ہے؟ اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو بتلایا، طریقۂ بندگی سکھلایا، اس کے باوجود اگر کسی قوم پر تباہی آئی اگر کسی قوم کو زوال آیا تو یہ تباہی اور یہ بربادی دوقوتوں کے کھودینے اور اس کے ختم ہوجانے سے آتی ہے وہ یہ ہے کہ علم نکل کر اس میں جہالت آجائے اور پاکیزہ اخلاق نکل کر بداخلاقی پیدا ہوجائے، جب دو عنصر جہل اور ظلم کسی قوم میں آئیگا تو وہ قوم کبھی ترقی نہیں کرسکتی اور جب کسی قوم میں علم اور عدل آئیگا تو وہ قوم کبھی پست نہیں رہ سکتی،

نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی بعثت کی غرض وغایت یہ دو چیزیں ظاہر فرمائیں، آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقصد کو کس طرح پورا کیا اور کیسے قوم کو سدھارا ؟۔

لہٰذا اپنے ذھن کو چھٹی صدی مسیحی میں لے چلئے، جب انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلوان راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جارہا تھا، اس گاڑی پر آدمؑ کا سارا کنبہ سوار تھا، مگر تمام کے تمام میٹھی نیند سو رہے تھے، انسانیت کا جسم تروتازہ تھا مگر دل نڈھال اور آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں، ایمان ویقین کی دولت سے عرصہ ہوا دنیا محروم ہو چکی تھی، پوری دنیا بدامنی اور وحشت وبربریت کا شکار ہو چکی تھی،

عرب جو انبیاء کرامؑ کی قیام گاہ اور مرکز رہا ہے، جس میں خدا کا سب سے پہلا گھر تعمیر کیا گیا تھا، جس کو ام الممالک اور وسط الممالک کا رتبہ حاصل ہے جہاں کے رہنے والے اپنے آپ کو عربی (زبان داں) اور غیر عرب کو عجمی (گونگا) کہا کرتے تھے، اس میں لوگوں کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ ہر چیز کو جانتے تھے مگر ایک خدا کو نہ جانتے تھے، ہر چیز کی پرستش کرتے مگر خدا کی عبادت سے محروم تھے، بت پرستی اتنی پھیل چکی تھی کہ خانۂ کعبہ جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے ایک خدا کی عبادت کرنے کیلئے تیار کیا تھا، اس کے اردگرد مطاف میں تین سو ۳۶۰ ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، طواف کرتے جاتے اور تین سو ۳۶۰ ساٹھ بت کی پوجا کرتے جاتے تھے، دو بڑے بڑے بت تو خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اندر جاتے تو ان کی عبادت کرتے تھے، سب سے بڑا بت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیوں میں اسی کے نام پر لوگوں کو ورغلاتے اور ابھارتے تھے، عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحی تھا اس کا اصل نام ربیعۃ بن حارثۃ تھا، عرب کا مشہور قبیلہ بنی جرہم کعبہ کے متولّی تھے، عمرو نے لڑ کر قبیلہ جرہم کو نکال دیا اور خود کعبہ کا متولی بن گیا، وہ ایک مرتبہ ملک شام کے کسی شہر میں گیا وہاں کے لوگوں کو بت کی پوجا کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تم اس کی پوجا

کیوں کرتے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ حاجت روا ہیں ،لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں، یہ بات عمر وکو بہت پسند آئی تو اس نے چند بت ان سے حاصل کئے اور لا کر کعبہ کے آس پاس قائم کئے ،کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لئے تمام قبائل میں بت کا رواج عام ہو گیا۔

پھر بت پرستی اتنی عام ہوئی کہ ہر شخص کے گھر بت تھا، مکہ کی گلیوں میں آواز لگا کر بتوں کو بیچا جا تا تھا اور لوگ خوشی خوشی خریدتے اور گھر کی زینت بناتے ،سفر میں نکلتے تو جیب میں بت ڈال کر نکلتے کہ اگر راستے میں بت نہ ملے تو کس کی عبادت کریں گے؟ پھر اگر بہترین اور خوشنما پتھر نظر آ تا تو پہلے والے پتھر کو پھیک کر اس پتھر کو اٹھا لیتے اور سامنے رکھ کر عبادت کرنا شروع کر دیتے ،غرض یہ کہ پوجنے والے تو چند لاکھ تھے مگر خدا کروڑوں بنا رکھے تھے، ان کی یہ حالت تو جہالت کی بنا پر تھی۔

بداخلاقی کا یہ عالم تھا کہ عورتوں کی ان کے یہاں کوئی عزت نہ تھی مکان کے دوسرے سامانوں کی طرح جہاں چاہتے منتقل کر دیتے تھے، یا ورثہ میں ملتی تھی ، زنا کاری الگ تھی اور نکاح کے نام پر زنا کاری الگ تھی ،قبائلی ،نسلی ، خاندانی اور خونی عصبیت بے حد شدید تھی، جنگ تو ان کی محبوب و پسندیدہ شئ تھی ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر نا چاقی ہوتی تھی ، اگر دو خاندانوں میں جنگ چھڑ گئی تو مرنے والے یہ نصیحت اور وصیت کرتے تھے کہ لڑائی بند نہ کرنا ورنہ خاندان کی ناک کٹ جائے گی ، چنانچہ ایک ایک لڑائی پچاس پچاس برس بلکہ سو سو برس چلتی رہتی تھی۔

بے دردی اور قساوت قلبی کا یہ عالم تھا کہ سب سے زیادہ محبوب اولاد ہوا کرتی ہے لیکن ان کے یہاں یہ صورت ہوتی تھی کہ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو باپ اپنے ہاتھ سے اسے زمین میں دفن کر دیتا تھا، الغرض ڈکیتی ، مار دھاڑ، قتل و غارت اور بدامنی پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی ، نہ ان کا کوئی نظام تھا نہ ان کا کوئی بادشاہ اور امیر مقرر تھا۔

جب خدا کی بسائی ہوئی دنیا پر وحشت و بربریت کے کالے بادل منڈلانے لگے، خدا کی بنائی ہوئی مخلوق اپنے خالق حقیقی کو فراموش کر چکی ، ہر طرف کفر و شرک کا گھٹاٹوپ اندھیرا چھانے لگا،تو اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ آیا، وہ انسان جسے اس نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا تھا جس کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اس کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اپنے پروردگار سے دور ہوتا چلا گیا شیطان کے پھندوں میں پھنستا گیا تو رحمت خداوندی جوش میں آئی اور اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے ان کو گمراہی سے نکالنے کیلئے باعث کون ومکان فخر جن وانس محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

ولادت نبوی ﷺ

مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے　　جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے

آپ کا اسم مبارک محمد ﷺ ہے، جو آپ کے دادا نے تجویز کیا تھا، اور احمد نام آپ ﷺ کی والدہ نے رکھا تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت سے نام ہے جن کا شمار وسعت سے باہر ہے۔

نبی کریم ﷺ کا نسب شریف تمام دنیا سے زیادہ شریف اور پاک ہے، اور یہ وہ بات ہے کہ تمام کفار مکہ اور آپ ﷺ کے دشمن بھی اس کا انکار نہ کر سکے، مشکوۃ میں ترمذی سے بروایت حضرت عباسؓ مروی ہے، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا میں محمد ﷺ ہوں، عبداللہ کا بیٹا ہوں اور عبدالمطلب کا پوتا، اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان بنایا، پھر انسان میں دو فرقے بنائے ،عرب اور عجم ۔مجھ کو اچھے مرقع یعنی عرب میں پیدا کیا ، پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ یعنی قریش میں پیدا کیا ،اور قریش میں بھی کئی خاندان تھے مجھ کو سب سے اچھے

خاندان یعنی بنو ہاشم میں سے بنایا۔ آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے بہت ساری برکتوں کا ظہور ہوا، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ زچگی کے ایام میں بالعموم جو بوجھ اور تکلیف عورتیں محسوس کیا کرتی ہیں اس کا قطعاً مجھے احساس نہیں ہوا۔ اگر پتھر یا روڑہ میرے پاؤں کے نیچے آجاتا تو روئی کے طرح نرم ہو جاتا، میں دھوپ میں چلتی تھی تو بادل مجھ پر سایہ کرتے تھے، پہاڑوں کے پاس جاتی تھی تو وہ مجھ سے ہم کلام ہوتے تھے۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں جب ولادت باسعادت پیر کے دن صبح کے وقت ہوئی اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی والدہ موجود تھیں، جب ولادت کا مرحلہ شروع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی والدہ کو روشنی کی ضرورت پڑی لیکن جیسے ہی سرور کائنات کی ولادت ہوئی تو کمرہ اس طرح روشن اور منور ہوگیا کہ چراغ کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ بی بی آمنہ فرماتی ہے کہ ولادت کے بعد میں نے اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہا جیسا کہ ہر عورت کی تمنا ہوتی ہے تو میں یہ دیکھ کر حیران ہوگئی کہ میرا لختِ جگر سجدہ کی حالت میں پڑا تھا (سبحان اللہ) سرور کائنات کی پیدائش کا دن بڑا تاریخی اور باعظمت دن تھا، اس دن ایوان کسریٰ میں زلزلہ آگیا، جس سے اس کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس جو ہزاروں سال سے روشن تھا اچانک خود بخود بجھ گیا، نہر سادہ خشک ہوگئی، باطل کا نمرود خاک میں مل گیا اور صنم کدوں کے بت منہ کے بل گر پڑے، یہ تھا پہلا اشارہ اس بات کا کہ اب تمام مذاہب باطلہ فنا ہو جائیں گے اور ایک خدائی کا ڈنکا پورے عالم میں بجے گا۔

رضاعت: سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے چند روز تک دودھ پلایا، اس کے بعد ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے دودھ پلایا، اس کے بعد یہ خداداد دولت حضرت حلیمہ سعدیہ کو نصیب ہوئی، شرفاء عرب کی عام عادت تھی کہ بچوں کو دودھ پلانے کیلئے قرب وجوار کے دیہات میں بھیج دیتے تھے، جس سے بچوں کی جسمانی

صحت اچھی ہوجاتی تھی اور وہ خالص عربی زبان بھی سیکھ جاتے تھے۔

داغ مفارقت وکفالت: آپ ﷺ کے والد کا انتقال آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ہوگیا تھا، گویا آپ دُرِّ یتیم پیدا ہوئے مگر آپ یتیم نہیں بلکہ دریتیم تھے، پھر ابھی آپ ﷺ چھ سال کے ہوئے تھے کہ والدہ بھی مالک حقیقی سے جاملی، پھر آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے، ابھی آپ ﷺ آٹھ سال کے ہوئے کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، حضرت عبدالمطلب کے وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آئے۔

بچپن کے حالات :

(۱) امام الانبیاء ﷺ کی ساری زندگی انوکھی اور منفرد تھی، کتب سیرت میں یہ واقعہ بیان کیا گیاہیکہ ایک سرسبز مقام پر کھجور کے درخت تھے جنہیں لوگ مقدس تصور کرتے تھے وہاں بوانہ نامی بت رکھا ہوا تھا، لوگ وہاں جاتے اور مشرکانہ افعال انجام دیتے، نبی کریم ﷺ ہر سال وہاں منعقد ہونے والے میلے میں شریک ہونے سے انکار کرتے، آخر کار ایک مرتبہ رشتہ داروں کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر بہت دیر تک آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کی نظر سے اوجھل رہے، جب ظاہر ہوئے تو خوف وہراس اور پریشانی کے آثار آپ کے چہرے پر نمایاں تھے، رشتہ دار کی عورتوں نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ جب میں اس بت کے قریب جانا چاہتا ہوں تو ایک نورانی سفید رنگ، دراز قد شخص مجھے اس بت کے پاس جانے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے محمد ﷺ! پیچھے ہٹ جائیے بت کو ہاتھ مت لگائیں، حضرت ام ایمنؓ کی روایت کے مطابق دوبارہ آپ ﷺ اس بت کے پاس نہیں گئے۔

آپ ﷺ کا سفر شام اور یہودی عالم کی پیشین گوئی: سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک جب بارہ برس کی ہوئی تو چچا ابو طالب قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ شام جانے کی تیاریاں کرنے لگے، عین کوچ کے وقت جب ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو غمگین اور اداس پایا تو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا، آنحضرت ﷺ کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے جب آپ ﷺ شہر بصریٰ کے قریب پہنچے تو وہاں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیراء راہب کے نام سے مشہور تھا، آپ ﷺ کو دیکھا تو ابو طالب سے کہا یہ لڑکا کون ہے؟ ابو طالب نے کہا میرا بھتیجا ہے، تو بحیرا نے کہا کہ ان کو واپس بھیج دو، ورنہ یہود ان کو قتل کر دینگے کیونکہ یہ خدا کا نبی ہے بحیرا چونکہ تورات کا عالم تھا اور تورات میں سرکار دو عالم کا پورا حلیہ مذکور تھا اسلئے اس نے دیکھ کر آپ ﷺ کو پہچان لیا کہ یہ وہی خاتم الانبیاء ہے، ابو طالب کو خطرہ پیدا ہوا اور آپ ﷺ کو مکہ واپس کر دیا۔

دوسرا سفر شام کا: تیئس ۲۳/ یا چوبیس ۲۴ سال کی عمر میں خدیجہ بنت خویلد کا مال تجارت لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ آپ ﷺ نے شام کا سفر کیا، اس سفر میں نسطورا نامی راہب ملا، اس نے آپ ﷺ کو ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا تو اس نے کہا کہ عیسیٰ بن مریمؑ کے بعد سے لے کر اب تک یہاں آپ کے سوا کوئی نبی نہیں اترا، پھر کہا یہ وہی نبی ہیں اور آخری نبی ہیں، اس سفر میں آپ ﷺ کے بہت سے معجزات ظاہر ہوئے، گرمی کی شدت میں دو فرشتوں کا سایہ کرنا وغیرہ، اس سفر میں آپ ﷺ کو بہت نفع ہوا، آپ نے تجارت کا مال خدیجہؓ کے سپرد کیا تو حضرت خدیجہؓ نے جتنا معاوضہ مقرر کیا تھا اس سے زیادہ دیا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح: حضرت خدیجہؓ نے وہ تمام حالات سفر جو انہوں نے اپنے غلام میسرہ کی زبانی سنے تھے ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کئے ورقہ نے کہا اگر یہ واقعات سچے ہیں تو پھر یقیناً محمد ﷺ اس امت کے نبی ہیں، ان واقعات کو سنکر

حضرت خدیجہؓ کے دل میں آپ ﷺ سے نکاح کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ سفر شام سے واپسی کے دو مہینہ اور پچیس روز بعد خود خدیجہؓ نے آپ ﷺ سے نکاح کا پیغام دیا، آپ ﷺ نے اپنے چچا کے مشورہ سے اس کو قبول فرمایا، تاریخ معین پر آپ ﷺ اپنے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہؓ اور دیگر رؤسائے خاندان کی معیت میں حضرت خدیجہؓ کے یہاں تشریف لائے ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا، نکاح کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر شریف چالیس سال کی تھی، بیس اونٹ مہر مقرر رہوا۔

پھر جب آپ ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال کی ہوگئی تب قریش نے خانۂ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا کیونکہ بناء ابراہیمی میں کعبہ کی دیواریں زیادہ بلند نہ تھی، اور زیادہ زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہوچکی تھیں اور نشیب میں ہونے کیوجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھا لہٰذا از سرِ نو تعمیر کی ضرورت پیش آئی تو قریش کی تقسیم کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کی، جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا، تلواریں کھینچ گئیں اور لوگ جنگ وجدال اور قتل وقتال پر آمادہ ہوگئے، جب چار پانچ روز اسی طرح گذر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو سب نے رائے پسند کی صبح ہوئی تمام لوگ حرم میں پہنچے دیکھتے ہیں سب سے پہلے آنے والے حضرت محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ کو دیکھ کر سب بے ساختہ پکار اٹھے یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں یہ تو محمد امین ہیں، آپ ﷺ نے چادر منگائی اور حجرِ اسود کو اس میں رکھکر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ سب اس شرف کو پالیں کوئی محروم نہ رہے، اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا سب نے مل کر چادر اٹھائی پھر آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے

حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، اس طرح آپ ﷺ نے ایک بڑے فتنے کو اٹھنے سے پہلے ختم کر دیا، یہ گویا اشارہ تھا کہ دینِ الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی ہاتھوں سے نصب ہوگا۔ یہ ایک حدیث کی تلمیح ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں''، یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہوں۔

مقالہ نگار: عبدالحفیظ بھڈکودروی　　　　مقالہ نمبر: ۴۱
متعلم: دارالعلوم عربیہ اسلامیہ، کنتھاریہ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السّلام علٰی سیّدنا و مولٰنا محمد وَعَلٰی اٰلِہٖ و صحبہٖ اجمعین .... امّا بعد !

عہدِ جاہلیت کی بدشگونی و بدفالی: مشرکین میں بدشگونی کا بھی رواج تھا اسے عربی میں طِیَرۃٌ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جاکر اسے بھگاتے تھے پھر وہ داہنی جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اُسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ بدل دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے، اسی طرح کی ملتی جُلتی بدشگونی کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ مشرکین خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکاتے تھے اور بعض دنوں، مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوت یعنی تعدیہ کے قائل تھے اور روح کے اُلّو بن جانے کا عقیدہ رکھتے تھے یعنی ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جاوے اس کو سکون نہیں ملتا، روح اُلّو بن کر بیابانوں میں گردش کرتا رہتا ہے اور پیاس پیاس یا مجھے پلاؤ مجھے پلاؤ کی صدا لگاتا رہتا ہے۔ جب اس کا بدلہ لیا جاتا ہے تو اُسے راحت اور سکون ملتا ہے۔ (الرحیق المختوم)

بدشگونی لینا منع ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ

لَاطِيَرَةَ ، وَخَيرُهَا الفَالُ ، قَالُوا وَمَا الفَالُ ؟ قَالَ ،الكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسمَعُهَا اَحَدُ كُم . (متفق علیه) (خ : ٥٧٥٦ ، م : ٢٢٢٤)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بدشگونی بے حقیقت ہے اس سے بہتر تو اچھی فال ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اور فال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اچھا کلمہ جس کو تم میں سے کوئی شخص سنے اور اس سے اپنی مراد پانے کی توقع پیدا کرے۔

جاہلی معاشرے کا طرزِ نکاح:

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ چنانچہ طبقۂ اشراف میں مرد عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا، عورت کو بہت کچھ خود مختاری حاصل تھی اس کی بات مانی جاتی تھی اور اس کا اتنا احترام اور تحفُّظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں اور خونریزیاں ہو جاتی تھیں۔ آدمی جب اپنے سخاوت وشجاعت پر جسے عرب میں بڑا بلند مقام حاصل تھا اپنی تعریف کرنا چاہتا تو عموماً عورت ہی کو مخاطب کرتا، بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لئے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا دیتی لیکن ان سب کے باوجود بلا نزاع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کی زیرِ نگرانی انجام پاتا تھا عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان کی ولایت کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کر لے، ایک طرف طبقۂ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دوسرے طبقوں میں مرد وعورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں۔ جنہیں بدکاری اور بے حیائی اور فحش کاری وزنا کاری کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی

لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام دیتا پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کا نطفہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود ہی اس سے الگ تھلگ رہتا، اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے نطفہ حاصل کیا تھا (یعنی زنا کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو، اِس نکاح کو نکاحِ اِستِبضَاع کہا جاتا تھا۔ (اسی کو ہندوستان میں نیُوگ کہتے ہیں) نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند رات بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو معاملہ تھا وہ تو آپ لوگ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تمہارا بیٹا ہے، وہ عورت اُن میں سے جس کا نام چاہتی لے لیتی، اور وہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اِکٹھا ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے وہ اپنے پاس کسی آنے والے سے انکار نہ کرتی۔ یہ بیوہ اور رنڈیاں ہوتی تھیں، جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تا کہ یہ نشانی کا کام دے اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے۔ اور قیافہ شناس کو بلاتے اور قیافہ شناس اپنی رائے

کے مطابق اس لڑکے کوکسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کردیتا پھر یہ اسی سے مربوط ہوجاتا اوراسی کالڑکا کہلاتا وہ اس سے انکار نہ کرسکتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کومبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کردیئے صرف اسلامی نکاح باقی رہا جو آج رائج ہے۔ (صحیح بخاری) (الرحیق المختوم،ص:۶۳)

واقعۂ فیل کے چند آرٹیکلس:

جہاں تک عیسائی مذہب کا تعلق ہے تو بلادِ عرب میں اس کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گیروں اور فاتحین کے ذریعہ ہوئی، یمن پر حبشیوں کا قبضہ پہلی بار ۳۴۰ء میں ہوا اور ۳۷۸ء تک برقرار رہا اس دوران یمن میں مسیحی مشن کام کرتا رہا تقریباً اس زمانہ میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات زاہد جس کا نام فیمیون تھا نجران پہنچا اور وہاں کے باشندوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی، اہل نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی ایسی علامات دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہوگئے، ذونواس کی کاروائی کے ردعمل کے طور پر حبشیوں نے دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور ابرہہ نے حکومتِ یمن کی باگ ڈور اپنے ہاتھ پر لے لی تو اس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ بڑے پیمانے پر عیسائیت کوفروغ دینے کی کوشش کی کہ اہل عرب کومکہ اور بیت اللہ سے روک کر اسی کا حج کرائے اور مکہ کے بیت اللہ کوڈھادے۔ واقعہ یہ ہوا کہ اریاط اور ابرہہ جنگ کے لئے جب آمنے سامنے ہوئے تو اریاط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چہرہ خون آلود کردیا، ناک ہونٹ اور منہ کٹ گیا، ابرہہ کے غلام عتودہ نے اس موقع پر اریاط پر بے پناہ حملہ کیا اور اسے قتل کردیا، ابرہہ زخمی ہوکر میدان سے زندہ واپس گیا علاج معالجہ سے زخم اچھے ہوگئے اور یمن کا مستقل بادشاہ بن بیٹھا، نجاشی شاہِ

حبشہ کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ سخت غصّہ ہوا اور ایک خط ابرہہ کو لکھا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی اور کہا کہ قسم خدا کی میں تیرے شہروں کو پامال کردوں گا۔ اور تیری چوٹی کاٹ لاؤں گا۔ ابرہہ نے اس کا جواب نہایت عاجزی سے لکھا اور قاصد کو بہت سارے ہدیے دیئے اور ایک تھیلی میں یمن کی مٹی بھردی اور اپنی پیشانی کے بال کاٹ کر اس میں رکھ دیئے اور اپنے خط میں اپنے قصوروں کی معافی طلب کی اور لکھا کہ یہ یمن کی مٹی حاضر ہے اور میرے چوٹی کے بال بھی۔ آپ اپنی قسم پوری کیجئے اور ناراضگی معاف فرمائیں۔ اس سے شاہِ حبشہ خوش ہوگیا اور یہاں کی سرداری اس کے نام کردی۔

اب ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ میں یہاں یمن میں آپ کے لئے ایسا گرجا تعمیر کرا رہا ہوں کہ اب تک دنیا میں ایسا نہ بنا ہو۔ اس گرجا گھر کو بڑے اہتمام سے بنانا شروع کیا، بہت اونچا، نہایت مضبوط، بے حد خوبصورت اور منقش و مزین گرجا بنایا۔ اور اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر جاتی تھی۔ اس لئے عرب اسے قُلَّیس کہتے تھے۔ یعنی ٹوپی پھینک دینے والا۔

اب ابرہہ کو سوجھی کہ لوگ بجائے کعبۃ اللہ کے حج کے اس کا حج کریں۔ اس کی منادی کرادی، عدنانیہ اور قحطانیہ عرب کو یہ بہت بُرا لگا اُدھر سے قریش بھی بھڑک اُٹھے تھوڑے دن میں کوئی شخص رات کے وقت اس کے اندر گھس گیا اور وہاں پاخانہ کر کے چلا آیا۔ چوکیداروں نے جب دیکھا تو بادشاہ کو خبر پہنچائی اور کہا کہ یہ کام قریشیوں کا ہے، چونکہ آپ نے ان کے کعبہ کا حج روک دیا ہے۔ ابرہہ نے اسی وقت قسم کھالی کہ میں مکہ پہنچوں گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ چند نوجوان قریشیوں نے اس گرجا میں آگ لگادی تھی۔ اس وقت ہوا بھی

بہت تیز تھی سارا گرجا جل گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ اس پر ابرہہ بہت چراغ پا ہوا اور ایک عظیم لشکر لے کر مکہ پر چڑھائی کی تا کہ کوئی روک نہ سکے اور اپنے ساتھ ایک بڑا اونچا اور موٹا ہاتھی لیا جسے محمود کہا جاتا تھا۔ اس جیسا ہاتھی کوئی نہ تھا۔ آٹھ یا بارہ ہاتھی ساتھ تھے یہ کعبہ کو ڈھانے کی نیت سے چلا یہ سوچ کر کہ کعبہ کی دیواروں میں مضبوط زنجیریں ڈال دوں گا اور ہاتھیوں کی گردنوں میں زنجیریں باندھ دوں گا ہاتھی ایک ہی جھٹکے میں کعبہ کی چاروں دیواروں کو گرا دیں گے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت کے لئے پرندوں کی شکل میں لشکر بھیجا اور ابرہہ کے لشکر کو تہس نہس کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک کی چونچ میں مسور یا اُڑَدْ کے دانے کے برابر ایک ایک کنکری تھی اور دونوں پنجوں میں دو کنکریاں تھیں جس پر کنکری آ پڑی وہ وہیں ہلاک ہو گیا اور اس کو ایسی سزا دی کہ وہ اوّلین اور آخرین کے لئے عبرت بن گیا۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیرِ ابنِ کثیر اردو، جلد: ۵، ملاحظہ فرمائیں)

حضرت ﷺ کی ولادت باسعادت

فخرِ دو عالم ﷺ عام الفیل میں ہبوطِ آدمؑ سے چھ ہزار ایک سو تیرہ برس بعد بارہویں ربیع الاوّل ۴۲ھ کِسرَوِیٰ مطابق ۲۹ راگست ۵۷۰ء کو دوشنبہ کے دن بوقتِ صبح پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والدِ ماجد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ کو آپ کے حمل کی تکلیف مطلق نہ ہوئی اور چھ مہینے تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ آمنہ حاملہ ہے۔ حالتِ حمل میں عجیب چیزیں نظر آئیں جن سے حیرت ہوتی تھی۔ مثلاً آپ چلتی تھی تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہو جاتے تھے دھوپ کے وقت میں بادلوں کا سایہ کرنا، کنویں سے پانی لیتے وقت پانی خود بخود ابل کر من کے

کنارے آ لگتا تھا۔غرض پورے نو مہینے گذرنے پر دردِ زِہ محسوس ہوا تو میں دیکھتی تھی کہ ستارے آسمان سے جھکے آتے ہیں اور اندیشہ ہے کہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے جب محمد ﷺ کی جسمانی پیدائش ہوئی تو میرے بدن سے ایک نور جدا ہوا اس نے پورے گھر کو روشن کر دیا اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب و مابین کو روشن کر دیا۔ جب میں نے اپنے نورِ مجسّم قِطعۂ جگر پر نظر ڈالی تو وہ سجدہ میں پڑا ہوا تھا آپ ﷺ کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھی،اور آپ ﷺ کی زبان پر تھا ”لَااِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہ وَ اِنّـیْ رَسُوْلُ اللّٰہ“ عبدالمطلب اس وقت کعبہ میں تھے یکا یک دیکھا کہ خانۂ کعبہ کی دیواریں دفعتاً جھک گئیں، پھر خود بخود سیدھی ہو گئیں یہ تعجب خیز معاملہ دیکھ کر گھر آئے تو ہونہار پوتے پیدا ہونے کی خوشخبری کانوں میں پڑی آنحضرت ﷺ ناف بریدہ اور مختون (ختنہ شدہ) پیدا ہوئے۔محمد ﷺ نے صرف سات روز اپنی والدہ آمنہ کا دودھ پیا پھر ثوُیبہ کا آٹھ دن۔غرض جب آپ کی عمر شریف کم وبیش ایک ماہ تھیں تو آپ دائی حلیمہ کی تحویل میں گئے اور دو سال مکمل دودھ پیا۔آنحضرت ﷺ کا نشو ونما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا۔جو بالیدگی اطفال کو ایک برس میں ہوتی تھیں اِس قدر آپ کو ایک دن میں ہوتی تھیں۔آپ ﷺ دوسرے مہینے اشارہ کرتے اور تیسرے مہینے گھٹنوں کے بل چلنے لگے، چوتھے مہینے اٹھ کر اپنے پاؤں سے کھڑے ہوئے اور پانچویں مہینے ہاتھ دیوار پر ٹیک کر ایک قدم یا دو قدم چل لیتے تھے چھٹا مہینہ تھا کہ آپ میں طاقت خِرَام (ناز و ادا کی چال) آ گئی اور ساتویں مہینے فصیح اور دل آویز گفتگو کرنے لگے اور گیارہویں مہینے باتوں کا دانشمندانہ انداز میں جواب دیتے اور تیر وکمان لے کر جنگل میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ بارھواں مہینہ تھا کہ آپ ﷺ اپنی عمر سے کئی درجہ بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتے تھے اور طبعی جرأت و دلیرانہ قوت سے ہوشیار بچوں کو پسپا کر دیتے

تھے، جس وقت سے آپ ﷺ میں طاقتِ گفتار پیدا ہوئی کوئی چیز آپ نے بسم اللہ کہے بغیر ہاتھ میں نہ لی، آپ ﷺ کو کبھی بستر پر بول و براز کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے۔ تیسرے برس آپ ﷺ نے درخواست کی کہ اماں مجھے اجازت دو میں بھی جنگل جایا کروں۔ صبح کو آپ ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ روانہ ہوئے وہاں پر فرشتوں نے آپ ﷺ کو زمین پر لٹا کر جبرئیل امینؑ نے سینۂ مبارک کو چاک کیا اور آپ ﷺ کا دل صاف کیا۔ پھر آپ ﷺ کے دل میں معرفت و نبوت کا نور بھر کر اپنی جگہ رکھدیا اور سینہ برابر کر دیا، اور اسے سی دیا۔ آپ ﷺ کی عمر کا چھٹا سال تھا کہ آمنہ کا انتقال ہو گیا اور آٹھ سال کی عمر میں دادا عبدالمطلب کی وفات ہوئی۔ اور جب آپ کی عمر برس کی ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا بُحَیْرا اء راہب کی ملاقات کی بنا پر آپ کو واپس آنا پڑا۔ آپ ﷺ اپنے اخلاقِ حمیدہ سے پہچانے جانے لگے اور آپ ﷺ کو الصادق الامین کا لقب ملا۔ جب آپ ﷺ کے چچا نے آپ کو خدیجۃ الکبریٰؓ کا مال لے کر ملکِ شام روانہ کیا تو خدیجہؓ نے اپنے بالا خانہ پر سے دیکھا تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر نورانی غیبی پرندے ٹکڑی لگا کر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد خدیجہؓ نے میسرہ سے حالاتِ سفر کے دریافت کیے تو میسرہ نے آپ ﷺ کی عجیب کرامتیں اور نَسْطُوْرَا ء کا قول بھی سنایا تو خدیجہؓ آپ سے نکاح کرنے کی خواہشمند ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی عمر ۲۵ ؍سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کا نکاح خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہو گیا، خدیجہؓ کی عمر اگرچہ چالیس سال تھی لیکن حسن و جمال کی وجہ سے جوان لگتی تھی۔ چار سو درہم مہر طے ہوا تھا اور ایک اونٹ کا ولیمہ کیا گیا اور تمام سردارانِ مکہ اور اشرافِ قریش کی دعوت کی۔ جب آپ ﷺ کی عمر ۳۵ ؍سال کی ہوئی تو اہلِ مکّہ کو خانۂ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب حجرِ

اسود کو رکھنے کی باری آئی تو تمام قبیلہ والے لڑنے لگے۔ عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہی ہیں۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر رُک گئی اور اب ہر قبیلہ کو لڑ کر اپنی جان دینا آسان نظر آنے لگا۔ مسجدِ حرام میں شوریٰ قائم ہوئی۔ آخر چند بوڑھے سرداروں نے مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے جو شخص حرم شریف کے اس دروازے سے ہو کر گزرے اس کو منصف قرار دیں۔ سب نے اتفاق کر لیا صبح کو اس جانب سے سب سے پہلے گزرنے والے شخص سیدنا محمدِ عربی ﷺ تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے منصف بن کر اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک بڑی چادر میں حجرِ اسود رکھ لیا جاوے اور ہر قبیلہ کا ایک صاحبِ عزت سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائلِ مکہ کے ہاتھوں سے یہ پتھر اپنی جگہ پہنچے۔ اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفریں بلند ہوئی۔ اور خانۂ کعبہ کی تعمیر ختم ہوئی جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کو نبوت ملی۔

(تاریخِ اسلام عاشقی، ص: ۳۶ تا ۴۰)

مقالہ نگار: سلمان موسی مسٹر کاوی
مقالہ نمبر : ۴۲
متعلم: جامعہ نقیب الاسلام، کاوی

الحمد لأهلـه والصلوة على اهلها: أمّا بعد

محترم صدر اجلاس، معزز علماء کرام ومہمانان عظام

مذاہب اور اہل مذاہب پر ایک اجمالی نظر چھٹی صدی عیسوی میں:

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے بڑے مذاہب، قدیم مذہبی صحیفے اور ان کے احکام وقوانین جنہوں نے مذہب، اخلاق اور علم کے میدان میں مختلف موقعوں پر اپنا مخصوص کردار ادا کیا تھا، بازیچۂ اطفال بن چکے تھے اور تحریف کے علم برداروں، منافقوں اور ناخدا ترس و بے ضمیر مذہبی رہنماؤں کی ذاتی اغراض کا نشانہ اور حوادث زمانہ کا اس طرح شکار ہو چکے تھے کہ ان کی اصلی شکل وصورت کا پہچاننا مشکل بلکہ ناممکن تھا، اگر ان مذاہب کے اوّلین بانی وعلم بردار اور ان کے انبیاء کرام علیھم السلام دوبارہ واپس آ کر اس حالت کو دیکھتے تو ان مذاہب کو خود نہ پہچان سکتے اور ان کا انتساب اپنی طرف کرنے پر ہرگز تیار نہ ہوتے۔

یہودی مذہب: چند بے جان رسموں اور روایات کا نام تھا جن میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی، علاوہ ازیں یہودیت بجائے خود ایک نسلی مذہب ہے جس کے پاس دنیا کے لئے کوئی پیغام، اقوامِ عالم کے لئے کوئی دعوت اور انسانیت کے لئے چارہ سازی ومسیحائی کا کوئی سامان نہیں ہے۔

دوسرا مذہب عیسائیت ہے: عیسائیت اپنے دورِ اوّل ہی میں انتہا پسندوں کی تحریف جاہلوں کی تاویل اور رومی نصرانیوں کی بت پرستی کا شکار ہو گئی تھی، چھٹی صدی عیسوی جس وقت شروع ہوئی اس وقت شام و عراق کے عیسائیوں اور مصر کے عیسائیوں کی جنگ پورے شباب پر تھی، یہ جنگ حضرت مسیح کی حقیقت و ماہیت کے موضوع پر ہو ئی تھی۔

مجوسی ایران کے پارسی قدیم زمانہ سے عناصر اربعہ ’’جس میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا‘‘ کی عبادت کرتے تھے اور انھوں نے اس کے لئے مخصوص آتش کدے اور مخصوص عبادت گاہیں تعمیر کی تھی آتش پرستی ملک کے طول و عرض میں عام تھی۔ بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک ایسے بت پرستانہ مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا کہ بت اس کے جلو میں چلتے تھے جہاں قافلہ رکتا وہاں دیکھتے ہی دیکھتے ایک معبد تیار ہو جاتا۔

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے دیوی دیوتاؤں کی کثرت میں دوسرے مذاہب سے بہت آگے ہے، چھٹی صدی میں بت پرستی اپنے پورے شباب پر تھی، ہر باہیئت اور نفع والی شئی معبود سمجھی جاتی تھی، خدا سازی کا عمل یہی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکاڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ ہو گیا کہ اس کا شمار مشکل ہے۔

جہاں تک اُن عربوں کا تعلق ہے جو عہد قدیم میں دینِ ابراہیمی کے حامل تھے اور جن کی سرزمین میں خدا کا سب سے پہلا گھر تعمیر ہوا وہ نبوت اور انبیاء کرام علیھم السلام سے بُعد زمانی اور جزیرہ نمائے عرب میں محصور رہنے کی وجہ سے بہت گھٹیا درجے کی بت پرستی میں مبتلا تھے جس کی نظیر ہندوستان کے بت پرستوں اور مشرکوں کے سوا

کہیں نہیں ملتی، وہ شرک میں بھی بہت آ گے تھے اور خدا کو چھوڑ کر بہت سے معبود انھوں نے تجویز کر لئے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خود ساختہ معبود کائنات کے نظم و انتظام میں خود ان کے ساتھ شریک ہیں اور نفع نقصان پہونچانے اور زندہ رکھنے اور مارنے کی ذاتی صلاحیت اور قدرت رکھتے ہیں، چنانچہ پوری عرب قوم بتوں کی پرستش میں ڈوب چکی تھی ہر قبیلہ اور ہر علاقہ کا علحیدہ معبود تھا بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہر گھر صنم خانہ تھا۔ خود کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں تین سو ساٹھ بت تھے یہ ان مذاہب کا حال تھا جو اپنے زمانے میں اللہ کی طرف بلانے کے لئے آئے تھے۔

حضرات! اُس وقت پوری دنیا کی سلطنتیں چاہے وہ مشرقی رومی سلطنت ہو چاہے ایرانی شہنشاہی، ہندوستان کا بھی بدترین دور مؤرخین کے مطابق چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے، یوروپین اقوام جو شمال ومغرب کے اندر دور تک آباد تھیں جہالت و ناخواندگی کے مہیب سایہ میں تھی، خون ریز جنگوں میں مشغول وہ تمدُّنِ انسانی کے کارواں سے بہت پیچھے اور علوم وفنون کی دنیا سے بہت دور تھی۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی جس میں محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تاریخ کا بدترین دور تھا اور انسانیت کے مستقبل اور اس کی بقا و ترقی کے لحاظ سے انتہا درجہ تاریک اور مایوس کن، غرض بعثتِ محمدی کے زمانہ میں پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر تیزی کے ساتھ گامزن تھی انسان اپنے خالق و مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا اور اس کے اندر بھلائی اور برائی اور زشت وخوب میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے دل ودماغ کسی چیز میں کھو چکے ہوں۔

جزیرۃ العرب میں ہی کیوں آپ ﷺ مبعوث ہوئے؟

حضرات! عرب بڑے حقیقت پسند، سنجیدہ و سلیم الطبع، صاف گو، سخت کوش و سخت جاں تھے، نہ دوسروں کو فریب دیتے تھے نہ اپنے کو فریب میں رکھنا پسند کرتے تھے، سچی اور پکی بات کے عادی، بات کی لاج رکھنے والے اور پختہ ارادہ کے مالک تھے، اِن صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود جن سے اللہ تعالیٰ نے عربوں کو سرفراز کیا تھا اور جن کی وجہ سے بعثت محمدی اور ظہور اسلام کے لیے ان کا انتخاب فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ کی مشیت وحکمت کا فیصلہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت ونجات کا یہ آفتاب جس سے ساری دنیاو کائنات میں روشنی پھیلی جزیرۃ العرب کے افق سے طلوع ہوا؛ جو دنیا کا سب سے تاریک خطہ تھا اور جس کو اس تیز روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے لئے عربوں کا انتخاب اسلئے کیا اور اُن کو ساری دنیا میں اس کی تبلیغ و اشاعت کا ذمہ دار بنایا؛ کہ اُن کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی اُس میں پہلے سے کچھ نقوش تحریر اور نقش و نگار موجود نہ تھے جن کو مٹانا مشکل ہوتا؛ برخلاف رومیوں اور ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے۔

اخلاقی پہلو: مکہ والوں کا دور جاہلیت میں اخلاقی پہلو بہت کمزور تھا، سوائے اُن چند جاہلی روایات واقدار کے جن کو وہ اپنے سینہ سے چمٹائے ہوئے تھے جوئے کا کاروبار اُن میں عام تھا اور وہ اُس پر فخر کرتے تھے، شراب نوشی عام طور پر رائج تھی، عیش وطرب رقص ونغمہ کی محفلیں بکثرت آراستہ تھی اور دور جام چلتا تھا، بہت سے فواحش ظلم وسفا کی حق تلفی وناانصافی اور ناجائز کمائی ان کے معاشرہ میں بری نظر سے نہ دیکھی جاتی تھی۔

اِس اخلاقی پہلو کی جو ہمیں مکہ والوں میں نظر آتا ہے اُس کی سب سے نازک اور سچی تصویر قریش ہی کے ایک فرزند اور مکہ کے اصلی باشندہ جعفرؓ بن ابی طالب نے نجاشی

کے سامنے پیش کی تھی اور اس وقت کی عربی معاشرت اور جاہلی کردار کا نقشہ اس طرح کھینچا تھا، اے بادشاہ ہم جاہلیت والی قوم تھی، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھا تے تھے، ہر طرح کی بے حیائی کرتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، پردیسی کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔

مکہ کے ہر گھر میں ایک بت تھا، اس طرح یہ قوم بت پرستی، بتوں سے عشق وشیفتگی اوھام وخرافات سے وابستگی، صحیح دینی مفہوم سے ناواقفیت اور پاکیزہ نظیف و لطیف دین حنیف اور ملتِ ابراہیمی سے دوری و بےتعلقی کے اُس پست درجہ پر تھی جہا ں دنیا کی شاید ہی کوئی قوم ہوگی۔

اصحاب فیل کا واقعہ: اسی زمانے میں ایک اتنا بڑا واقعہ پیش آیا جس سے بڑا واقعہ عربوں کی تاریخ میں کبھی نہ ہوا تھا جو اس بات کی دلیل تھی کہ کوئی بہت بڑی بات مستقبل قریب میں ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ عربوں کے ساتھ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اور کعبہ کی شان اس طرح دوبالا ہونے والی ہے کہ وہ شان اور عظمت دنیا کی کسی عبادت گاہ اور کسی اور گھر کو حاصل نہ ہوگی۔

مختصر وقت میں تفصیل کی گنجائش نہیں غرض واقعۂ فیل اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانی اور معجزہ تھا اور اس بات کا پیش خیمہ کہ مکہ میں ایک ایسے نبی کا ظہور ہونے والا ہے جو کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کریگا، اس کے ہاتھوں اس کی شان دوبالا ہوگی، اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نبی کی بعثت اور ظہور کا مبارک دن کچھ دور نہیں ہے۔

الغرض جس سال اصحاب فیل کا حملہ ہوا اس کے ماہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ کا روز دوشنبہ دنیا کی عمر میں ایک نرالہ دن ہے کہ آج پیدائشِ عالم کا مقصد، لیل ونہار کے انقلاب کی اصلی غرض، آدم اور اولادآدم کا فخر، کشتیٔ نوح کی حفاظت کا راز، ابراہیمؑ

کی دعا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی پیشین گوئیوں کا مصداق، یعنی ہمارے آقا، فخر موجودات، محمد ﷺ رونق افروزِ عالم ہوتے ہیں.

اِدھر دنیا کہ بتکدہ میں آفتاب نبوت کا ظہور ہوتا ہے اور اُدھر ملک فارس کسریٰ کے محل میں زلزلہ آتا ہے جس سے اُس کے چودہ کنگرے گر جاتے ہیں، بحیرۂ طبریہ دفعتاً خشک ہوجاتا ہے، فارس کے آتش کدہ کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی خود بخود سرد ہوجاتی ہے جو درحقیقت آتش پرستی اور گمراہی کے خاتمہ کا اعلان، فارس و روم کی سلطنتوں کے زوال کی طرف اشارہ تھا۔

والد کا سایہ تو پیدائش سے پہلے ہی اٹھ گیا **(آپ ﷺ کی رضاعت)** سب سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا پھر ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے، پھر یہ دولت خدا نے حلیمہ سعدیہؓ کو نصیب فرمائی اور ان کے یہاں بہت برکات کا ظہور ہوا پھر شق صدر کا واقعہ جنگل میں بکریاں چرانے گئے اس وقت پیش آیا۔

چھ سال میں والدہ کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا، پھر دو سال دادا عبدالمطلب نے پرورش کی، آٹھ سال کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی رحلت فرما گئے، پھر آٹھ سال کے بعد غم گسار چچا نے آپ ﷺ کی پرورش کی، انہیں کے ساتھ ان کی معاشی امداد کے لئے پہلی مرتبہ بارہ سال کی عمر میں شام کا سفر فرمایا وہاں پادری وغیرہ کی پیشین گوئی اور راہب کے کہنے سے آپ ﷺ کو واپس مکہ بھیج دیا، پھر بیس سال کی عمر میں دوبارہ بغرض تجارت سفر شام کیا، پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی امانت سے متاثر ہوکر پیغام نکاح دیا، بالآخر پچیس سال میں حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہوا، حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا مال حضور ﷺ کے حوالے کردیا، راہ خدا میں نچھاور کرنے کے لیئے، پھر آپ ﷺ کے ہاتھوں قریش مکہ کا بہت بڑا جھگڑا ختم ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنی فراست

سے حجر اسود کو رکھنے کا ایسا فیصلہ کیا کہ سارے قبائل راضی ہو گئے اور اس طرح عرب کی ایک بہت بڑی لڑائی رک گئی۔

بدی کا زور تھا ہر سو جہالت کی گھٹائیں تھیں، فساد و ظلم کی چاروں طرف پھیلی ہوائیں تھی
خدا کے حکم سے نا آشنا مکہ کی بستی تھی گناہ و جرم سے چاروں طرف وحشت برستی تھی
وہ خود اپنے ہی ہاتھوں پتھروں کے بت بناتے تھے انہیں کے سامنے جھکتے انہیں کے گیت گاتے تھے،
کسی کا نام عزّیٰ تھا کسی کو لات کہتے تھے ہبل نامی بڑے بت کو بتوں کا باپ کہتے تھے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مقالہ نگار: نعیم ٹنکاروی
متعلم: دارالقرآن والحدیث، ٹنکاریہ

مقالہ نمبر : ۴۳

الحمد لاهله والصلوة على اهلها أما بعد۔

محترم حضرات! موجودہ زمانہ کی اچھائیاں اور برائیاں معلوم کرنے کے لئے گزشتہ زمانے کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقف ہونا ضروری ہے، جس سے کسی بھی قوم کو اپنی قدر ومنزلت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے، اس لئے میں آج کے اس عظیم الشان اجلاس میں زمانۂ جاہلیت کے کچھ احوال اور آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے ابتدائی حالات اپنی تحریروزبان میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

محترم قارئین! بنی اسرائیل کے اخیری نبی حضرت عیسیٰؑ کے بعد ۵۷۱ سال کا وہ فترہ گزرا کہ جس میں امت نے اپنے انبیاء علیھم السلام کی تعلیم کو اس طرح بھلا دیا کہ ان کی اخلاقی و مذہبی حالت بالکل خراب ہوگئی۔ مشرق ومغرب دونوں جانب میں ظلم وفساد، بربریت، بت پرستی اور سود جیسے مہلک امراض میں امت گرفتار ہوگئی۔ آسمانی مذاہب سابقہ کی اصل صورت مسخ ہوکر رہ گئی۔ یہودیت نے اپنی پڑوسی قوم کے اثر اور فاتح قوم کے دباؤ میں آکر عقیدۂ توحید میں بت پرستی اور مشرکانہ رویہ اختیار کرلیا۔ عیسائیت اپنے دوراول ہی سے انتہاپسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل، اور بت پرستی کا شکار ہوگئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ تثلیث کی بھی قائل ہوگئی۔ اس کی اصل وجہ اپنے

انبیاء علیھم السلام کی اتباع نہ کرنا اوران کی بتلائی ہوئی شریعت کے تابعدار نہ ہونا ہے۔ جس نے ان کوراہ حق سے بیزار کردیا۔ جزیرۂ عرب کی حالت بھی بہت ہی بدتر ہوچکی تھی۔ جہاں سے آفتاب رسالت ﷺ کونمودار ہونا تھا۔ بنی اسرائیل کے جدامجد حضرت اسماعیلؑ کے بطن سے چلنے والی نسل اپنے آپ ﷺ کومتبع ابراہیم توسمجھتی تھی مگر تعلیم ابراھیم سے ناآشنا ہوچکی تھی، اوروہ بھی عمرو بن لحی کی کوششوں سے بت پرستی میں جا گری تھی۔ جہاں سے ایک اللہ کی دعوت کو چلنا تھا وہیں سینکڑوں بت پیدا ہوچکے تھے۔قبائل عرب کے افراد شراب اور جُوے کے رسیا ہو گئے تھے۔ بدکاری، زناکاری عام ہوگئی تھی۔ لڑکیوں کوزندہ درگور کرنا، قافلوں کولوٹنا، عورتوں کواشیائے مبیعہ کی طرح فروخت کرنا، سوتیلی ماں سے نکاح کرنا، باندیوں کوزناکاری کے راستے پرڈال کران کی کمائی سے پیٹ بھرنا، عورتوں اورنابالغ بچوں کووراثت سے محروم کردینا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لمبے لمبے زمانے تک خون خرابہ کرنا، اوراس خون خرابہ کی وصیت کرکے دنیا سے رخصت ہونا، اس طرح کے بدترین اخلاق نے ان کی زندگیوں میں جگہ پکڑ لی تھی۔اسی عرصہ میں ان میں ایک آفتاب رسالت نمودار ہوا، جس نے ان تمام خرابیوں کو دور کرنے کا بیڑا اٹھایا ،جن کا نام ان کے دادا نے محمد اوران کی والدہ نے احمد رکھا، پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔عبدالمطلب نے کہا کہ اس مولود کا نام محمد اس لئے رکھا تاکہ اللہ آسمان میں اورمخلوق اس عالم میں اس مولود کی حمد ثنا کرے۔اس درّ یتیم کی ولادت با سعادت کے متعلق کچھ اختلاف ہے۔اصح السیر ، اوجز السیر ،نشر الطیب نے ۸ ربیع الاول کو یوم پیدائش ذکر کیا ہے۔اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور علامہ محمود فلکی

پاشا مصری نے ۹ ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ سیرت الرسول میں محمد عثمان معروفی لکھتے ہیں کہ میں نے دو ہزار سالہ تقویم میں جب تتبع کیا تو ۸ ربیع الاول دوشنبہ کا دن پھر ۶۳ سال پر ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن بار بار پایا، اس سے مجھے اطمینان ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت ۸ ربیع الاول اور وفات ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ ہی ہے۔ اور یہی جمہور محدثین ومؤرخین کا مختار اور راجح قول ہے، آپ ﷺ کی زندگی میں دوشنبہ کو بڑا دخل ہے۔ ولادت، نبوت، مکہ معظّمہ سے ہجرت، مدینہ طیبہ میں داخلہ، اور وفات سب اسی دن ہوا ہے۔ (سیرت الرسول) اگر آپ رمضان اور جمعہ جیسے متبرک ایام میں پیدا ہوتے تو کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ ان کو تو عظیم ایام کی برکت حاصل ہے۔ اس طرح اللہ نے ان کی ولادت کو پیر کے دن فرما کر اس دن کو بابرکت بنا دیا۔ آپ ﷺ کی ولادت با سعادت مکہ معظّمہ میں فرمائی جو دنیا کا وسطی حصہ ہے اور مکہ ہی میں ولادت و بعثت کی چند حِکم اس طرح کتابوں میں ملتی ہیں کہ وسطی علاقہ کے سبب دنیا کے چاروں اور شمع رسالت کی روشنی پھیل سکے اور آپ ﷺ کو عالمگیر پیغام دے کر سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا جائے اور عربی زبان والا حصہ منتخب کیا گیا، کیونکہ عربی زبان میں اس عالمگیر پیغام کو لے کر پھیل جانے کی جتنی صلاحیت ووسعت ہے وہ دیگر زبانوں کو حاصل نہیں۔ نیز دنیا کی دیگر قوموں کی بنسبت عربوں کے حالات زیادہ خراب تھے۔ ایسے خطرناک اور بگڑے ہوئے ماحول میں نبی آخر الزماں ﷺ کو پیدا فرمانا آپ کی عظمت شان کا بیّن ثبوت ہے۔

پیدائش رسول عربی ﷺ پر دنیا میں ہونے والے اہم وقائع

فاطمہ بنت عبد اللہ والدۂ عثمان بن ابی العاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے پیدائش کے وقت محسوس کیا کہ ستارے آسمان سے لٹک آئے ہیں، اور زمین حرم سے ایسے قریب آ گئے ہیں کہ گویا زمین پر گر پڑینگے۔اور سارے بت پیدائش کے وقت سرنگوں ہو گئے۔کسری کے محل کے ۱۴ کنگورے گر گئے۔دریائے ساوہ خشک ہو گیا، اور فارس کے استخر کا آتشکدہ جوایک ہزار سال سے روشن تھا بجھ گیا۔ستاروں کا زمین کی طرف لٹک جانے سے اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ آپ ﷺ کی ولادت کے سبب انوار زمین کی طرف متوجہ ہو جائینگے۔اور بتوں کا سرنگوں ہونا اس کی علامت ہے کہ بت پرستی اس مولود مسعود کے سبب موقوف ہو جائیگی۔۱۴ کنگورے گرنا فارس کی ۱۴ سلطنتوں کے زوال کی نشانی تھی جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک سب ختم ہو گئیں۔

رضاعت وحضانت

سات دن تک حضرت آمنہ نے دودھ پلایا، پھر ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ نے دودھ پلایا۔پھر عرب کے دستور کے مطابق آپ ﷺ کی پرورش حلیمہ سعدیہ کے سپرد ہوئی۔پھر دوسال میں آپ ﷺ کی اپنے یہاں بے انتہا خیر وبرکت دیکھ کر وبا کے بہانے آمنہ سے باصرار اجازت لے کر آپ ﷺ کو بنی سعد واپس لے آئیں اور پھر تین برس پرورش کی۔ ۵۷۶ء تک آپ ﷺ بنی سعد میں رہے۔جس میں رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرائی۔

شق صدر

زندگی میں آپ ﷺ کا چار مرتبہ شق صدر ہوا۔(۱) جب رضاعی بھائیوں کے

ساتھ بکریاں چرا رہے تھے تب آپ ﷺ کے قلب مبارک سے معصیت کا مادۂ سیاہ نکال کر قلب مبارک کو برف سے غسل دیا گیا(۲) دس برس کی عمر میں آپ ﷺ کے قلب مبارک سے لہو ولعب کا مادہ نکالنے کے لئے شق صدر ہوا(۳) بعثت کے وقت قلب مبارک کو وحی الٰہی کا متحمل بنانے کے لئے شق صدر ہوا(۴) معراج کے وقت عالم ملکوت اور تجلیات الٰہیہ کا متحمل بنانے کے لئے شق صدر ہوا (مجمع الزوائد) شق صدر کے بعد مہر لگائی گئی جس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جو چیز اس میں رکھ دی گئی ہے وہ نکلنے نہ پائے۔اور دوسری یہ ہے کہ مہر بائیں جانب تھی اور شیطان وسوسے اسی جگہ سے ڈالتا ہے اس طرح شیطان کا راستہ مسدود کر دیا گیا۔

حلیمہ سعدیہ کے پاس سے واپسی کے بعد ایک سال اور کچھ ماہ والدہ ماجدہ کی پرورش میں رہے۔ایک مرتبہ والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ واپسی پر مقام ابوا جو مدینہ سے ۸۰ میل یا ۱۰۰ میل اور جحفہ سے ۲۳ میل مکہ اور مدینہ کے درمیان والے راستے پر واقع ہے۔ اسی جگہ والدہ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ام ایمن آپ ﷺ کی باندی آپ کو مکہ لائیں اور عبد المطلب کے پرورش میں آ گئے۔عبد المطلب کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی، اور یہ کہا کرتے تھے کہ اس بیٹے کی شان ہی کچھ نرالی ہے۔آپ ﷺ عبد المطلب کی مسند پر بلا جھجک بیٹھ جاتے تھے جس پر عبد المطلب کے بیٹوں کی بھی بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اور عبد المطلب اس سے خوش ہوتے تھے۔ جب آپ ﷺ ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ دن کے ہوئے تو بقول راجح ۸۲ برس کی عمر میں مارچ ۵۷۹ء کو عبد المطلب رحلت فرما گئے۔ مقام جحون میں دفن ہوئے مرتے وقت عبد المطلب نے آپ ﷺ کو ابو طالب کی کفالت میں دے دیا اس لئے کہ عبد اللہ (آپ ﷺ کے والد) اور چچا ابو طالب دونوں کی والدہ ایک تھیں جن کا نام فاطمہ بنت

عمرو بن عائذ بن مخزوم تھا۔اس طرح آپ ﷺ کے ولی یکے بعد دیگرے انتقال فرماتے رہے اور آپ ﷺ نے یتیمانہ پرورش پائی ،لہذا آپ ﷺ امی رہے بظاہر امی رکھنے میں چند حکمتیں معلوم ہوتی ہیں۔(۱) تمام دنیا کو ادب وتہذیب سکھانے والے حضور ﷺ ہوں اور حضور ﷺ کا استاذ صرف خدا ہو، تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ میرا سکھایا ہوا ہے (۲) جس طرح پرورش کے سلسلہ میں حضور ﷺ کو ماں باپ کے احسان سے آزاد رکھا گیا اسی طرح تعلیم اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھی کسی کا احسان آپ ﷺ پر نہ رہے (۳) یہ بھی خیال نہ ہو کہ فلاں شخص آپ کا استاذ تھا تو وہ آپ سے ﷺ بھی زیادہ عالم ہوگا۔(معاذ اللہ) (۴) جب آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل ہو تو کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ آپ کا بنایا ہوا ہوگا۔(۵) نیز کوئی یہ خیال نہ کر سکے کہ پہلی کتابیں دیکھ کر آپ اس قسم کی تعلیمات دے رہے ہیں۔

یقیناً ابو طالب نے اپنی پرورش میں رکھ کر پرورش کا حق ادا کر دیا اور مرتے دم تک آپ ﷺ کا ساتھ نبھایا، مگر بتقدیر خداوندی دولت ایمان سے محروم رہے۔بارہ برس کی عمر میں چچا ابو طالب کے ساتھ سفر کی امنگوں پر چچا ساتھ تو لے گئے مگر شام کے شہر بصری کے مقام تیماء میں نصرانی راہب جرجیس بحیرہ نے علامات نبوت کو بھانپ کر آپ ﷺ کو مکہ واپس کرا دیا۔

قوم میں سب سے زیادہ بامروت وخلیق ، ہمسایوں کے خبر گیر،سب سے زیادہ بردبار وحلیم، جھگڑے فساد سے بعید اور سب سے زیادہ صادق وامین ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ مکہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور ہو گئے۔آپ ﷺ کی دیانت داری کا چرچا سن کر حضرت خدیجہؓ نے مضاربت پر آپ ﷺ کو مال تجارت دیا۔خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کا دوسرا سفر ہوا۔واپسی پر زیادہ منافع اور آپ ﷺ کے معجزات

اوراعلی اخلاق کا تذکرہ میسرہ نے خدیجہؓ سے بیان کیا۔اس سفر میں بھی ایک اورراہب نسطوراسے ملاقات ہوئی اوراس نے نبی آخرالزماں کی شہادت دی۔آپ ﷺ کے معجزات اورنسطورا کی بشارت کی بات کو لے کر خدیجہؓ اپنے چچا زاد بھائی آسمانی کتابوں کے بڑے عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں تو انہوں نے بھی کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو آپ یقیناً نبی آخرالزماں ہیں۔اس لئے حضرت خدیجہؓ نے نفیسہ بنت امیہ کے ساتھ پیغام نکاح بھیجااوراس طرح ایک چالیس سالہ بیوہ خاتون کے ساتھ ۲۵ سال کی عمر میں بعوض ۵۰۰ درہم مہر کے نکاح ہوا۔جن کے بطن سے چارلڑکیاں اوردولڑکے پیدا ہوئے،جن میں سے صرف حضرت فاطمہؓ سے آپ ﷺ کا سلسلۂ نسب چلا۔اورساتویں بیٹے حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔نرینہ اولاد بچپن ہی میں وفات پا گئیں۔

۳۵ سال کی عمر میں حجراسودکواس کی جگہ نصب کرنے کا واقعہ مکہ میں پیش آیا۔اس کے ذریعہ اللہ تعالی نے معمرلوگوں کی موجودگی کے باوجود آپ ﷺ کوفیصل بنا کر آپ ﷺ کی ذہانت اورعدل وانصاف کا چرچا لوگوں میں عام کردیا۔آپ ﷺ تنہائی پسند تھے۔جاہلیت کی باتوں سے دوررہتے تھے۔اکثر توشہ لے کر مکہ سے ۳ میل دور غار حرامیں تشریف لے جاتے۔اعتکاف،عبادت،ذکر،مراقبہ،تفکر میں مشغول رہتے۔ زمانۂ نبوت کے قریب نبوت کا چالیسواں جزءیعنی رؤیات صالحہ کا ورودشروع ہوگیا تھا ۔اوراس طرح ۴۰ سال کی عمر میں باقاعدہ وحی کا آغاز ہوگیا۔اوربھولی بھالی امت کو اپنے خداسے ملاکرامت پرسب سے بڑااحسان فرماگئے۔

صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین

مقالہ نگار: عمران بھروچی　　　　مقالہ نمبر : ۴۴
متعلم: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم أمّابعد: فأعوذ بالله من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم۔ قد جائکم من الله نور و کتاب مبین، و قال تعالی: وَمَاأَرْسَلْنَاكَ إِلَّارَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن۔

سیرت نبوی درحقیقیت اس پیغام ربّانی کے پرتو سے عبارت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے انسانی جمعیت کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کے ذریعہ انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں اور بندوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کر دیا تھا، چونکہ اس سیرت طیبہ کی مکمل صورت گری ممکن نہیں جب تک کہ اس پیغام ربّانی کے نزول سے پہلے کے حالات اور بعد کے حالات کا تقابل نہ کیا جائے، اس لئے اصل بحث شروع کرنے سے پہلے پیش نظر مضمون میں اسلام کے پہلے کی عرب اقوام اور ان کے نشو ونما کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان حالت کا خاکہ پیش کیا جارہا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے عرب حضرات عہد جاہلیت میں جن ادیان اور مذاہب کو اختیار کئے ہوئے تھے اس کا کچھ اجمالی خاکہ پیش کرتا ہوں، عام باشند گان عرب حضرت اسماعیلؑ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیرو تھے، اس لئے صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کاربند تھے، لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خدائی درس ونصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا، پھر بھی ان کے اندر

توحید اور کچھ دین ابراہیمی کے شعائر باقی رہے تا آنکہ بنوخزاعہ کے سردار عمرو بن لحی منظر عام پر آیا۔ اس کی نشو ونما بڑی نیکو کاری صدقہ وخیرات اور دینی امور سے گہری دلچسپی پر ہوئی تھی۔ اس لئے لوگوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا اور اسے بڑا عالم اور فاضل سمجھ کر اس کی پیروی کرنے لگے، پھر جب اس نے ملک شام کا سفر کیا تو اس نے وہاں پر دیکھا کہ بتوں کی پوجا کی جارہی ہے۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی بہتر ہے اور برحق ہے کیوں کہ ملک شام پیغمبروں کی سرزمین اور آسمانی کتابوں کی نزول گاہ تھی، چنانچہ وہ اپنے ساتھ ہبل بت بھی لے آیا اور اسے خانۂ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہل مکہ کو اللہ کے ساتھ شرک کی دعوت دی، اہل مکہ نے اس کی دعوت پر لبیک کہہ دیا۔ اس کے بعد بہت جلد باشندگاں حجاز بھی اہل مکہ کے نقش قدم پر چلنے لگے، کیوں کہ وہ بیت اللہ کے والی اور حرم کے باشندے تھے، اس طرح عرب میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہبل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے مناۃ ہے، یہ بحر احمر کے ساحل پر قدید کے قریب مشلل میں نصب تھا، اس کے بعد طائف میں لات نامی بت وجود میں آیا پھر وادئ نخلہ میں عزّی کی تنصیب عمل میں آئی، یہ تینوں عرب کے سب سے بڑے بت تھے اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہوگئی۔ غرض شرک اور بت پرستی اہل جاہلیت کے دین کا سب سے بڑا مظہر بن گئی تھی، جنہیں گھمنڈ تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے دین پر تھے۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے اہل جاہلیت میں رائج بت پرستی کے چند اہم مراسم کا ذکر کرنا چاہتا ہوں (۱) دور جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن بیٹھتے تھے، انہیں زور زور سے پکارتے تھے اور ان کے سامنے حاجت روائی کی فریاد کرتے تھے اور وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ بت اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کرا دیں

گے (۲) بتوں کا حج وطواف کرتے تھے اوران کے سامنے سجدہ کرتے تھے (۳) بتوں کے لئے نذرانے پیش کرنے اورقربانیاں کرنے اوران جانوروں کوبتوں کے آشیانوں پرلے جاکرذبح کرتے۔اورکبھی کسی بھی جگہ بتوں کے نام سے ذبح کرتے ان دونوں طریقوں کواللہ نے اپنی کتاب کے اندرذکرفرمایا ”وَمَاذُبِحَ عَلَی النُّصُب“ اور ”وَلَاتَأْكُلُوامِمَّالَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِعَلَيْه“ عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس عقیدے کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ بت ان کو اللہ کے قریب کردیں گے اور اللہ کے حضوران کی سفارش کردیں گے۔اللہ نے قرآن کریم کے اندرارشادفرمایا مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّالِيُقَرِّبُونَااِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے جزیرۃ العرب کے مذہبی حالات کوپیش کر لینے کے بعد اب وہاں کے اجتماعی،اقتصادی اور اخلاقی حالات کا اجمالی خاکہ پیش کرنے جارہا ہوں۔عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے، چنانچہ طبقۂ اشراف میں مرد وعورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔اورعورت کو بہت کچھ خودمختاری حاصل تھی،اس کی بات کو مانا جاتا تھا اورعورت کا اتنا زیادہ تحفظ اور احترام کیا جاتا تھا کہ اگرعورت چاہتی تو قبائل کوصلح کے لئے اکٹھا کردیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خون ریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، اس طبقے میں مرداورعورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعہ ہوتا تھا اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کی زیرنگرانی انجام پاتا تھا،ایک طرف طبقۂ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف دوسرے طبقوں میں مرد وعورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھی جنہیں بدکاری و بےحیائی اورفحش کاری وزنا کاری کے علاوہ اورکوئی دوسرانام نہیں دیا جاسکتا۔حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چارصورتیں تھی،ایک تو وہی صورت جو آج

بھی لوگوں میں موجود ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام دیتا، پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اس کی شرم گاہ حاصل کرو (یعنی زنا کراؤ) اور شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہو جاتا کہ جس آدمی سے شرمگاہ حاصل کی تھی (یعنی زنا کرایا تھا) اس سے حمل ٹھہر گیا ہے، جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو، اس نکاح کو نکاح استبضاع کہا جاتا تھا اور اسی کو ہندوستان میں نیوگ کہتے ہیں۔ تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھا ہوتی، سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرنے سے جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند دن کے بعد سب کو بلاتی اور کہتی کہ میرے بطن سے جو بچہ پیدا ہوا ہے اے فلاں وہ تیرا ہے اور وہ جس کا نام لیتی وہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا۔ چوتھی صورت یہ تھی کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے اور وہ عورت اپنے پاس آنے والوں میں کسی کو انکار نہ کرتی اور یہ عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑی رکھتی تھی تاکہ یہ نشانی کا کام دے، لہذا جب ایسی عورت کو بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے، چنانچہ قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص سے ملحق کر دیتا اور وہ اسی کا لڑکا کہلاتا، جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دیئے صرف اسلامی نکاح رہا جو آج بھی رائج ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی، لوگ بیک وقت نکاح میں ایسی دو عورتوں کو بھی رکھ لیتے جو کہ سگی بہنیں ہوتیں، باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔(الرحیق المختوم)

اب ہم اقتصادی حالت پر نظر ڈالتے ہیں، اقتصادی حالت اجتماعی حالت کے تابع تھی اس کا اندازہ عرب کے ذریعۂ معاش پر نظر ڈالنے سے ہوسکتا ہے، کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضروریات زندگی حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ تھا، اور یہ بات معلوم ہے کہ تجارتی آمد و رفت امن وسلامتی کی فضا کے بغیر آسان نہیں اور جزیرۃ العرب کا حال یہ تھا کہ سوائے حرمت والے مہینوں کے امن وسلامتی کا کہیں وجود نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ صرف حرام مہینوں ہی میں عرب کے مشہور بازار عکاظ، ذی المجاز اور مجنہ وغیرہ لگتے تھے۔

اب میں آپ حضرات کے سامنے عہد جاہلیت کے جو اخلاق ان کے اندر موجود تھے اس کا کچھ اجمالی خاکہ پیش کرتا ہوں، یہ بات تو اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اہل جاہلیت میں خسیس و رذیل عادتیں اور وجدان وشعور اور عقل سلیم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں ایسے پسندیدہ اخلاق فاضلہ بھی تھے جنہیں دیکھ کر انسان دنگ اور ششدر رہ جاتے ہیں، مثلاً وفائے عہد اور خودداری وعزت نفس اور عزائم کی تکمیل اور حلم و بردباری وسنجیدگی اور بدوی سادگی اور اسی طرح کرم وسخاوت یہ اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے، حالت یہ تھی کہ سخت بھوک اور جاڑے کے زمانہ میں اگر ان کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اونٹنی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی واحد ذریعہ ہوتی تھی، ایسی حالت کے باوجود ان پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور اونٹنی کو اپنے مہمان

کے لئے ذبح کر دیتے، ان کی اس سخاوت کو عنترہ بن شداد نے اپنے ان اشعار کے اندر بڑے پیارے انداز سے ذکر کیا ہے۔

ولقد شربت من المدامة بعد ما ... ركدا لهواجر بالمشوف المعلم

بزجاجه صفراء ذات اسرة ... قرنت بازهر بالشمال مقدم

فإذاشربت فإنّنى مستهلب ... مالى وعرضى وافرله يكلم

واذاصحرت فماأقصّر عن ندى ... وكما علمت شمائلى وتكرمى

مقالہ نگار: زین العابدین بن ہاشم مانگرولی   مقالہ نمبر : ۴۵
متعلم: دارالعلوم حسنیہ، مانگرول

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلوة والسلام على من كان نبيّا وآدم بين الماء والطين : أمابعد

رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے پہلے ملک عرب کی آبادی مختلف طبقات اور مختلف حالات پر تھی، عام طور پر لوگ وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے، ظلم وستم میں حد سے تجاوز کر گئے تھے، یتیموں کا مال کھانا، ظالموں کی مدد کرنا، چھوٹی سی بات پر سالہاں سال تک لڑائیوں کو جاری رکھنا، عورتوں کی عزت لوٹنا، مردار کھانا اور بغیر کسی تحدید کے متعدد بیبیوں کا رکھنا بھی ایک معمولی بات تھی، حقیقی دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا، باپ کی منکوحہ کا بیٹے کو وراثت میں ملنا، ایک عورت کا ایک سے زیادہ خاوند رکھنا، ایک مرد کا جس سے چاہے شادی کرنا اور ساتھ میں ایک محبوبہ بھی رکھنا، عورت کا وراثت میں کسی حصہ کا نہ ہونا یہاں تک کہ زنا کاری اور بدکاری تمام طبقات میں ایسے عروج پر تھی کہ تاریخ کا ورق ورق ان کے سیاہ کارناموں سے سیاہ نظر آتا ہے اور ظلم وبربریت میں انتہا کو پہنچا ہوا طریقہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا تھا، پانچ چھ سال کی لڑکی کو باپ جنگل میں لے جاتا اور گڑھے کے کنارے پر کھڑا کر کے دھکا دے کر گرا دیتا اور چیختی چلاتی ہوئی معصوم بچی پر مٹی ڈال کر چلا آتا تھا'' فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَة '' جیسا حال تھا، اوران کے نکاح کا حال یہ تھا کہ ماں عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جاہلیت میں مردوں

اورعورتوں کے اختلاط کی صورتیں بھی جدا گانا تھیں، کہیں ایسا نکاح ہوتا تھا جو آج لوگوں میں رائج ہے یعنی زیرولایت ایک کا دوسرے کو پیغام دینا تو کہیں نکاح استبضاع ہوتا تھا، کہیں ایک جماعت کے زنا کرنے کے بعد جب وضع حمل ہوتا تو عورت زانی لوگوں میں سے جسے چاہتی پسند کر لیتی ،تو کہیں ایسا نکاح ہوتا کہ قیافہ شناس جس کے ساتھ چاہتا لاحق کر دیتا(صحیح بخاری کتاب النکاح) یہ تو ان کے نکاح کا حال تھا اور ان کی عبادتوں کا حال یہ تھا کہ پتھروں کے بتوں کو اپنا معبود بناتے اور ان کے سامنے جھکتے تھے،ان سے حاجتیں پوری ہونے کا عقیدہ رکھتے ،ان پر قربانی کا خون چڑھاتے ،کعبہ کا ننگا طواف کرتے، بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھاتے ایسے ماحول میں جہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا لوگ ان پر ہر طرح سے ظلم کرتے تھے ،عورتوں کے ساتھ زنا کاری اور بدکاری کا معاملہ عروج پر تھا کہ اللہ رب العزت نے عبداللہ ابن عبد المطلب کے گھر میں ۹ یا ۱۲ ربیع الاول ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ۲۰ یا ۲۲ اپریل کو صبح سویرے بی بی آمنہ کی گود میں ایک چاند اتارا، جیسا کے کسی شاعر نے اس پر کیا ہی نقشہ کھینچا ہے.

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
جب ظلم وستم حد سے گزرے، تشریف محمد ﷺ لے آئے

یہ وہ ہستی ہے جن کے دنیا میں جلوہ افروز ہوتے ہی ایوان کسرہ کے چودہ کنگرے گر گئے، مجوسیوں کا سالوں سے جلنے والا آتش کدہ سرد پڑ گیا، آپ ﷺ کا نام محمد رکھا گیا جو غیر معروف تھا، والدہ ماجدہ ارشاد فرماتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کا کوئی ایسا حمل نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ سبک و سہل ہو، آپ ﷺ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے والد کی وفات ہوگئی، میراث میں پانچ اونٹ اور ایک باندی کے سوا کچھ نہ چھوڑا اور پیدائش کے بعد رضاعت کی دولت خداداد حلیمہ سعدیہ کو نصیب ہوئی، ولادت کے پانچویں یا چھٹے سال واقعہ شقّ صدر پیش آیا جس میں دائی حلیمہ نے آپ ﷺ کو والدہ ماجدہ کے حوالے کر دیا، آپ ﷺ

کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی تو مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے بمقام ابوا میں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی دنیا سے رحلت فرمائی، والد کا سایہ تو پہلے ہی سے اٹھ چکا تھا والدہ کی آغوش شفقت کا بھی خاتمہ ہوا لیکن یہ یتیم جس آغوش رحمت میں پرورش پانے والے ہیں وہ ان سب اسباب سے بے نیاز ہیں، والدہ کے انتقال کے بعد آپ ﷺ دادا کی پرورش میں رہے، لیکن آٹھ سال کی عمر میں دادا کا بھی انتقال ہو گیا، دادا کی وصیت کے مطابق چچا ابو طالب آپ ﷺ کا حق برابر ادا کرتے رہے، آپ ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے اور کبھی کبھی اپنے چچا کے ساتھ تجارت کے لئے بھی جایا کرتے تھے، آپ ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال ملک شام لے جاتے تھے خدیجہؓ ایک عقلمند فہمیدہ اور مالدار خاتون تھیں، آپ ﷺ کی شرافت اور آپ کے محیّر العقول اخلاق کو دیکھ کر ان کو ایک سچا اعتقاد اور خالص انس ہو گیا جس کی وجہ سے خدیجہؓ نے خود ارادہ کیا کہ اگر آپ منظور فرمائیں تو آپ ہی سے نکاح کریں، حالانکہ اس سے پہلے بہت سارے رئیسوں اور سرداروں کے پیغام کو ٹھکرا دیا تھا، انہوں نے اپنے دل کی بات بذریعہ نفیسہ بنت منبہؓ نبی ﷺ کو پہنچائی آپ ﷺ نے مشورہ کے بعد رضامندی کا اظہار فرمایا، حضرت خدیجہؓ سے آپ کے دو فرزند ارجمند قاسم اور طاہر ہوئے، قاسم کی وجہ سے ہی آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی، چار صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، رقیہؓ، امّ کلثومؓ اور فاطمہؓ تھیں اور آپ کا ایک بیٹا جن کا نام ابراہیم ہے صرف وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے، جب آپ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی ہوئی تو اس وقت قریش نے بیت اللہ کی ازسرنو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، بیت اللہ کی تعمیر ہر شخص اپنی سعادت سمجھتا تھا، چنانچہ اس کی تعمیر کو قبائل میں تقسیم کرنے کی نوبت آئی تا کہ کوئی جھگڑا پیش نہ آئے، اسی تقسیم عمل کے ساتھ بناء کعبہ حجر اسود کی حد تک پہنچ گئی لیکن اب حجر اسود کو اٹھا کر تعمیر میں نصب کرنے کے متعلق سخت اختلاف ہوا، ہر قبیلہ اس بات کا خواہشمند تھا کہ وہی اس شرف کو حاصل کرلے اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کیوں کہ حجر اسود ایک ہے اور قبائل بہت سارے، قریش کے افراد میں کافی اختلاف ہوا اور اس پر جھگڑنے لگے اور عربوں کا مزاج تھا کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر قتال کیا کرتے تھے، تو پھر

اس شرف پر کیوں نہ قتال کرتے؟ جب کہ یہ تو شرف عظیم تھا! قریش کے ایک قبیلہ نے خون سے بھرے ہوئے پیالے میں اپنے ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے سے موت پر معاہدہ کیا، یا تو اس شرف کو حاصل کرینگے یا پھر مر جائینگے، اتنے بڑے خطرناک اور سنگین معاملے کو پیارے آقا ﷺ نے اپنی حکمت عملی اور دانائی سے چٹکیوں میں سلجھا دیا اور لوگوں کو قتل و غارت گری سے بچالیا۔

آپ ﷺ اصابت فکر دور بینی حق پسندی کے بلند منار تھے، نہ تو آپ نے کبھی شراب میں منہ مارا نہ آستانوں کا ذبیحہ کھایا اور نہ بتوں کے لئے منائے جانے والے میلوں میں کبھی شرکت کی، اور آپ کو بتوں سے پہلے ہی سے سخت نفرت تھی کہ لات و عزی کی قسم سننا بھی گوارا نہ تھا، نبی ﷺ اپنی قوم میں شریں کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے، چنانچہ آپ ﷺ سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ پاک نفس، سب سے زیادہ نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد اور سب سے بڑے امانت دار تھے حتی کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ کا نام امین اور صادق رکھ دیا تھا۔

آپ ﷺ خلوت اور تنہائی کی ساعات میں قدرت الٰہیہ پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور تحمید اور تقدیسِ خداوندی میں اکثر مصروف رہتے، جوں جوں آپ ﷺ کی عمر چالیس سال کے قریب ہوتی گئی توں توں تنہائی اور خلوت نشینی بڑھتی گئی، اکثر آپ ﷺ ستو اور پانی ہمراہ لے کر غار حرا میں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک وہاں مصروف عبادت رہتے، جب ستو اور پانی ختم ہو جاتا تو اور توشہ لے جاتے اور جا کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے یہاں تک کہ آخری چھ مہینہ میں آپ ﷺ ہمہ تن غار حرا میں خلوت نشینی میں مصروف رہے، اور جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہو چکی تو آفتاب رشد وہدایت نبوت ورسالت کی صورت میں طلوع ہوتا ہے۔

وآخر دعوانا عن الحمد لله رب العالمین

رقم الماقالة :٤٦

اعداد تقديم : عمران مهاراستروى

طالب : جامعيه قاسميه۔ كهرود

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم

أحوال العالم والعرب قبل إشراق فجر النبوة

لا يخفى أن اجتماع المؤرخين عامة على أنّ أوضاع العالم الإنسانى قبل إشراق فجر النبوة المحمدية كانت معتئمة ظلما حالكة فحماء، و كان الناس يعيشون فى دجاجير الظلم و الجهالة ويعمهون فى عقد نفسية وفكرية لم يكن من السهل حلّها۔

الآن نلقى نظرة خاطفة على أديان العالم بالإجمال والتقليل وعلى دين العرب بالبسط والتفصيل بالسطور الآتية، ليعرف شيئ من أحوال الكون المتدهورة (الهالكة) وأن هٰذِهِ الأحوال تتقاضى إلى قائد عظيم وهاد مرسل من الله لتبديد تلك الظلم والجهل۔

إزالة سوء التفاهم

قبل أن نبحث فيها. لابدلنا أن نزيل ما جرى فى تفاهم معنى الجهالة من الخطاء: حينما يجرى ذكر الجاهلية على وجه العموم بالمجالس بسرع العقل إلى اثنين، الأول : الجاهلية تتعلق بجزيرة العرب الثانى : عهد الجاهلٰ يطلق عليه الوحشية والحيوانية فحسب، والعرب كانوا قوما وحشيا لا يعلمون شيئا من العلم والفن والأدب ولا يملكون نبذا من لثقافة والحضارة

كـأنهـم كـالـو حـوش والأنـعم، ليست فيهم من الرزانة والشرافة، ولامن نظام الـعـمـل والحياة، ولامن القوانين التى لا بد فى عيشة راضية، ولكن الأمر ليس مـمـا يـظـن بـه، بـل الجاهلية قد انبعثت فى العالـم كله والعرب كان قوما حيا، شـجـاعـا، رزيـنـا، كـريـمـا، فـعالا، عزاما وغيرها من الخصائل، فلما طلع نور الإسـلام وجـلا الـعيـن بـصـارتـه والصدربصيرته وحل العقل عقدته وفرّق بين الإسـلام و الـكـفـر بـحقه وبطلانه أطلقوا الجاهلية والضلالة على مامضى من الزمن قبل الإسلام ـ (١)

أحوال اليهودية

اليهـودوان كـانـت امة عـندهاتوراة واحكام مذهبية وتفوق على اقوام الـعـالـم سـواهـاوتصلح ان تفهم التعبيرات عن الدين والمصلطحات لكن غيّر الـمـحتـرفون مافيهامن الاحكام والقوانين حتى صاروا مع العلم كمثل الحمار يـحـمل اسفارا وعرضة للاضطهاد والظلم والاستبداد والنفى والجلاء العذاب والبـلاء والـعـقاب والجزاء والمصائب والشقاء وشاعت فيها الكبرياء القومية والـفـخـرالـنسبـىّ والـجشع وشهوة المال وتعاطى الرباوعداهامن الخصائص الـخـلـقية التـى انـفـردت فيهـا بيـن الأقـوامـ مـنها الخنوع والتملق عندالعجز والـضعف والبطش والظلم وسوء المعاملة عند الغلبة والقدرة، والخدع البخل والـنـفـاق فـى عـامة الاحـوال، والـقساوة واكل اموال الناس بالباطل، والصدّ والمنع عن الحق فلم تستقربها على المنصب وعزلت عن امامة الاقوام وسيادة العالـم ـ (٢)

احوال المسيحية

كـذا الـحال للمسيحية لم تكن بعد رفع المسيح عليه السلام الا فريسة الـعـابثيـن والـمتـلاعبين ولعبة المنافقين والمحترفين وعرضة لتاويل الجاهلين وتبـديـل الـغـافـليـن، ولـم يبق فيهاروح تقوم عليه حضارة ولا وضوح تسير فى ضـوئـه دولة، نـفـذت فيهـا خـرافـات جـاهلية وعقائد حادثة الى ان اصبحت الـنـصـرانية بـأسـرها مزيجامن الخرافات اليونانية، والوثنية الرومانية والرهبانية التى ابتدعوهاواضمحل فيهامابقى قليل من تعاليم المسيح كما تتلاشى القطرة فـى البـحـروعـادت قـضـايـاعويصة لاتروق الروح ولا تشحذ العقل ولاترشد الـقلب ولا تحل معضلات الحياة، ومنذاالقرن الرابع المسيحى تغلغل الاعتقاد بـان الالـه الـواحـد كان مركبا من ثلاثة اقانيم فى قلوب المسيحيين ، الى ذلك اصبـحـت عـلـى مرورالعصوردياىة وثنية واسرفوا فى عبادة القديسين وتصوير المسيحية وفاقوافى ذلك الرومانية فى هذا العصر.(٣)

أحوال الصين

قبل القرن السادس كان ملكا عظيما ولكن منقطعا عن سائر العالم لايدخل احـد الابالاذن ولايتجر حرا، كان القوم على عبادة الارواح والأشجارو يزعمون ان هـذه الالهة آلهتـنـا، ويـكـرهـون ولادة البنات ويمرحون بالذكور وليست شؤ ون الـنسـاء الاان يـجهـزن الطعام ويربين الاولاد وما الى ذالك من الامور التى يحتجن فيهـا الـى الجهد والبلاء، وكان الملك بامره، ويظن اهل الصين انه عثار للإمارة من الخالق ،لذالا يخالفه احد ولاينكره، وانه ابن الخالق (SON OF HEAVEN) و حكومت سلطة سماوية (HEAVENLY KINGDOM) (٤)

احوال البوذا

البوذية قد ضاعت سذاجتها وفرديتها واختلستها الجاهلية الثائرة وتحولت وثنية راسخة تحمل اهلها الاصنام حيث سارت وانطلقت وتنصب تماثيل بوذاحيث حلت ونزلت، فلم تكن البوذية الاطرقالرياضة النفس وقمع الشهوات، ليس فيها الايمان بالله والكتاب لا النور الذى يهتدى به الناس الى صراط مستقيم . (٥)

أحوال الهنود

لقد اتفقت كلمة المؤرخين فى تاريخ الهند على ان احط ادوارها ديانة وخلقاهوعهد القرن السادس المسيحى قد بلغت الوثنية فيه اوجها، كان عد الآلهة فيه ثلاث مائة وثلاثين مليونا واستمرت الازدياد عليه حتى اصبح كل شئ رائع وجذاب وكل شئ نافع وضار الها يعبد، وذاعت الظلم والاستبداد والسفور والوقاحة والشهوة الجنسية الجامعة فى الجتمع الهندى، وقد نزلت النساء منزلة الاماء بل دونها، كان الرجل قد يخسر امرته فى القمار، فاذامات زوجها اظهار اللوفاء وفرار اللشفاء وفى بعض الاحيان للمراة عدة ازواج وعلاقة للزوج ان يكثر الزوج من خمسين الى مأة ، وكان نظام الطبقات اشدّ قسوة واعظم فضل بين طبقة وطبقة وأكثر استهانة بين انسان وانسان۔ (٦)

أحوال العرب

كان معظم العرب على دين أبيه اسماعيل عليه السلام، كانت تعبد الله وتوحده وتدين بدينه حتى طال عليهم الامد ونسواحظاً مما ذكروا به، فما

بـقـی فیهـم الا التـوحیـد وعدة شعائر من دینه ثم استمر زمان حتی دخل فیهم الشـرك بـالـله تعالی وعقائد باطلة، فاول من دعاهـم الی الشرك عمرو بن الحی الـذی جـاءِ بهبـل مـن الشـام وجـعـله فی جوف الکعبة هو اول صنم فی مکة فـاجـابـوا دعـوتـه ثم ازداد الشرك یوما فیوما وکثرت الاوثان فی کل بقعة من بـلاد الـعـرب حتی صار لکل قبیلة ثم لکل بیت صنم، وقد ملئوا البیت (الذی بـنـاه ابراهیم واسماعیل علیه السلام لعبادة الله وحده) بالأصنام، کان فیه وفی فـنـائه ثلاث مأة وستون صنما واکثر ما یصنعه العرب مع اصنامهم، ان احدهم اذا اراد السـفر فآخر مایصنع فی البیت ان یتوجه الی صنمه فیتمسح به واذا عاد مـنـه فـاول مایصنع ان یتوجه الیه ویتمسح به،کذا شاعت فیهم أمور ابتدعوها علی أصل الدین الوثنی الذی غرقوا فیه، ومنها ما یلی بالاختصار.....

بـدعة اختـصـاص الدابة بالاسماء(لا سباب متنوعة وضعتها انفسهم) مثـلا : البـحیـرة والسائبة والوصیلة والحام، لایرکبون علیهاولا یشربون البانها ولایحملون علیهاولاریب فیمایفعلونه کان تعبداً

بدعة عدم الطواف فی ثیاب عصی فیها الله تعالیٰ

بدعة الاستقسام بالازلام

بدعة الطیرةِ

بدعة تعلیق کعب الارنب

وإنهـم کـانـوا یتشـائـمـون ببعض الایام والشهور الحیوانات والدور والنساء، ویومنون باخبار الکهنة والعرافین والمنجمین، ویعتقدون ان المقتول لا یسکن روحـه مـالـم یوئخذبثاره، وکان من المعروف (المشهور) عند اهل الجاهلیة

انهـم يـعددون بين الزوجات من غير حد معروف ينتهى اليه، وكانوا يجمعون بين الاختين الشقيقتين ويتزوجون بزوجة آبائهم اذا طلقوها اوماتوعنها، وكان الـطـلاق بيـن الـرجال لكن لا الى حد معين فسقطت منزلة المرئة حتى كانت تـورث كـما تورث الاثاثة او الدابة، وتباع وتشترى كالامتعة والانبياء وتعامل مـعهـا كـالـحيـوانـات والـجمادات احيانا، وكانوا يئدون البنات خشية العار والانـفـاق، ويـقتـلـون الـولاد خشية الـفقرو الاملاق، ومن الماكولات ما هو خـاص للذكورو محرم على الاناث، فساء ت الاخلاق والاعمال، واشربو فى انـفسهـم الـخـمـر والـقـمار وبلغت بهم القساوة والشدة وشاعت فيهم الغارة وقـطع الطريق على القوافل، والخرافات لها جولة وصولة، والبدعات لها نوعة وجودة فكانت الاحوال كلها فى الحضيض من الضعف والعلل۔

كان اهل الجاهلية على هذا۔ ولاينكرأنهم رسخت دنايا ورذائل وكذا امـور يـنـكـرهـاالـعـقـل السـليم ويابٰهاالوجدان والشعورُ۔ الا كانت فيهم من الاخـلاق الـفـاضلة المحمودة مايدحش الانسان حينما يسمع ويفضى به الى العجب حينما شاهد، منهامايلى

كـانـوعلى صدق مقال وهوخلق كريم عرف به العرب فى احط ادوار الـجـاهـلية۔ ويـقـرون الـضيـوف ويتبـارون فـى ذلك ويـفتخرون فيـه كانهم لايـعـلـمـون البخل والشح۔ فرجل يأتيه الضيف جائعا فى البرد القارس وليس عـنـده بشئـى مـن الـمال الا ناقة كانت هى حياته وحياته اسرته۔ فتأخذه هزّة الكرم السخاء۔ فيقوم اليها ويذبحها له، انهم يوفون بالعهود والمواثيق ويكون الـعهـد عـنـدهـم ديـنا يتمسكون به۔ وكان من السهل فى سبيله قتل اولادهم

وتـخـريـب ديارهـم۔ ويحترمون الجواروالحرم واشهرالحرم ، منها عزة النفس والابـاء عن قبول الخسف والذل، فكانوا لايسمعون كلمة يشمون منها رائحة الـذل والهـون الاقـاموا الى السيف والسنان ثم تكون الحرب على قدم وساق ولا يبـالـون تـضـحية انفسهم فى هذا السبيل۔ منها المضىّ فى العزائم والجزم بها۔ حينما يعزم احد على شئى يرى فيه المجد لايصرفه صارف بل يخاطر فى سبيله۔ (٧)

لهم اخلاق فاضلةأخرى ماقصدنا استقصائها۔ خوفا لطولها.

قصارٰى الكلام بمامضى

إن الـديـانـات التـى نـالـت شرف المذاهب السماوية، والتى اخترعها الـمشـرعـون الـجـدد مـا انـزل الله بها من سلطان، قد تفانت روحها فصارت هيـكلاً عظيماً لا روح فيهاولا حياة وغلبت عليها التحريف، فعادت مجموعة كـلامية مـن النفس لا تستطيع (حول) ان تحق الحق بكلماتها ولا نوريهتدى الـنـاس بـه الـى نـجـاح الـدنيا وفوز الآخره۔ حتى طارت تعاليم الانبياء ادراج الـرياح انتشرت وفقدت كما تغيب رشاشة المطر فى اليم العظيم العميق۔ وما بـقـى مـنهـا ظـلّ بـمـنـزلة الـقـصـص الـموضوعة والاساطير النفسية وسائت المعاملات وفسدت الأخلاق وغابت العدل والقدر۔ وانخلع العذر وانتشرت قبـائـل وزاغـت الافـكـار۔ وشـاع الكفران والنكران وذاع العصيان والفجور، فـنسى الخلق جميعا بارئه وايس كله بمفازة فالفساد له دورة وجولة والضلال له كرّة وكثرة فالظلمات بعضها بعض۔

ولادة رسول الله ﷺ

ولـد افضل الانبياء والمرسلين صبيحة يوم الاثنين التاسع من شهر ربيع

الاول عام الأول من الفيل [٨] مـا وافـق العشرين اواثنين وعشرين من شهر ابريل لاحـدى وسبعين بعدخمس مأة من الميلاد على تحقيق العلامة محمد سلمان منصورفورى وفيها اقوال أخر [٩]

لـمـاولدته أمه ارسلت إلى جده تبشيرا بحفيده۔ فجاء مستبشراودخل بـه الـكـعبة ودعـا الله وشكرله وسمّاه محمداً (عليه الصلاة والتسليم)أرضعته الام الـحـنـون بعدها ثوبية (جارية عمه أبى لهب) بضعةايام ثم حليمة سعدية ذات البلاغة والفصاحةمن قبيلة بنى سعد كعادة العرب (تجليات نبوت)

حيـنـمـا مـضـت سـنتـان من عمره ﷺ وتمت الرضاعت اتت به الى امه ولـكـن لم يبق عندها لانها خشيت عليه وباء مكة فردته معهاالى بنى سعد مـكـث ثـمـه سـنتيـن وبيـنما وقع حادث شق الصدر خشيت عليه حليمة الضرر فردته الى امه وقد مضى من عمره أربع سنوات فكان عندها الى ان بـلـغ سـت سـنيـن، ثـم حـدث لهـاالسـفـر الى يثرب كئى تزورقبرزوجها الـمـحـتـرم فسافرت اليها ومكثت هنا شهراثم قفلت وبينه ان ترجع اصابها الـمـرض فـانشبـت المنيّة اظفار ها وعرض لهاالسفربين السفرالى الآخرة التى هى خير وابقى۔

الى جده العطوف

فـكـفله الشيخ عبد المطلب احسن الكفالة واشرف عليه اجمل الرقابة، و نـقـل ابـن هشـام فـى سيرته انه يوضع لعبد المطلب الفراش فى ظل البيت الـحـرام وبـنـوه يـجلسون حوله ولا يأتون عليه وكان النبى ﷺ يخرج اليه

وهوغلام خفر ويجلس عليه اعمامه يمنعونه منه ويأخذونه، فيقول عبد المطلب دعوه فو الله ان له لشأناان له لشانا۔

الى عمه الشفوق

فلما بلغ ﷺ ثمانى سنين وشهرين وعشرة ايام من عمره توفى جده العطوف ثم نهض ابو طالب بحق ابن اخيه الشقيق على اكمل الوجه وافضل الاحترام والتقدير، وكان اعطف عليه اكثر حبا عليه من ابنائه وكان يتعهده فكان اليه معه۔

حرب الفجارة

ولما بلغ رسول الله ﷺ خمس عشرة سنة من عمره جرت حرب الفجار فى شهر القعدة بسوق عكاظ بين قريش ومن معهم من كنانه وبين قيس، حضرها رسول الله ﷺ وكان ينبل على اعمامه وبذلك عرف الحرب، وعرف الفروسية والفتوة۔

زواج الحبيب ﷺ

ولمابلغ رسول الله ﷺ خمس وعشرين سنة تزوج خديجة بنت خويلد وكانت امرأة حازمة العقل لبينة الفهم شريفة النسب ذات كرم واحلاق واموال

بناء البيت وتحكيم الرسول ﷺ

ولخمس وثلاثين سنة من مولده قامت قريش ببناء الكعبة وذلك لان نفرامن اللصوص سرقوا كنزهاالذى كان فى جوفها لعدم سقفها وفى ذلك العام اجرفت مكةبسيل العرم وانحدر الى البيت الحرام فأوشكت

الـكـعبةمـنـه على الانهيار فاضطرت الى تجديدبنائها حرصا على مكانتها فبـنتهـا بـالـمـال الـطيـب على اتفاق الآراء حتى بلغ البنيان موضع الحجر الاسـود اختـلف الـنـاس فيمن يمتاز بشرف وضعه فی مكانه واشتد النزاع حتـی كاد ان يتحول الى حرب ضروس فی أرض الحرم ولكن حل النزاع بـاتـفـاقهـم عـلـی رائی فشـرف الـلـه تـعالی بهذا النبیﷺ بعد ان حمله الاشـراف مـن الـنـاس الـی الـمـكـان (الـمـوضع) فاخذه النبی ﷺ بيده المبار كة ووضعه بمكانه ورضی عنه الناس جميعاً۔[۱۰]

الخصائل الحميده

ان الـنبـی ﷺ قـد نشأ تحت ظل الحفظ من الله تعالی ، كان بعيدا عفونة الجاهلية و خرافاتها وبدعاتها، لم يحضر للاوثان عيدا ولا احتفالا قط وما قـام بـالـمـوضـوعـات والرسومات بل كان نافرا منها والمحبودات الباطلة وكـان صـاحـب الفكر الصائب والنظر السديد، وله احسن الفطنة واصالة الـفكرة وسـداد الـوسيـلة والهدف، ويمتاز فی قومه بخلال عذبة وشمائل كـرمةو وكـان افـضـلهم مروء ة وحسنهم اخلاقا واعزهم جوارا واعظمهم حـلـمـاً واصـدقهـم حـديثا واعفهم خيراً واوفاهم عهدا وامنهم امانة حتى سـمـاه قـومه (الامين) واو صلهم للرحم واشدهم تواضعا، واكثرهم عدلا واشـدهـم حبـا وابسـطهـم جـوداً وعـلـی الجملة فقد كان متحليابصفات الكمال المنقطعة النظير، أدّبه ربه فاحسن تأديبه۔[۱۱]

والـصلاة والتسليم على من اخرج الناس من الظلمات الى النوروعلى اله

وأصحابه اجمعین ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم، وتب علینانك انت التوّاب الرحیم۔

حواشی

(۱) محمد رسول الله ﷺ الشیخ محمد میاں، ص :٤)

(۲) السیرة النبویة الندوی، ص : ۲۳ ،

(۳) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، ص: ٥١)

(٤) جدید صین ملخصا۔

(٥) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، ص:٥٧۔ السیرةالنبویه، ص : ۲۸)

(٦) السیرة النبویة، ص : ٣٦ ، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، ص: ٥٩)

(۷) الرحیق المختوم، ص : ۳۷، السیرة النبویة ، ص : ٤٢)

(۸) هذاما وقع فیه حادث عظیم لم یحدث مثله فی تاریخ العرب، هو ان ابرهة الذی كان عامل النجاشی، بنی بصنعاء الیمن كنیسة مثل الكعنة ورادان یصرف إلیها الناس للحج من كل فج عمیق، ویهدفم الكعبة حتی لا تكون مثانة للناس، فسار الیها بین الجیش الجرار بالفیل اسمه محمود، لما وصل قرب مكة ووقع هناك، ثم هیئا فیله الی البیت لیصول علیه برك فی طریقه ولم یتوجه سیرا الی مكةدون سواها،اذا ارسل الله تعالی علیهم طیرا ابابیل ترمیهم بحجارة من سجیل حتی هلكوا افصاروا كعصف مأكلو، وذاوقع قبلخمسین اورخمسة و خمسین یوما من الولادة، (بالاختصار من كتب سیر) بینه الله تعالی فی سورة الفیل اجمالا، إقرأ التفصیل حادثة الفیل السیرة النبویة الابن هشام ص: ۲۱۔ ۲۹)

(۹) الرحیق المختوم ،ص: ٥٨، رحمة للعالمین ، ص ٤)

(۱۰) الرحیق المختوم ، ص : ١٥)

(۱۱) الرحیق المختوم، ص ۱۷، السیرة النبویة ۱۰۹)

مقالہ نگار: حارث ایم۔ پی
متعلم : جامعہ کاشف العلوم سیڈوکر

مقالہ نمبر :۴۷

عرب حکومتیں اور سرداریاں

اسلام سے قبل عرب کے جو حالات تھے ان پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب سمجھتا ہوں کہ وہاں کی حکومتیں اور مذاہب کا بھی ایک مختصر سا خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ ظہور اسلام کے وقت جو پوزیشن تھی وہ بآسانی سمجھ میں آ سکے، جس وقت جزیرۃ العرب پر خورشید اسلام کی تابناک شعائیں ضوفگن ہوئیں وہاں دو طرح کے حکمراں تھے، ایک تاج پوش بادشاہ جو حقیقت میں خود آزاد نہ تھے اور دوسرے قبائلی سردار جنہیں اختیارات و امتیازات کے اعتبار سے وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی، لیکن ان کی اکثریت کو ایک امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد و خود مختار تھے، شاہان یمن، شاہان شام، شاہان عراق بقیہ عرب تاج پوش نہ تھے۔

جاہلیت کے حالات: تمام عرب اس وقت بت پرست، الحاد، قطع رحمی، اللہ کے ذکر سے روگردانی، جادو ٹوٹکے، شگون لینے والے ستاروں، پتھروں اور اس قسم کی دیگر چیزوں کی پرستش کرنے والے تھے، حال یہ تھا کہ گوہ، بچھو، سانپ اور مردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے، قحط اور خشک سالی کے دوران اونٹوں کو زخمی کر دیا کرتے تھے پھر ان کا خون پیتے تھے۔

عرب اور ادیان و مذاہب: عام باشندگان عرب حضرت اسماعیلؑ کی دعوت وتبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہمی کے پیرو تھے اس لئے صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، لیکن

انہوں نے آہستہ آہستہ خدائی درس ونصیحت کو بھلا دیا اور وہ لوگ ہبل بت کو لے کر آئے اور اس کے علاوہ عرب کے بتوں میں سے مناۃ ہے، اس کے بعد طائف میں لات نامی بت وجود میں آیا پھر وادیٔ نخلہ میں عزی بت وجود میں آیا۔

عرب کے لوگوں کی شرک کی کچھ صورتیں: مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے ان کو حاجت رواں اور مشکل کشاں سمجھتے تھے، بتوں کا حج وطواف کرتے تھے اور انہیں سجدہ کرتے تھے، دین ابراہیمی میں قریش کی بدعات یہ تھی؛ اہل جاہلیت کے عقائد واعمال ان کے اندر دین ابراہیمی کے کچھ باقیات بھی تھے، چنانچہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، حج وعمرہ کرتے تھے، عرفات ومزدلفہ میں ٹھہرتے تھے، انہوں نے ایسی بہت سی بدعتیں ایجاد کر کے شامل کر دی تھیں وہ کہتے تھے کہ ہم ابراہیم کی اولاد ہیں بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں۔

اجتماعی حالت: عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی، اور ہر ایک طبقے کے حالات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے، چنانچہ طبقۂ اشراف میں مرد عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا، اور عورت کو بہت زیادہ خودمختاری حاصل تھی اور اس کا اتنا احترام وتحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں نکل پڑتی تھیں، ایک طرف طبقۂ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف بعض طبقوں میں مرد وعورت کے اختلاط بہت عام تھے، اقتصادی حالت اجتماعی حالت کے تابع تھی، اس کا اندازہ عرب کے ذرائع معاش پر نظر ڈالنے سے ہوسکتا ہے، کیوں کہ تجارت ہی ان کے نزدیک ضروریات زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ تھی اور جزیرۃ العرب کا یہ حال تھا کہ سوائے حرمت والے مہینوں کے امن وسلامتی کا کہیں وجود نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ صرف حرام مہینوں میں ہی عرب کے مشہور بازار عکاظ، ذی المجاذ اور مجنّہ وغیرہ لگتے تھے۔

اخلاق: یہ تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ اہل جاہلیت میں خسیس ورذیل عادتیں اور عقل

سلیم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں لیکن ان میں کچھ ایسے پسندیدہ لوگ بھی تھے جنہیں دیکھکر انسان دنگ رہ جاتا تھا، کرم وسخاوت پر اہل جاہلیت کا ایسا وصف تھا جس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے اور ظلم وجبر برداشت نہ کرنا بھی جاہلیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔

آنحضرت ﷺ کا نسب شریف: آپ ﷺ کا نسب سب سے پاک اور اطہر ہے یہ وہ بات ہے کہ تمام کفار مکہ اور آپ ﷺ کے دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے، آپ ﷺ کا نسب والد کی طرف سے یہ ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان یہاں تک سلسلۂ نسب باجماع امت ثابت ہے اور یہاں سے آدمؑ تک کا اختلاف ہے اس لئے اس کو ترک کیا جاتا ہے

ولادت باسعادت: رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل یوم دوشنبہ صبح کے وقت پیدا ہوئے، ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی، ولادت کے بعد آپ ﷺ کی والدہ نے عبدالمطلب کو پوتے کی خبر دی اور آپ کو خانۂ کعبہ میں لے جا کر دعا کی اور عرب کے دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ کیا اور آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے بعد ثویبہؓ نے دودھ پلایا۔

آپ ﷺ بنی سعد میں: عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لئے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ ٹھوس عربی بول سکیں اس لئے عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو حلیمہ بنت ابی ذوئیب کے حوالے کیا، جب آپ ﷺ کی عمر دوسال کی ہوئی تو حلیمہ نے آپ ﷺ کو دودھ چھڑایا، پھر آپ ﷺ کی والدہ آمنہ کے پاس لے کر آئیں اور کہا آپ اپنے بچے کو

میرے ساتھ واپس بھیج دیں تاکہ وہ مکہ کی وبا سے بچا رہے، پھر حلیمہ آپ ﷺ کو واپس لے کر آ گئیں۔

واقعہ شقّ صدر: اس طرح رسول اللہ ﷺ کی مدت رضاعت ختم ہوئی یہاں تک کہ آپ کی ولادت کے چوتھے یا پانچویں سال واقعہ شقّ صدر پیش آیا، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے پاس جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو لٹا کر سینہ چاک کیا اور دل نکالا اور اس کو ایک طشت میں زم زم کے پانی سے دھویا پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا اس سے حلیمہؓ کو خطرہ محسوس ہوا اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لوٹا دیا اور چھ سال تک والدہ ہی کے پاس رہے، پھر آپ ﷺ دادا عبدالمطلب کے پاس رہے، دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی اچھی طریقہ سے پرورش کی، آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال دو مہینے دس دن تھی کہ دادا کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا، پھر عبدالمطلب کے بعد آپ ﷺ کی پرورش ابو طالب نے کی آپ کو اپنی اولاد میں شامل کیا۔

روئے مبارک سے فیضان باراں کی طلب: ابن عساکر جہلمہ بن عرفطہؓ سے روایت ہے کہ میں مکہ آیا مجھے لوگوں نے قحط کی شکایت کی میں نے ابو طالب سے کہا وادی قحط کا شکار ہے ابو طالب ایک بچے کو ساتھ لے کر آئے تھے ابو طالب نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور خانۂ کعبہ کی دیوار سے آپ ﷺ کی پیٹھ لگا دی ابھی بادل پر ایک ٹکڑا بھی نہ تھا کہ اچانک ادھر اُدھر سے بادل کی آمد شروع ہوئی اور موسلا دھار بارش ہوئی اس کے بعد ابو طالب نے کچھ اشعار کہے وہ یہ ہیں۔

وہ خوب صورت ہیں ان کے چہرے سے، بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے
یتیموں کے ماوٰی اور بیواؤں کے محافظ ہیں

بحیرا راہب: بعض روایتوں کے مطابق جب آپ ﷺ کی عمر ۱۲ سال اور ایک قول

کے مطابق ۱۲ سال دو مہینے دس دن ہوئی تو ابو طالب آپ ﷺ کو لے کر تجارت کے لئے نکلے، اس شہر میں جرجیش نامی ایک راہب رہتا تھا جب اس نے قافلے کو دیکھا تو آپ ﷺ کو پہچان لیا آپ ﷺ کی مہر نبوت کی وجہ سے جو کندھے کے نیچے سیب کی طرح تھی، اس نے کہا ابوطالب ان کو واپس کردو کیوں کہ یہود کا خطرہ ہے، لہذا ابوطالب نے واپس کردیا۔

جنگ فجار: آپ ﷺ کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو ایک طرف قریش اور بنو کنانہ تھے اور دوسری طرف قیش عیلان تھے، اس جنگ میں آپ ﷺ بھی تھے جو اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی: جب آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی تو آپ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر ملک شام تجارت کے لئے جاتے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ بھی جاتے تھے، اس لئے میسرہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق سے واقف تھے اور حضرت خدیجہؓ اپنے مال میں برکت دیکھتی تھیں اور اسے بیچ کر حضرت خدیجہؓ دوگنا نفع اٹھاتی تھیں، اس لئے ان کا دل بھر آیا اور انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعہ آپ ﷺ کو پیغام نکاح دیا اور آپ ﷺ نے بھی قبول کرلیا، آپ ﷺ کے چچاؤں نے ان سے بات کی یعنی حضرت خدیجہؓ کے چچا سے اور نکاح ہوگیا اور آپ نے ۲۰ اونٹ مہر میں دیئے اس وقت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال تھی اور آپ ﷺ کی تمام اولاد خدیجہؓ کے بطن سے تھیں ابراہیم کے علاوہ۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر: جب آپ ﷺ کی عمر شریف ۳۵ سال کی ہوئی تو قریش نے اس وقت بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کا ارادہ کیا، ہر شخص بیت اللہ کی تعمیر اپنی سعادت سمجھتا تھا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کی تعمیر میں زیادہ حصہ لیا جائے، لیکن کعبہ کی تعمیر حجر اسود تک پہنچ گئی تو لوگوں میں سخت اختلاف ہوا کہ کون حجر اسود کو اٹھا کر تعمیر میں نصب کرے؟ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ جو شخص اس مسجد کے دروازے سے سب سے پہلے داخل ہو وہی اس کا فیصلہ کرے گا، چنانچہ

حضور ﷺ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے اور انہوں نے تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور آپ کو تمام لوگوں نے باالتفاق امین تسلیم کیا۔

نبوت سے پہلے کی اجمالی سیرت: نبی ﷺ اپنی قوم میں شریں اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے، چنانچہ حضور ﷺ سب سے بامروت، سب سے بڑھ کر دور اندیش، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ پاک نفس ہوئے۔

مقالہ نگار: محمد رضوان بن مولانا عبدالرشید ہالولوی مقالہ نمبر ۴۸
متعلم: دارالعلوم بڑودا، تاندلجا

الحمد لله رب العالمين، والصلوة السلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه اجمعين، أما بعد :أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، وَكُنتُمُ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمُ مِنْهَا، وقال تعالى لَقَدْ مَنَّ اللّٰه عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمُ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمُ، الخ صدق الله العظيم۔

ارباب علم ودانش، اہل مدارس، علماء کرام، طلبۂ عظام، دوستوں اور بزرگوں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہالت وضلالت اور گمراہی وظلمت کے اعتبار سے دنیا کی تاریخ میں سب سے تاریک دور وہ تھا جس کے خاتمہ پر رحمت عالم ﷺ کی بعثت ہوئی، اس زمانہ میں انسانی برادری، سماج، سوسائیٹی، کفر وشرک، بت پرستی، خواہشات نفسانی، ہوس ناکی، ظلم وزیادتی، بداعتقادی، بداخلاقی اور بدکاری کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ اللہ وحدہ لاشرک لہ کی ذات وصفات میں بہت سو کو شریک کر کے ان کی پرستش کی جاتی تھی، تقریبا ہر فرد کا خدا جدا تھا حتی کہ بعض جگہوں پر تو بت پرستوں کی تعداد کم تھی مگر بتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی کہتے تھے ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى الخ'': ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے مقرب ہیں، ہماری ان کے آگے ان کی اللہ کے آگے وہ ہماری سنتا نہیں ان کی ٹھکراتا نہیں، اس طرح کی گمراہی اور بد اعتقادی سے بت پرستی کی گنجائش نکال رکھی تھی، اسی کے ساتھ خواہشات نفسانی کے بھی

انہوں نے بہت سے حرام و ناجائز طریقے تجویز کرر کھے تھے، جانوروں کی طرح ان میں بھی کوئی خاص پاس ولحاظ اور پابندی نہ تھی، جہاں چاہا اور جس سے چاہا منہ کالا کرلیا، شباب کی مستی کے علاوہ شراب نوشی کا عالم یہ تھا کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بعض جہالت کے بیمار پیدا ہوتے ہی بچہ کے حلق میں شراب ٹپکا دیتے تھے، پیدا ہونے والے بچے کو دودھ بعد میں پلاتے شراب پہلے پلاتے، پھر اس شراب و شباب کے نتیجے میں اکثر و بیشتر ہوتا یہ تھا کہ ان کے درمیان معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا شروع ہوکر جنگ و جدال تک نوبت پہونچتی اور سالہا سال تک اس کا سلسلہ جلدی رہتا بلکہ اسے جاری رکھنے کی نصیحتیں اور وصیتیں کی جاتی تھیں، ظلم و زیادتی اور قساوت قلبی ایسی کہ اگر کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تو خود اس کا سگا باپ وہ پاپ کرتا کہ شیطان بھی شرمائے، یعنی اپنے ہاتھوں سے اس معصوم بچی کو زندہ زیر زمین دفن کردیا جاتا، جہاں تک بیٹوں کی بات ہے تو عموماً دو سے زائد بیٹوں کو فقر و فاقہ کے خوف سے قتل کردیا جاتا تھا، جس کو قرآن نے کہا: ”لَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاق، نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ“ کہ مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو مار نہ ڈالو، ان کو اور تم کو رزق ہم دیتے ہیں، کوئی کسی کو نہیں پالتا، سب کو ہم ہی پالتے اور رزق پہونچاتے ہیں، پالنہار اور رزّاق ہم ہی ہیں۔

غور کیجئے! جو لوگ اپنی اولاد کے ساتھ اتنا بدترین سلوک کرتے ہیں تو وہ اوروں کے ساتھ تو کیا کچھ نہ کرتے ہونگے، اسی لئے اب تک ہمارے مؤرخوں اور تاریخ نویسوں نے زمانۂ جاہلیت کی گمراہی، ظلم و زیادتی اور برائی کا جو کچھ نقشہ کھینچا ہے حقیقت یہ ہے کہ ساری تفصیلات قلمبند اور جمع کرنے کے باوجود اب تک کوئی فردِ بشر اس دور جاہلیت کی تفصیل کما حقہ بیان نہیں کرسکا، مگر قربان جائیے! کلام الٰہی کی وضاحت اور نطق بیانی پر کہ اس نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں زمانۂ جاہلیت کا نقشہ

کھینچا اور اس دور کی صحیح تصویر پیش کردی، فرمایا "وَکُنتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا" دنیاوالوں! تم اپنی جہالت کی وجہ سے آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کی پوری تیاری کر چکے تھے، اور قریب تھا وہ سمندر تمہارا نام ونشان اور وجود ہی مٹا دیتا، مگر عین انسانیت کے اس جاں کنی کے عالم میں محسن اعظم نے احسان فرما کر دنیائے انسانیت کو حیات جاودانی بخشنے کے لئے، کفر کی ظلمت کو نور ایمان سے بدلنے کے لئے، شرک کی ضلالت کو توحید و ہدایت سے بدلنے کے لئے، اور دنیا میں ایک صالح و عظیم انقلاب برپا کرنے کے لئے رحمت عالم ﷺ کو مبعوث فرمایا" لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من أنفسھم" اللہ جل جلالہ کے احسانات تو بے شمار ہیں، مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت ایک ایسا انعام اور احسان ہے جس پر خود منعم حقیقی نے ناز فرمایا اور احسان جتایا۔ پھر دنیائے انسانیت نے دیکھا اور جانا کہ حق تعالیٰ کے ان احسانات عظیم کے بعد یعنی آفتاب ہدایت کے طلوع ہوتے ہی اطراف عالم روشن اور منوّر رہو گیا آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا نور سارے عالم میں پھیلا اور حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔

کل تک جو بدترین زمانہ تھا وہ اب بہترین دور ہو گیا، کل زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ رہزن تھے اب وہی ساری کائنات انسانی کے لئے رہبر بن گئے، "أصحابی کالنّجوم" غرض نہایت ہی مختصر مدّت میں پیغمبری اصلاحات سے وہ انقلاب آ گیا جس کی دنیائے انسانیت کو ضرورت تھی اور دنیا سے جہالت کی ظلمت دور ہو کر ہر سو ھدایت و رحمت کی موسلا دھار بارش برسنے لگی اور دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا، اس سارے مضمون کو کسی نے یوں ادا کیا کہ...

حضور ﷺ آئے تو توسرّ آفرینش پا گئی دنیا
اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گئی دنیا

حضور ﷺ آئے تو انسانوں نے جینے کا شعور پایا
زمانہ میں بہار آئی عجب ایک انقلاب آیا

سیدنا جعفر طیارؓ نے اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ حبشہ ''اصحمہ'' کے ھجرت کی وجہ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اے بادشاہ! ہم جاھل تھے بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کا ارتکاب کرتے تھے، قرابتوں کو قطع کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، ہم جاہلیت کی اسی وحشت کا شکار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا، ایسا پیغمبر کہ جس کا حسب ونسب، جس کی صدق و دیانت، جس کی امانت وعفّت سب سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہمیں توحید ربانی اور عبادت الٰہی کی دعوت دی، ہم اور ہمارے آباء واجداد جن بے جان پتھروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان سب کو یک لخت چھوڑ دینے کی ہدایت کی، بات کی سچائی اور امانت کی ادائیگی، اپنوں کے ساتھ صلح رحمی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، حرام کاموں سے رکنے اور فساد وخون ریزی سے بچنے کی تاکید کی، ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ جل شانہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، حضرت جعفرؓ نے اس بیان میں زمانۂ جاہلیت کا نقشہ اور احکام اسلامی کی تصویرکشی اس خوبی سے کی کہ یہ تقریر جامعیت بیان کا ایک حسین اور خوبصورت گلدستہ اور تاریخ اسلام کا ایک قیمتی دستاویز بن گئی، اس بیان کے دوران حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے نجاشی کی خواہش پر قرآن کریم میں سے سورۂ مریم پڑھی، جس میں سیدنا عیسیٰؑ کی اعجازی ولادت اور ان کی عبدیت ورسالت کا تذکرہ آیا، سن کر درباری بڑے متأثر ہوئے، آنکھیں اشکبار اور نم ہوگئیں، دل حقانیت اسلام کا گواہ بن گیا اور زبان سے کلمۂ شہادت پڑھ کر سعادت ابدی کا اعلان کردیا،

حضرات: صالح انقلاب کے لئے پیغام مصطفیٰ کو عام کیا جائے، رحمت للعالمین

ﷺ کا پیغام اگر سمجھ لیا جائے تو اس سے دلوں کی دنیا میں صالح انقلاب آتا ہے اور دنیا کا انسان حیوان ناطق سے حیوان کامل بن جاتا ہے، جہالت کی ظلمت ختم ہو کر ہدایت و سعادت کی دولت نصیب ہوتی ہے، اس سے انشاء اللہ پھر ایک اچھا انقلاب برپا ہوگا، اسی پر میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

چراغ دین احمد بجھ رہا ہے دور ہے ابتر　　　اسی کو گر جلاؤ گے تو ہو گی روشنی گھر گھر

مقالہ نگار :محمد تنویر جونا گڈھی　　　　مقالہ نمبر : ۴۹
متعلم :جامعہ کاشف العلوم،سیڈوکر

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدهو نصلي على رسوله الكريم، أ ما بعد :

قال الله تعالى: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ، صدق الله العظيم

صدر محترم و معزز علماء کرام!

بعثت نبوی ﷺ کے بعد اسلام پر دو دور گزرے ہیں ایک کو مکی دور اور دوسرے کو مدنی دور کہا جاتا ہے، یہ دونوں دور مختلف خصوصیتوں کے حامل ہیں اور دونوں دور سے خصوصیت کے ساتھ آج کل کے حالات میں اہل اسلام کو مختلف پیغام ملتے ہیں؛ ایسے پیغام جن کی روشنی میں اہل اسلام اپنے پورے وتشخصات کے ساتھ دنیا کے کسی بھی کونے میں پرسکون اور پروقار زندگی گزار سکتے ہیں۔

مکّی دور

نبوت اور پہلی وحی: آپ ﷺ کا زمانۂ نبوت جتنا قریب آرہا تھا دنیوی علائق سے کنارہ کشی اور تفرد میں دل جمعی کا غلبہ بڑھتا جارہا تھا، آپ ﷺ مکہ معظّمہ سے تین میل شمال میں غار حرا میں مہینوں قیام فرماتے اور وہاں عبادت وریاضت میں مصروف رہتے ، یہ نبوت کا دیباچہ تھا کہ خواب کے ذریعہ آپ ﷺ پر مخفی اسرار منکشف ہونے لگے، جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے بعینہ وہ پیش آجاتا۔

نبوت اور پہلی وحی کا نزول: حسب معمول آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبرئیل امینؑ تشریف لائے اور قیامت تک کے لئے خلعت نبوت آپ ﷺ کے زیب تن کی اور وحی کا آغاز ''إقرأ باسم ربّك الذى خلق'' سے ہوا۔

جس وقت آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اس وقت پوری دنیا شرک و بت پرستی کی لپیٹ میں تھی، سارے عرب و عجم ایسی اخلاقی پراگندگی اور ظلم چیرہ دستی کے حالات تک پہنچ گئے تھے کہ انسان کا بحیثیت انسان تشخص ختم ہوتا جا رہا تھا اور گویا انسان اپنے انسانی تشخص سے محروم ہونے کے دہانے پر پہنچ گیا تھا، عیسائی موحدین بھی کہیں کہیں گنے چنے موجود تھے ورنہ ان کی اکثریت بھی تحریف شدہ عیسوی مذہب پر عمل پیرا تھی اس کا اندازہ حضرت سلمان فارسیؓ کی اس روداد سفر سے ہوسکتا ہے، جو انہوں نے حق کی تلاش میں کیا تھا، ایسے وقت میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

دعوت حق کا آغاز: حضور ﷺ نے نبوت ملنے پر بتدریج اپنی ذمہ داری انجام دینا شروع فرمادی، دین کی صحیح حقیقتوں سے باخبر کرنا شروع کر دیا اور اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی، قدرے وقفہ کے بعد عمومی طور پر دعوت دینے کے لئے یہ حکم دیا گیا (قُمْ فَأَنْذِرْ) اٹھ کھڑے ہوئیے، ایسے مشرک واصنام پرست قوم کو ڈرانے حکم دیا گیا جن کے کان آج سے پہلے توحید سے نا آشنا تھے، ان کے سامنے حضور ﷺ نے فریضۂ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت روح فرسا اور جان لیوا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس لئے آپ ﷺ نے انتہائی دانشمندانہ تدابیر سے کام آگے بڑھایا، ابتداءً امانت توحید کے پرخطر راز کو پیش کرنے کے لئے صرف ان لوگوں کو منتخب کیا جو آپ ﷺ کی چالیس سالہ زندگی میں اخلاق و عادات کا تجربہ کر چکے تھے اور وہ لوگ آپ ﷺ کے صدق دعوی کا قطعی

فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، رفتہ رفتہ آپ ﷺ نے دائرۂ تبلیغ کو وسیع فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد اور غلام جوان اور بوڑھے، مرد اور عورتیں ہر ہر زمرے کے لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، جب حلقۂ احباب وسیع ہونے لگا تو دار ارقم کو تبلیغ کا مرکز بنایا گیا۔

جاں نثاروں کا حلقہ جس قدر بڑھتا جا رہا تھا، مصائب و آلام اور قریش کی آتش عناد کے شعلے بھی بھڑکتے جا رہے تھے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی دعوت کو روکنے کے لئے جتنے حربے اور ہتھکنڈے ہو سکتے تھے آزما ڈالے، جب مخالفین کی مخالفت اور ان کے پروپیگنڈے تمام تر ناکام ہوئے تو انہوں نے خصوصیت کے ساتھ اسلام لانے والے کمزوروں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے۔

ہجرت حبشہ: جب آپ ﷺ نے دیکھا کے اصحاب اور رفقاء کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، اگر تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ تو اچھا ہے وہاں کا جو بادشاہ ہے اس کی حکومت میں کوئی دوسرے پر ظلم نہیں کرتا، اس موقع پر مسلمانوں میں سے جو بہت پریشان ہو گئے تھے انہوں نے حبشہ کی ہجرت کی۔ یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے مسلمان وہاں پہنچے، قریش مسلمانوں کا تعاقب کر کے حبشہ پہنچے مگر وہاں کے بادشاہ نے اخلاق و عادات اور صحیح دین پر مسلمانوں کو دیکھکر اپنی طرف سے امان دی۔

شعب ابی طالب: جب قریش نے دیکھا کہ ہزاروں اذیتوں اور مخالفتوں کے باوجود اسلام کا دائرہ بڑھتا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو تمام قبائل نے مل کر ایک معاہدہ مرتب کیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خاندان کو پہاڑ کے درے میں محصور کر کے مجبور و بے سہارا کر دیا جائے، جب تک کہ وہ محمد ﷺ کو قتل کے

لئے حوالے نہ کردے، مسلسل تین سال تک آپ ﷺ اور تمام آل ہاشم شعب ابی طالب میں محصور رہے، یہ زمانہ ایسا گزرا کہ محصور مسلمان پتے کھا کر رہتے تھے اور بچے بھوک سے بلبلاتے تھے، آخر کار یہ معاھدہ بحکم الٰہی دیمک کی نظر ہو گیا، اس کے بعد اس حصار سے ان کی خلاصی ہوئی، شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد قریش کا ایذا رسانی کا سلسلہ بدستور جاری رہا البتہ آپ ﷺ کے لئے ایک مزید پریشانی اس طور پر بڑھی کہ آپ ﷺ کے بڑے با اثر حامی چچا ابو طالب اور آپ ﷺ کی دلداری اور ہمدردی کرنے والی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی ان کی وفات کا آپ ﷺ کے قلب پر نہایت گہرا اثر پڑا اس طرح یہ سال آپ ﷺ کے لئے عام الحزن بنا۔

چچا کی وفات کے بعد جور و جفا کا سلسلہ دراز ہو گیا اور امید کے مطابق لوگ بھی حلقۂ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، تو آپ ﷺ نے طائف کے لئے اس امید پر رخت سفر باندھا کہ وہاں کے لوگ شاید یہاں سے مختلف ہوں اور وہ اس پیغام ربانی صفائی قلب کے ساتھ قبول کر لے، مگر جب آپ ﷺ طائف پہنچے تو امید کے برخلاف مکہ سے کہیں زیادہ درشت مزاجی سے آپ ﷺ کا استقبال کیا گیا، وہاں کے تین سربراہوں سے حق کی ہمدردی اور حمایت طلب کی لیکن خدا کو یہاں بھی اپنے رسول کے لئے عزم و استقامت اور صبر و برداشت کو ہی پسند کرنا تھا لہٰذا وہاں کے با اثر لوگوں سے آپ ﷺ کو ہمدردی نہیں ملی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کا استہزا و تمسخر کیا گیا اور عام انسانی اخلاق کے برعکس شہر کے اوباش لوگوں کو پیچھے لگا دیا، انہوں نے آپ ﷺ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے، شہر کے لوگوں سے مایوس اور زخم خوردہ ہو کر شہر کے باہر نکلے اور انگور کے ایک باغ میں آپ ﷺ کو پناہ ملی، اہل طائف کے اس رویہ سے آپ ﷺ بہت زیادہ شکستہ دل ہوئے۔

معراج: بہر حال طائف والوں کے اس رویہ اور حالات کی سختی سے آپ ﷺ کا دل بے چین ورنجیدہ ہو گیا تھا اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی تقویت وتسکین کے خاطر آپ کے رنجیدہ دل کو مسرور بنانے کے لئے آخرت میں جو ہونے والا ہے اور عند اللہ آپ کا جو مقام ہے اس کا حقیقی منظر معراج کے ذریعے آپ ﷺ کو دکھایا۔

ہجرت حبشہ: نبوت ملنے کے تیرہ سال بعد جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم نا قابل برداشت ہو گئے اور اسلام کو ایک ایسے مرکز کی ضرورت پیش آئی جہاں اہل اسلام طمانینت قلب کے ساتھ اسلامی دعوت کو وسیع تر پیمانے پر فروغ دے سکے تو اللہ تعالی نے ان کے لئے مدینہ منورہ کو منتخب فرمایا، اور اس کی طرف ہجرت کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس مرکز کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے ہجرت کو ایمان کی علامت قرار دیا، چنانچہ مسلمان موقع بموقع ہجرت کرنے لگے جب مکہ میں مسلماں گنتی کے رہ گئے، مشہور صحابہؓ میں سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تھے تو قریش مکہ نے دار الندوہ کے خفیہ اجلاس میں طے کیا کہ محمد کو قتل کر دینا ہی حل ہے، ادھر آپ ﷺ کے قتل کی سازش مکمل ہوئی اور اُدھر ہجرت کا حکم آ گیا، چنانچہ اذن الٰہی کے مطابق لوگوں کی امانتوں کا مکمل انتظام کر کے "وَاللہ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاس" کی سپر لئے گھر سے باہر نکلے اور ابو بکرؓ کو ہمراہ لے کر شب تاریک میں مکہ سے چھپتے چھپاتے مدینہ کی جانب ہجرت شروع کی، مکہ سے رخصت ہوتے وقت کعبہ کی طرف دیکھکر کہا" مکہ تو مجھکو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔

مکی دور کا خاص پیغام: مکی دور پر سرسری نظر ڈالنے سے ہمیں خصوصیت کے ساتھ چند پیغام ملتے ہیں،

(۱) تعلیم وتعلّم: آپ پر آنے والی پہلی وحی کا آغاز اقرأ سے ہوا ہے اس سے

واضح اشارہ دیا گیا کہ دین حق کی تعلیم وتشریح جو اس نبی آخرالزماں کے ذریعہ کی جارہی ہے، یہ علم سے گہرا واسطہ رکھتا ہے، انسانوں کی اصلاح اور ارشادات الٰہی پر عمل کرنے کا جو کام انسان کو اس کے رب نے خلیفۃ اللہ فی الارض کی حثیت سے دیا ہے، (جس کا بڑا ذریعہ علم وقلم ہے) جس کے ذریعہ ہم آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو فروغ دے سکتے ہیں۔

(۲) صبر وتحمل: آلام و شدائد کے ایسے ایسے نمونے صحابہؓ اور خود آپ ﷺ پر آزمائیں گئے کہ اللہ کی پناہ، پھر بھی ان حضرات کے پائے ثبات پر لغزش تک نہیں آئی، ہر مصیبت کو خندہ پیشانی اور ہر آزمائش کو طلاقت وجہ کے ساتھ برداشت کیا اور آپ ﷺ بھی صحابہؓ کو اتنی مصیبت کے باوجود صبر ہی کی تلقین اور تحمل کی ترغیب دیتے رہے۔

(۳) ابلاغ دین: ایمان والوں کے ساتھ کفار کے ظالمانہ برتاؤ اور اس قدر اذیتوں کے باوجود فرض منصبی کی ادائیگی سے ذرا بھی کوتاہی نہیں؛ بلکہ توحید کے پیغام کو عام کرتے رہے، اور شرک وبت پرستی سے لوگوں کو روکتے رہے۔

(۴) استقامت علی الدین: تاریخ وسیر کی کتابوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ان ظالمانہ اذیتوں کے باوجود ایک بھی شخص نے اس دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے روگردانی نہیں کی، جس کی شہادت خود ابوسفیان نے نجاشی کے دربار میں دی ہے،

(۵) پیغام ہجرت: مسلمان جس ملک میں رہتے ہوں وہاں حکومتِ کفار کی جانب سے اللہ کے احکامات کو بجالانے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہوں اور ہمارے حقوق پامال ہورہے ہوں جس کی بنا پر زندگی گزارنا دشوار ہوجائے تو چاہئے کہ ہم کسی ایسے وطن کی طرف ہجرت کریں جہاں اہل اسلام طمانینت قلب کے اللہ سے احکام کو پورا کر کے اس کو فروغ دے سکتے ہو۔

خریطۂ عالم میں آج ہماری پوزیشن کہیں مکی دور تو کہیں مدنی دور کی حامل ہے، کہیں اقل القلیل ہیں تو کہیں اکثر الکثیر، کہیں مسلمانوں کو اپنی الگ ریاست حاصل ہے تو کہیں کوئی ریاست حاصل نہیں، جہاں مسلمان اقل القلیل ہے وہاں مکی دور کو اپنا رول ماڈل بنانا چاہئے اور جہاں اکثر الکثیر ہے وہاں مدنی دور کو اسوہ بنانا چاہئے، آج کے دور میں خصوصیت کے ساتھ اسلام پر بیتے ہوئے ان دونوں ادوار کا موازنہ کرنا چاہئے، جہاں جس دور کی موافقت ہو وہاں اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے،

مقالہ نگار :آصف پناما　　　　مقالہ نمبر : ۵۰
متعلم :جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم،أما بعد

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شب تاریک طلوع سحر کا پیغام لے کر آتی ہے، کہ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل اخلاقی اعتبار سے دنیا کی حالت اندھیری رات کی طرح تھی، جہاں دور دور تک روشنی کا کوئی دِیا ٹمٹماتا نظر نہ آتا تھا، مسافر اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے تھے، مذہب اخلاقی قدروں کا امین ہوتا ہے، لیکن اس وقت مذہب اور اس کی تعلیم میں انسانی ہاتھوں کی کارفرمائیوں نے مذہب کا چہرہ اتنا بگاڑ کر رکھ دیا تھا کہ اب اس کی ٹھیک ٹھیک شکل پہچاننی بھی مشکل تھی، گمشدہ راہ کا سراغ بتانے والا کوئی نہیں تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص نے اپنی بچی کے زندہ درگور کرنے کا واقعہ سنایا، تو بہت غمگین ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھ مبارک سے آنسو جاری ہو گئے،

آخر کار دعائے خلیل اور نوید مسیحا کے پورا ہونے کا وقت آ گیا، آمنہ بنت وہب سے عبداللہ ابن عبدالمطلب کے گھرانے میں وہ ستودہ صفات تشریف لائے جن کا نام محمد اور احمد تجویز ہوا،

بچے کتنی ہی ماؤں کے ہوتے ہیں اس حالت میں طبیعت کا بوجھل پن، گرانی اور پریشانی ایک فطری تقاضہ ہے، قرآن کریم نے اسی کو "حملته امه کرها" سے تعبیر کیا ہے، لیکن اس وقت آپ ﷺ کی شان ممتاز، برکت کا ظہور سچ پوچھوں تو "تو چیزے دیگری"، خود حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ، اس وقت کوئی گرانی محسوس نہ ہوئی، ہر طرف

نغمے بکھرے رہتے، ایسا لگتا کہ کانوں میں بار بار مبارک نغمات کی صدائیں کسی حسین وقت کی بشارت دے رہی ہے، حضرت شفاء کہتی ہیں کہ اس عالم آب وگل میں میرے ہاتھوں پر تشریف لائے تو سجدہ کی حالت میں انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھی ہوئی،، ناف بریدہ اور ختنہ شدہ تھے، حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت کے ساتھ ہی فضا منوّر ہوگئی، جس کی روشنی میں شام کے محلات دیکھے، فارس میں کسری کا محل کانپنے لگا اور چودہ کنگرے گر پڑے۔

اور مقام مولود بھی وہ جگہ قرار پائی جو جغرافیائی اور مذہبی اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جہاں سے پوری دنیا کا رابطہ بنتا ہے، کہ مرکز سے ہر انتہائی حصہ قریب تر ہوتا ہے، اور ہر جگہ پہونچنا آسان تر ہوتا ہے، آب وہوا کا اثر طبائع پر ایک مسلم حقیقت ہے، سرد ممالک کے باشندوں کی ذکاوت، پہاڑی اور صحرائی لوگوں کی جفاکشی اور زرخیز ممالک کے رہنے والوں کی تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی قدرت کے کے بتائے ہوئے مسلمہ قوانین کے تابع ہوتے ہیں جن کی جھلک بالہہ وجوہ اس شہر خوباں میں موجود ہے، یہ مقدس شہر ناف زمین پر آباد اور تینوں برّ اعظموں کے وسط میں واقع ہے، کسی عالم گیر تحریک وتبلیغ کے لئے اس سے بہتر اور موزوں مرکز کوئی نہیں ہوسکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت ﷺ کی تبلیغ وترویج دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر رکھا گیا۔

حضرت امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت کی تخریج فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے پاس جبرئیلؑ تشریف لائے، جب کہ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہیں پکڑ کر گدی کے بل لٹا کر سینۂ مبارک چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا، اس سے گوشت کا لوتھڑا نکال پھینکا، کیوں کہ یہ شیطانی حصہ تھا، پھر طشت میں آب زم زم سے دھوکر اپنی جگہ ثبت کر دیا، بچے گھبرائے ہوئے رضاعی ماں کے پاس دوڑے دوڑے آئے، اور کہنے لگا" ان محمدا قد قتل" پھر انہوں نے حضور

ﷺ کو متغیر اللون پایا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر خیاطت کے اثرات پائیں ہیں۔

جس وقت ابو طالب تجارت کے لئے شام جانے لگے تو آپ ﷺ چچا سے لپٹ گئے، چچا پر بڑا اثر پڑا اور ساتھ کرلیا، جب یہ تجارتی قافلہ ''بصری'' کے مقام پر پہونچا ''جو شامی علاقہ میں واقع ہے'' تو وہا پڑاؤ کیا، یہاں ان کی ملاقات بحیرہ راہب سے ہوئی اس نے معمول کے خلاف قافلہ کی میزبانی کی اور بہت اچھی طرح استقبال کیا، جب آپ ﷺ کو دیکھا تو زیادہ پذیرائی کی اور اطمنان کیا کہ اس میں نبوت کی علامت ہے، اور چچا ابو طالب کو مجبور کیا کہ بھتیجے کو واپس لے جائے، اور یہود کے شر سے محفوظ رکھیں، کیوں کہ آئندہ اس بچے کی ایک اونچی شان ہوگی، چنانچہ چچا جان آپ ﷺ کو لے کر مکہ تشریف لے آئے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں مستشرقین اور بد نیت مؤرخین ایسے مواقع ہمیشہ ڈھونڈتے رہتے ہیں، چنانچہ بحیرا راہب سے آپ ﷺ کی اس سر راہ ملاقات کو انہوں نے رائی کا پربت بنا دیا اور اسی پر پورا ہوائی قلعہ تعمیر کرلیا، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عقیدۂ توحید کی یہ صاف اور بے لاگ تعلیمات آپ ﷺ نے دراصل ایک عیسائی عالم سے حاصل کی ہیں، اس سے زیادہ قابل تعجب یات یہ ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق (CARRADE VEAU) نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور اس کا نام ''مصنف قرآن'' رکھا، اور اس میں یہ دعوی کیا کہ اس مختصر ملاقات میں ''بحیرا'' نے پورا قرآن محمد ﷺ کو املا کرایا۔ یہ بات کسی کی عقل میں آسکتی ہے کہ ایک کم سن بچہ جس کی عمر سب سے صحیح روایت کے مطابق نو (۹) سال اور زیادہ سے زیادہ بارہ

سال بتائی گئی ہے ایک ایسے سن رسیدہ شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ آشنا نہیں ایسے رقیق واہم مسائل اور نازک تفصیلات پر تبادلۂ خیالات کریگا۔

جب آپ ﷺ پچیس سال کے ہوئے تو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے ساتھ آپ ﷺ نے نکاح کیا، حضرت خدیجہؓ قریش کی بہت بااثر و با رسوخ خاتون تھیں، اور فہم وفراست، اخلاق کریمانہ نیز مال ودولت کے لحاظ سے بھی نامور تھی یہ بیوہ تھی، اوران کے شوہر ابو ہالہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس شادی کے وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا، چنانچہ جب دیواریں بلند ہوکر حجر اسود کی بلندی تک پہونچی تو حجر اسود کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا، قریش کئی روز تک اسی الجھن میں رہے، پھر اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ کل جو سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوگا وہ اس کا فیصلہ کریگا، چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ ہی داخل ہوئے اور آپ ﷺ کو دیکھتے ہی لوگوں نے بے ساختہ کہا کہ یہ محمد امین ہیں، ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں،

آخر جب آپ ﷺ چالیس سال کی عمر کو پہنچ گئے تو وہ ساعت ہمایوں بھی آ پہنچی کہ آپ ﷺ کو خلعت نبوت سے سرفراز کر کے پوری دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا۔

لقد من الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولاً ....الخ